خطبات فقیر

جلد تیرہ



- کثرتِ ذکر الٰہی
- قبولیت کی فکر
- رزق کی تقسیم
- دعوت وتبلیغ کے دس سنہری اصول
- محرم مردوں کی اصلاح
- فضائلِ جمعۃ المبارک

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، مفکرِ اسلام
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618003

خطباتِ فقیر جلد ۱۳

ازافادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

مُجدّدی مدظلہم

مرتب

محمد حنیف نقشبندی

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

نام کتاب ——— خطباتِ فقیر (جلد ۱۳)

از افادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— محمد حنیف نقشبندی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ——— جون 2006ء

اشاعت دوم ——— اپریل 2007ء

اشاعت سوم ——— جنوری 2008ء

اشاعت چہارم ——— اکتوبر 2003ء

اشاعت ہفتم ——— مارچ 2010ء

تعداد ——— 1100

سرورق ——— حافظ انجم محمود

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— ڈاکٹر شاہد محمود غفرلہ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
	279

عرض ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطبات فقیر کے عنوان سے 1996ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ تیرہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلند تر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیاناتِ حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پرواز فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقول شاعر

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

''خطبات فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے اسی نیت سے شروع کر رکھا ہے کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کی فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے اور انہوں نے اپنے مشائخ سے علم وحکمت کے جو موتی اکٹھے کر کے ہم تک پہنچائے

ہیں، انہیں موتیوں کی مالا بنا کر عوام تک پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مشن ہے جو ان شاء اللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔ قارئین کرام کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اس مجموعہء خطبات کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بحرِ معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے جن کی قدر و قیمت اہل دل ہی جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت، ذہانت و فطانت اور حلاوت وذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے جس سے اہل ذوق حضرات کو محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لئے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تا زیست اپنی رضا کیلئے یہ خدمت سر انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقہء جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہٗ
خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

پیش لفظ

الحمد لله الذی نور قلوب العارفین بنور الایمان و شرح صدور الصادقین بالتوحید و الایقان و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد و علیٰ اله و اصحابه اجمعین . اما بعد!

اسلام نے امت مسلمہ کو ایسے مشاہیر سے نوازا ہے جن کی مثال دیگر مذاہب میں ملنا مشکل ہے۔ اس اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ صف اول کے سپاہی ہیں۔ جن میں ہر سپاہی اصحابی کالنجوم کے مصداق چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے، جس کی روشنی میں چلنے والے اهتدیتم کی بشارت عظمیٰ سے ہمکنار ہوتے ہیں اور رشد و ہدایت ان کے قدم چومتی ہے۔ بعد ازاں ایسی ایسی روحانی شخصیات صفحہ ہستی پر رونق افروز ہوئیں کہ وقت کی ریت پر اپنے قدموں کے نشانات چھوڑ گئیں۔

عہد حاضر کی ایک نابغۂ عصر شخصیت، شہسوار میدان طریقت، غواص دریائے حقیقت، منبع اسرار، مرقع انوار، زاہد زمانہ، عابد یگانہ، خاصہ خاصان نقشبند، سرمایہ خاندان نقشبند حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالی مادامت النہار والیالی ہیں۔ آپ منشور کی طرح ایک ایسی پہلو دار شخصیت کے حامل ہیں کہ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس میں قوس قزح کی مانند رنگ سمٹے

ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کے بیانات میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ حاضرین کے دل موم ہو جاتے ہیں۔ عاجز کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ ان خطبات کو تحریری شکل میں یکجا کر دیا جائے تو عوام الناس کے لئے فائدہ کا باعث ہوں گے۔ چنانچہ عاجز نے تمام خطبات شریف صفحہء قرطاس پر رقم کر کے حضرت اقدس کی خدمت عالیہ میں تصحیح کے لئے پیش کئے۔ الحمد للہ کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ذرہ نوازی فرماتے ہوئے نہ صرف ان کی تصحیح فرمائی بلکہ ان کی ترتیب و تزئین کو پسند بھی فرمایا۔ یہ انہی کی دعائیں اور توجہات ہیں کہ اس عاجز کے ہاتھوں یہ کتاب مرتب ہو سکی۔

ممنون ہوں میں آپ کی نظر انتخاب کا

حضرت دامت برکاتہم کا ہر بیان بے شمار فوائد و ثمرات کا حامل ہے۔ ان کو صفحات پر منتقل کرتے ہوئے عاجز کی اپنی کیفیت عجیب ہو جاتی اور بین السطور دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوتی کہ کاش کہ میں بھی ان میں بیان کردہ احوال کے ساتھ متصف ہو جاؤں۔ یہ خطبات یقیناً قارئین کے لئے بھی نافع ہوں گے۔ خلوص نیت اور حضور قلب سے ان کا مطالعہ حضرت کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہونے کا باعث ہوگا۔

اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سے کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما کر بندہ کو بھی اپنے چاہنے والوں میں شمار فرمالیں۔ آمین ثم آمین

فقیر محمد حنیف عفی عنہ
ایم اے۔ بی ایڈ
موضع باغ، جھنگ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝

(الاحزاب: ۴۱)

کثرتِ ذکرِ الٰہی

یہ بیان جولائی 2004ء کو معہد الفقیر الاسلامی جھنگ میں ہوا جس میں حضرت اقدس کے خلفاء اور دیگر مریدین نے شرکت کی۔

اقتباس

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہمیں ذکر کثیر سے ہی فائدہ ہوگا۔ جن بزرگوں نے کچھ پایا انہوں نے ذکر کثیر ہی کیا۔ آپ مجھے کوئی ایک بندہ بھی دکھا سکتے جو منٹوں کا ذکر کرنے کا عادی ہو اور اس نے ولایت کے درجات حاصل کیے ہوں؟...... اس عاجز کی زندگی کے چالیس سال تصوف وسلوک کی لائن پر گزرے ہیں اور اپنی زندگی میں کوئی بندہ ایسا نہیں دیکھا جو پانچ اور دس منٹ ذکر کرتا ہو اور اس نے ولایت کے درجات حاصل کر لئے ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کے لئے گھنٹوں لگانے پڑتے ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

کثرتِ ذکرِ الٰہی

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا o

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

مؤمنین کو ذکرِ کثیر کا حکم ہے

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو ذکر کثیر کا حکم دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ ا اذْکُرُوْ اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (الاحزاب: 41)

[اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو]

اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا مگر ساتھ شرط لگا دی کہ کثرت کے ساتھ ذکر کرو۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی کسی عبادت کی کثرت کا حکم نہیں دیا لیکن جہاں ذکر کا تذکرہ آیا وہیں کثرت کا حکم دیا۔ دیکھیں کہ جب ذکر کی بات کی تو کثرت ذکر کی بات کی لیکن جب عمل کی بات ہوئی تو کثرتِ عمل کی بات نہیں کی بلکہ خوبیٔ عمل کی بات کی، فرمایا،

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَ کُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (الملک:2)

یہاں اَکْثَرُ عَمَلاً نہیں کہا بلکہ اَحْسَنُ عَمَلاً کہا کہ ہم نے موت وحیات

کو پیدا کیا، یہ دیکھنے کے لئے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ عمل کی کوالٹی مانگتے ہیں کہ جو عمل بھی کرو پورے اخلاص سے کرو۔ جو اس کی صحیح کیفیت ہے اس کیفیت کے ساتھ کرو۔ لیکن ذکر کے لئے کثرت کی قید لگا دی۔

یوں تو ہر کلمہ گو ذکر کرتا ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھنا بھی ذکر ہے، نماز پڑھنا بھی ذکر ہے، قرآن مجید کی تلاوت کرنا بھی ذکر ہے۔ اور ذکر کرنا بھی ذکر ہے۔ گویا ہر کلمہ گو ذکر تو کرتا ہے مگر ذکر کثیر نہیں کرتا اس لئے اس کو فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کے فائدے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساتھ یہ نکتہ بتا دیا کہ کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرو اس میں فائدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن (الجمعه:10)

[اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ]

تو دیکھیں کہ جہاں بھی ذکر کا حکم ہے وہاں کثرت کا بھی حکم ہے۔ ایک جگہ کثرت سے ذکر کرنے والے مرد و عورت کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ الذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (الاحزاب :35)

[اور کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے]

اس سے معلوم یہ ہوا کہ ذکر میں کثرت کا بڑا دخل ہے۔

کثرتِ ذکر کی تاثیر

یہ ذکر کے ساتھ کثرت کی شرط کیوں لگائی؟ اس لئے لگائی کہ بعض اوقات چیز کی مقدار کا اس کی تاثیر میں دخل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نمک ہم سب کھاتے

ہیں مگر اس نمک سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اگر اسی نمک کو بہت زیادہ پتلا کر دیا جائے تو یہ دوائی بن جاتی ہے۔ ایک ہومیو پیتھک دوائی ہے جو عام طور پر نزلہ زکام کنٹرول کرنے کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ وہ صرف نمک سے بنتی ہے۔ اگر عام بندہ جسے نزلہ زکام نہیں ہے وہ اس دوائی کی ایک خوراک لے لے تو اسے نزلہ زکام ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی نے اس کا تجربہ کرنا ہو تو وہ دوائی کی چند خوراکیں لے اور پھر ایک دن کے بعد اپنی حالت دیکھے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ہم وہی چیز چمچ بھر بھر کر سالن میں ڈالتے ہیں تو وہ ہمیں کچھ نہیں کہتی اور وہی چیز جب بہت قلیل مقدار میں لی جاتی ہے تو آدمی کے لئے دوائی بن جاتی ہے۔ اسی طرح ایک چیز تھوڑی مقدار میں لیں تو فائدہ نہیں دیتی اور اگر صحیح مقدار میں لیں تو فائدہ دے دیتی ہے۔ جو گولیاں ہم کھاتے ہیں ان میں سے کوئی درد کی دوا ہوتی ہے تو کوئی بخار کی۔ یہ ساری گولیاں چیزوں کی ایک خاص مقدار پر بنی ہوتی ہیں۔ اگر آپ اتنی مقدار میں نہ لیں تو آپ کو شفاء نہیں ہوتی۔

مثلاً ایک آدمی کو بخار ہوا۔ ڈاکٹر نے اس کو گن کر اکیس (۲۱) گولیاں دیں اور کہا کہ جی یہ انٹی بائیوٹک ہے۔ یہ آپ نے تین گولیاں صبح دوپہر اور شام کے وقت سات دن تک کھانی ہیں۔ یہ سات دن کا کورس مکمل کرنے کے بعد آپ ٹھیک ہو جائیں گے...... اب دوائی کھانے کی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ اس دوائی کو ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کرے گا تو ٹھیک ہو جائے گا اور اگر وہ یہ کہے کہ میرے بیٹے کا میڈیکل سٹور ہے لہٰذا میں تو سات دنوں کی جگہ زیادہ دن بھی دوائی کھا سکتا ہوں مگر میں روزانہ ایک گولی کھاؤں گا۔ اب اگر وہ روزانہ ایک گولی کھائے اور اس طرح وہ پچاس گولیاں بھی کھا لے تو اس کا بخار نہیں اترے گا۔ اب ڈاکٹر سے جا کر کہے کہ میں نے پچاس گولیاں کھائی ہیں مگر میرا بخار نہیں

اترا تو ڈاکٹر اسے کہے گا۔ جناب اگر آپ عقل سے کام لیتے اور میری ہدایت کے مطابق گولیاں کھاتے تو بالکل ٹھیک ہو جاتے۔ اب غور کریں کہ اس نے گولیاں بھی ٹھیک کھائیں اور وہ بنی ہوئی بھی ٹھیک تھیں مگر چونکہ اس نے مقدار پوری نہیں لی تھی اس لئے اسے فائدہ نہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چیز کی مقدار کا اس کے اثر میں دخل ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا کہ اللہ کا ذکر کرو' یہاں ساتھ اس کی مقدار بھی بتا دی۔ فرمایا

ذِكْرًا كَثِيْرًا

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کثرت سے ذکر نہیں کرے گا وہ فائدہ نہیں پائے گا۔ اسی لئے جو غافل اور جانور قسم کے لوگ ہیں اور خواہشات کے پیچھے بھاگنے والے ہیں ان کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے۔

وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء: 142)

[اور نہیں ذکر کرتے مگر تھوڑا]

وہ ذکر تو کرتے ہیں مگر تھوڑا ذکر کرتے ہیں اور تھوڑا ذکر کرنے والے جانوروں کی طرح اپنی خواہشات کی پیروی کرتے پھرتے ہیں ...... تھوڑا ذکر کرنے والے نفس کے غلام بنے پھرتے ہیں...... تھوڑا ذکر کرنے والے

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

(النساء: 143)

[بیچ میں لٹکے ہوئے ہیں نہ ان کی طرف ہوتے ہیں نہ ان کی طرف ہوتے ہیں]

کے مصداق ہیں۔ وہ تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ نہ ادھر کے رہتے ہیں نہ اُدھر کے۔ تھوڑا ذکر کرنے سے انسان کے اندر وہ صفات پیدا نہیں ہوتیں جو ذکر

کثیر کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ بعض اوقات سالک بھی اپنی اصلاح کے لئے مخلص ہوتا ہے اور شیخ بھی اس کے حال کے مطابق ٹھیک نسخہ تجویز کرتا ہے لیکن پھر بھی اسے فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ تھوڑا ذکر کرتا ہے۔ کم ذکر کرنے والے بدگمانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ بعض اوقات تو شیخ کے بارے میں بھی بدگمان ہو جاتے ہیں۔ وہ اکثر بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ آپ یکسوئی کے ساتھ معمولات کی پابندی کریں اور رابطہ رکھیں، اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی کو آپ کے حق میں بایزید بسطامی اور جنید بغدادی بنا دیں گے کیونکہ یہ نسبت قیامت تک باقی رہنی ہے۔

جو لوگ کثرت سے ذکر نہیں کرتے وہی فائدہ نہیں پاتے۔ کتنے ہی ایسے دوست ہیں جو کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کی ایسی بارش برساتا ہے کہ سالوں بلکہ مہینوں میں ان کا کام بن جاتا ہے۔ کئی تو ایسے ہوتے ہیں کہ جو ذکر کرتے نہیں اور کہتے ہیں کہ ترقی نہیں ہو رہی۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک آدمی دوائی بھی نہ کھائے اور یہ کہے کہ شفا نہیں ہو رہی۔ اس میں ڈاکٹر کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ آج کل تو ایسا دور آ گیا ہے کہ لوگ ڈاکٹر کا قصور بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ڈاکٹر ٹھیک نہیں ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر نے تو دوا بتا دی یعنی اسباق سکھا دیے ہیں۔ اس کے بعد اگر آپ وہ اسباق کریں، پھر اپنی کیفیت بتا کر پوچھیں کہ اب کیا کرنا ہے اور وہ نہ بتائے تو وہ قصوروار ہے۔ ڈاکٹر نے تو آپ کو پوری ہدایات دے دیں کرنا نہ کرنا تو آپ کے اختیار میں ہے۔ اگر کسی کو ڈاکٹر کہے کہ آپ یہ دوائی استعمال کریں بخار اتر جائے گا، مگر وہ بندہ اس دوائی کو اپنی جیب میں ڈال لے۔ اور پھر چند دنوں کے بعد کہے کہ ڈاکٹر صاحب! مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ڈاکٹر پوچھے گا کہ کیا آپ نے وہ دوائی کھائی تھی۔ تو وہ جواب

دے کہ جی میں نے وہ دوائی جیب میں ڈال لی تھی، تو ڈاکٹر کہے گا او عقل کے اندھے! اسے پیٹ میں ڈالنا تھا۔ جیب میں ڈالنے سے فائدہ نہیں ہونا تھا بلکہ پیٹ میں ڈالنے سے فائدہ ہونا تھا۔ اسی طرح ہم معمولات وغیرہ تو کرتے نہیں اور پھر شیخ کے ساتھ شکوے کرتے پھرتے ہیں۔

مراقبہ اینٹی بائیوٹک کی مانند ہے

اکثر دوستوں کو شیطان اس پوائنٹ پر اٹکا دیتا ہے کہ وہ مراقبہ چھڑوا دیتا ہے۔ تلاوت بھی باقاعدگی سے کرتے ہیں، نماز بھی باقاعدگی سے پڑھتے ہیں، درود شریف بھی پڑھ لیتے ہیں اور استغفار بھی پڑھ لیتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ مراقبہ نہیں ہوتا۔ ان معمولات کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ڈاکٹر نے انٹی بائیوٹک بھی دی اور ساتھ ہی اس نے دردوں اور وٹامن کی گولیوں کا ایک سیٹ بنا کر دیا۔ اس میں مراقبہ انٹی بائیوٹک کی مانند ہے جو گناہوں کا بخار اتارنے کی اصل دوا ہے۔ جس طرح بخار کا مریض اپنی ادویات میں سے انٹی بائیوٹک نکال دے اور باقی دوائی کے پھکے مارتا رہے تو اس کو شفا نہیں ہوگی اسی طرح مراقبہ کو چھوڑ کر باقی معمولات کر لینے سے بھی کامل روحانی شفا حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے آپ دیکھیں گے کہ اکثر و بیشتر سالکین کی طرف سے آپ کو ایک ہی شکایت ملے گی کہ جی میری ترقی نہیں ہو رہی لیکن جب آپ اس سے تفصیل پوچھیں گے تو ایک ہی جواب ہوگا کہ جی مراقبہ نہیں ہوتا۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو گھنٹوں بیٹھ کر دوسروں کی غیبت اور دنیا کے تذکرے کرتے رہتے ہیں، کیا وہ دو گھنٹے بیٹھ کر مراقبہ نہیں کر سکتے۔ یاد رکھیں کہ جو سالک مراقبہ نہ کرے اور ترقی نہ ہونے کا شکوہ کرے اس میں اس کا اپنا قصور ہوتا ہے۔ البتہ کوئی مراقبہ تو ایک یا دو گھنٹے کرے اور پھر کہے کہ ترقی نہیں ہو رہی تو پھر یہ دیکھنا پڑے گا کہ مراقبے کے اثرات اس کے قلب کے اندر کیوں

جڑ نہیں پکڑ رہے۔ پھر اگلا مرحلہ آئے گا۔

ذکر سے ذات کی محبت بڑھتی ہے:

ایک بات یاد رکھیں کہ ذکر سے ذات کی محبت بڑھتی ہے۔ آپ ذرا کہیں اناس کے پھل کا یا کشمیری چائے کا تذکرہ سنیں تو فوراً آپ کے دل میں ان چیزوں کے حصول کی طلب پیدا ہو جائے گی۔ ایک مرتبہ میں نے ایک بچے کے سامنے جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ کیا تو وہ دوسرے لمحے یہ کہنے لگا کہ میں ابھی جنت میں جانے کیلئے تیار ہوں۔ شریعت کا حسن و جمال دیکھئے کہ اس نے عورت کو اپنے شوہر کے سامنے کسی غیر عورت کے حسن و جمال کا تذکرہ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تذکرہ کرے گی تو اس غیر عورت کی محبت اس کے شوہر کے دل میں پیدا ہو گی اور خود اس پر مصیبت آ جائے گی۔ اسی طرح ذکر اللہ سے اللہ کی ذات کی محبت بڑھتی ہے۔ وہ ذکر چاہے مراقبہ کی شکل میں ہو، چاہے تہلیل لسانی کی شکل میں ہو چاہے فکر کا ذکر ہو۔ ذاکر زندہ کی طرح اور غافل مردہ کی طرح ہے۔ مردہ ہونے کا مطلب یہ ہے کی وہ وعیدیں اور بشارتیں تو سنے گا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

دل کا سیل فون:

اللہ تعالیٰ نے کثرت ذکر کا حکم دیا ہے۔ کیا ہم کثرت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں؟ کثیر کا لفظ آدھے سے زیادہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور قلیل کا لفظ آدھے سے کم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کیا ہمارا پچاس فیصد سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزرتا ہے۔ اگر نہیں گزرتا تو ہم ذکر کثیر نہیں کر رہے۔ ہمیں اپنی بیماری کا علاج سمجھنا بڑا آسان ہے۔ مشکل نہیں ہے ہمت سے کام لیں اور

مراقبے کی پابندی کر کے دیکھیں پھر اس کی برکتیں خود دیکھنا۔ جو بندہ مراقبہ نہیں کرتا اس کی مثال ایسی ہے کہ وہ سیل فون پر باتیں تو کرے مگر اس کو چارجنگ کے ساتھ نہ لگائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیٹری ایک یا دو دن چلے گی اور تیسرے دن بات ہوتے ہوتے درمیان سے کٹ جائے گی۔ اگر کوئی پوچھے کہ آپ کی بات ہو رہی تھی کٹ کیوں گئی تو کہتا ہے کہ بیٹری کام نہیں کر رہی۔ وہ پوچھے کہ بیٹری کیوں کام نہیں کر رہی تو یہ کہتا کہ میں نے اس کو چارج نہیں کیا۔ اسمیں قصور اس کا اپنا ہوگا۔ بیٹری کو روزانہ چارج کرنا پڑتا ہے۔ سیل فون رکھنے والے اچھی طرح واقف ہیں کہ وہ دن کو فون پر باتیں کرتے ہیں اور رات کو چارج کرتے ہیں۔ دل کے سیل فون کا بھی یہی حال ہے۔ دن کو اس سے کام لو اور رات کو اللہ کے ساتھ ملا کر اسے چارج کرو۔ دنیا کا سیل فون بجلی سے چارج ہوتا ہے۔ اور دل کا سیل فون اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے نور، برکت، رحمت اور سکینہ سے چارج ہوتا ہے۔ جس طرح فون کی بیٹری فل چارج ہو تو زبردست قسم کی گھنٹی بجتی ہے اسی طرح جب دل کی بیٹری فل چارج ہو تو پھر قلبی ذکر کی گھنٹی بھی خوب ٹکا کے بجتی ہے۔ پھر لطائف کی گھنٹیاں اللہ اللہ والی بج رہی ہوتی ہیں اور اس کے علاوہ کچھ بھی سنائی نہیں دیتا۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہمیں ذکر کثیر سے ہی فائدہ ہوگا۔ جن بزرگوں نے کچھ پایا انہوں نے ذکر کثیر ہی کیا۔ آپ مجھے کوئی ایک بندہ بھی دکھا سکتے جو منٹوں کا ذکر کرنے کا عادی ہو اور اس نے ولایت کے درجات حاصل کئے ہوں؟ اس عاجز کی زندگی کے چالیس سال تصوف وسلوک کی لائن پر گزرے ہیں اور میں نے اپنی زندگی میں کوئی بندہ ایسا نہیں دیکھا جو پانچ اور دس منٹ ذکر کرتا ہو اور اس نے ولایت کے درجات حاصل کر لئے ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کے

لئے گھنٹوں لگانے پڑتے ہیں۔ پھر مقصود حاصل ہوتا ہے۔

لمبا مراقبہ:

ہمارے مشائخ صبح وشام لمبا مراقبہ کیا کرتے تھے۔ حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ایک بزرگ تھے۔ حضرت حسین علی رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں والے۔ وہ ایک بڑے مفسر قرآن تھے۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فیض پایا۔ فرماتے ہیں کہ جب لوگ ان کی خانقاہ پر جاتے تھے تو عشاء کے بعد وہ مراقبہ کرواتے تھے اس مراقبے کی اختتامی دعا بھی نہیں ہوتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ہاں دستور تھا کہ عشاء کے بعد حضرت کے ساتھ مراقبہ میں سر جھکانا ہے۔ سالکین کو کھلی چھٹی تھی کی جو تھک جائے وہ چلا جائے یا جس کو نیند آئے وہ بھی چلا جائے۔ اس طرح ایک چلا جاتا دوسرا چلا جاتا، تیسرا چلا جاتا، حتیٰ کہ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ مراقبے سے سر اٹھاتے تو دیکھتے کہ سارے ہی چلے گئے ہیں۔ حضرت اٹھتے اور تہجد کی نیت باندھ لیتے تھے۔ یوں پوری رات اللہ کی یاد میں گزار دیتے تھے۔

ان کے خلفاء بھی کثرت سے ذکر کرتے تھے۔ سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سنائی کہ ہم ان کے ایک خلیفہ سے ملنے کے لئے گئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے اور ساتھ حضرت مولانا سید احمد گوہانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ یہ بڑوں کے تعلق کی وجہ سے ان سے ملنے کے لئے گئے۔ فرمانے لگے کہ مجھے ڈیوٹی پر بھی جانا تھا۔ جب ہم فجر کے بعد گئے تو ہمارے پاس تین گھنٹے تھے۔ ہم نے سوچا کہ جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں ہم وہاں پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے اور پانچ منٹ میں واپس آجائیں گے۔ تو درمیان میں ان کے پاس

تقریباً ایک گھنٹہ بیٹھیں گے، یوں ہمیں ان کی مجلس مل جائے گی۔ فرمانے لگے کہ جب ہم وہاں پہنچے تو حضرت نے فرمایا کہ آئیں ہم مراقبہ کریں۔ ہم دو تھے اور ایک مراقبہ کروانے والے تھے۔ مجمع میں سے اٹھ کر جانا آسان ہوتا ہے مگر جب صرف دو شاگرد بیٹھے ہوں تو اٹھ کر جانا مشکل کام ہوتا ہے۔ ہم تو تھے بھی پرائیویٹ گھر میں جاتے کہاں؟ فرمانے لگے کہ جب ہم نے سر جھکایا تو اب ہم مشکل میں گرفتار ہو گئے۔ ہماری گردن تھک گئی مگر حضرت کو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ ابھی گردن کی ہڈی ٹوٹے گی۔ کبھی اِدھر سائیڈ بدلتے کبھی اُدھر، پہلو بدل بدل کر ہمیں سکون ہو گیا اور وہ مراقبے میں آرام سے بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ جب اڑھائی گھنٹے گزر گئے تو ہم نے ٹائم دیکھا۔ پھر پریشانی ہوئی کہ مجھے تو ڈیوٹی پر جانا ہے۔ اب ہمارا دل کرتا تھا کہ اٹھ کر چلے جائیں لیکن پھر کہتے کہ ادب کے خلاف ہے۔ ہم بیٹھے تو تھے مگر ہمارے دماغ میں جنگ چل رہی تھی۔ جب پونے تین گھنٹے مکمل ہوئے تو اس وقت حضرت نے دعا فرمائی۔ ان کو کشف کے ذریعے اندازہ ہو گیا۔ چنانچہ دعا کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ جب آیا کریں تو مراقبے کے لئے وقت تو لے کر آیا کریں ...... اللہ اکبر...... جواب میں حضرتؒ نے فرمایا، بہت اچھا! جب ہم ائندہ آئیں گے تو وقت لے کر آئیں گے۔

حضرت مولانا سعید احمد گوہانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے عرض کیا، حضرت ہم چاہتے ہیں کہ آپ ذرا ہمارے لطائف پر توجہ فرما دیں۔ وہ پنجابی بولتے تھے۔ لہٰذا پنجابی میں کہنے لگے۔

”تازہ ہن تازہ رہسن“

یعنی تمہارے لطائف تازہ ہیں اور تازہ رہیں گے۔ اللہ اکبر، جو کثرت ذکر کرتے ہیں وہ پھر کہہ بھی سکتے کہ یہ تازہ ہیں اور تازہ رہیں گے۔

دل کے لئے بیکنگ ٹائم

جو لوگ اچھی مٹھائیاں اور بسکٹ وغیرہ بناتے ہیں وہ ہر چیز کو بیکنگ ٹائم (پکنے کا وقت) دیتے ہیں۔ جب آپ پاس ہونے پر اپنے دوستوں کی دعوت کیلئے ان سے کیک بنوانے کے لئے کہیں گے تو وہ آپ سے سائز پوچھیں گے اور کیک بنا کر اس کو اوون (بھٹی) کے اندر رکھ دیں گے اور ایک خاص وقت تک اس میں رکھیں گے۔ اگر کیک کو اس میں اتنا ہی وقت رکھا جائے تو وہ بہترین پکتا ہے، اس سے کم وقت میں بھی نہیں پکتا اور زیادہ میں بھی نہیں پکتا۔ اس سے نیچے پکے گا تو کچا رہ جائے گا اور زیادہ پکے گا تو وہ جل جائے گا۔ تو ہر چیز کا ایک بیکنگ ٹائم ہے لیکن میرے دوستو! ہم مراقبہ کر کے اپنے دل کے کیک کو بیکنگ ٹائم ہی نہیں دیتے۔ ہم دل کو مراقبے کے اوون میں ڈالتے ہیں اور دو منٹ بعد نکال لیتے ہیں۔ جبکہ اس کو گھنٹوں کے حساب سے بیکنگ ٹائم کی ضرورت ہوتی ہے۔

خواہشات نفسانیہ کا سٹریس کیسے دور ہو:

جب لوہے کی مشینری بناتے ہیں تو اس کے اندر سٹریس (کھنچاؤ) آجاتا ہے۔ اس کے اندر کے گرین فُل ہو جاتے ہیں یعنی اس کے اندر کے جو دانے ہیں ان میں کھنچاؤ آجاتا ہے۔ اس کھنچاؤ کو دور کرنے کے لئے ان کے سٹریس کو ریلیو (ختم) کرنا پڑتا ہے۔ اس مقصد کے لئے تین سے آٹھ گھنٹے تک اس مشینری کو ایک خاص ٹمپریچر پر رکھنا پڑتا ہے۔ ٹربائن اور جنریٹر کے نازک پرزے بھی اسی طرح بنتے ہیں کہ پہلے عام بناتے ہیں پھر اس جگہ پر رکھ کر اس کے سٹریس کو ختم کرتے ہیں۔ اب اگر اس مشینری نے آٹھ گھنٹوں میں ٹھیک ہونا ہو اور ہم اس کو وہاں آٹھ منٹ کے لئے رکھیں اور نکال لیں۔ پھر شام کو آٹھ منٹ کے لئے رکھیں

اور نکال لیں۔ اگر ہم روزانہ اسی طرح کرتے رہیں تو ہم ایک سال تک بھی کرتے رہیں تو اس کے سٹریس ختم نہیں ہوں گے۔ اگر آپ کہیں کہ جناب میں نے تو آٹھ آٹھ منٹ کر کے آٹھ گھنٹے دیے ہیں۔ تو انجینئرز حضرات کہیں گے کہ اس سٹریس کو دور کرنے کا ایک خاص وقت ہے۔ اگر اس سے پہلے نکال لیں گے تو اس کے سٹریس ہرگز دور نہیں ہوں گے۔ اسی طرح ہر انسان کے نفس میں خواہشات نفسانیہ کا سٹریس ہے۔ اس سٹریس کو ختم کرنے کے لئے گھنٹوں مراقبہ کرنا پڑتا ہے۔ تب جا کر دور ہوتا ہے۔ جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم مراقبہ کرتے ہی نہیں۔ بس ہم یہ چاہتے ہیں کہ پیر صاحب کی خانقاہ میں اللہ کے رنگ والا ایک ایسا ٹینک ہونا چاہیے کہ ہم جائیں اور پیر صاحب ہمیں اس ٹینک میں ڈبکی دے کر بھیج دیں کیونکہ ہمیں واپس جلدی گھر جانا ہوتا ہے۔

بے طلبی کی انتہا:

آج کل کے سالکین آتے ہی چند باتیں کرتے ہیں۔

(۱) پہلی بات یہ کرتے ہیں کہ حضرت! میں نے بڑے مشائخ کو دیکھا ہے۔ لیکن میں آپ سے بیعت ہوا ہوں، کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ میرا آپ پر احسان ہے کہ اتنے مشائخ کو دیکھنے کے باوجود میں آپ سے بیعت ہوا ہوں۔

(۲) دوسری بات یہ کرتے ہیں کہ حضرت! مجھے مراقبے کیلئے وقت تو ملتا نہیں۔ بس آپ ہی کچھ توجہ کر دیں...... ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کرتے ہیں کہ کاروبار بھی کچھ اچھا نہیں، ڈاؤن سا ہے، بس پڑھنے کے لئے کچھ بتا دیں...... ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔

(۴) چوتھی بات یہ کرتے ہیں کہ حضرت! اولاد بھی آج کل کچھ نافرمان سی ہے پڑھائی میں دلچسپی نہیں لے رہی۔ نہ بیٹیاں پڑھتی ہیں اور نہ ہی بیٹا پڑھ رہا ہے،

بہت سمجھاتا ہوں لیکن وہ سمجھتے ہی نہیں، ان کیلئے بھی کچھ بتا دیں...... ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔

(۵) پانچوں بات یہ کرتے ہیں کہ حضرت! میں اپنی طرف سے تو بڑی کوشش کرتا ہوں کہ گھر کا ماحول خوشگوار رہے، لیکن میری بیوی بات نہیں مانتی ہر وقت چخ چخ ہوتی رہتی ہے، ضد بازی کرتی ہے، اسے غصہ بہت آتا ہے، حضرت! اس کے لئے بھی کوئی ایسی چیز پڑھنے کے لئے دے دیں کہ وہ میری مریدنی بن جائے (دل میں یہی بات ہوتی ہے) حضرت! اس کے لئے بھی کچھ بتا دیں۔ ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔

اب آپ یہ بتائیں کہ جو بندہ آ کر یہ باتیں کرے تو پھر اس نے تزکیۂ نفس کیلئے کیا محنت کی۔ بھئی یہ تزکیہ نفس ایک مستقل کام ہے۔ جس کے لئے وقت نکالنا ضروری ہے۔ سارا دن دفتر میں لگائیں اور باقی وقت بیوی بچوں میں گزاریں اور مراقبہ بھی نہ کریں اور پھر اعتراض بھی پیر صاحب پر کریں کہ پیر صاحب ہمیں وقت نہیں دیتے۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ او اللہ کے بندے! پیر صاحب تو روزانہ تہجد میں اور تخلیہ کے دوسرے اوقات میں جب بیٹھتے ہیں تو پوری دنیا کے متعلقین پر توجہ ڈال رہے ہوتے ہیں۔ فیض تو بارش کی طرح برس رہا ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ باقی درخت تو بارش کا پانی پی لیں اور آپ کو پانی پینے کا موقع نہ ملے۔

؎ عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے سبھی پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

انتقال فیض کی تین شرائط:

ایک بات ذہن میں رکھیں کہ ایک ہوتا ہے ٹرانسمیٹر۔ اس سے قاری

عبدالباسط کی آواز میں تلاوت. یا خبریں وغیرہ ٹرانسمٹ ہو رہی ہوتی ہیں اور ریسیور (ریڈیو) کے ذریعے ہم اس کو ریسو کر کے سن رہے ہوتے ہیں۔ بی بی سی کی خبروں کی ہی مثال لیتے ہیں۔ وہاں سے خبریں سننے کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ وہاں سے خبریں نشر ہو رہی ہوں، پھر ہی سنی جا سکیں گی۔ اگر بی بی سی کا ٹائم ہی نہ ہو اور کوئی خبریں لگانے کی کوشش کرے تو فقط شوں شوں ہی ہو رہی ہو گی۔ اب اگر کوئی مجھے کہہ دے کہ بی بی سی کی خبریں لگا دو تو مجھے تو پتہ ہی نہیں کیسے اور کہاں پر خبریں لگتی ہیں۔ میں تو بس ایسے ہی الیکٹریکل انجینئر ہوں۔ مجھے ٹیپ ریکارڈر چلانے کا بھی پتہ نہیں ہے۔ اللہ کی شان دیکھیں...... لیکن جو لوگ سنتے ہیں ان کو بڑا اندازہ ہوتا ہے وہ بس بٹن آن کر کے ایسے گھماتے ہیں کہ آواز آنے لگتی ہے کہ یہ بی بی سی لندن ہے۔ لیکن اگر اسے بی بی سی کے سٹیشن سے اسے شوں شوں کی آواز سنائی دے تو وہ کہتا ہے کہ ابھی خبروں کا وقت نہیں ہوا۔ یعنی ابھی ادھر سے خبریں نشر نہیں کی جا رہی ہیں۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ ریڈیو کا بٹن بھی آن کیا جائے اور متعلقہ میڈیم ویو پر سیٹ بھی کیا جائے۔ اگر ریڈیو تو ٹھیک ہے مگر اس کو آن ہی نہیں کیا گیا یا آن کا بٹن تو دبا دیا لیکن اس کو سیٹ نہیں کیا گیا تو بھی خبریں نہیں سنی جا سکتیں۔ چنانچہ آن کرنا بھی ضروری ہے اور سیٹنگ کرنا بھی ضروری ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ درمیان کا موسم بھی ٹھیک ہو۔ جب موسم خراب ہوتا ہے تو اُدھر سے خبریں آ بھی رہی ہوتی ہیں اور اِدھر والا سننے کے لئے بھی تیار بیٹھا ہوتا ہے مگر درمیان میں موسم کی خرابی کی وجہ سے رکاوٹ آ جاتی ہے۔ کئی مرتبہ بعض ملکوں کے لوگ نہیں چاہتے کہ ہمارے ملک کے لوگ خبریں سنیں تو وہ درمیان میں

ان خبروں کو لہروں کے ذریعے روک دیتے ہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ جب ختم نبوت کی تحریک چلی تھی، ان دنوں میں ہر شہر میں کرفیو اور بڑے ہنگامے تھے۔ ان دنوں ہم یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ ہم بھی بی بی سی کی خبریں سنتے تھے۔ کیونکہ یہاں والے تو بتاتے ہی کچھ نہ تھے کہ کیا ہوا۔ جب وہ رپورٹ کرتے تھے تو پتہ چلتا تھا کہ ملک میں کیا ہوا۔ ریڈیو سٹیشن والے انجینئر نے بتایا کہ ہمیں سرکار نے کہا ہے کہ تم اس موقع پر یہاں سے ایسی لہریں بھیجو کہ درمیان میں لوگ خبریں سن ہی نہ سکیں۔ چنانچہ وہ اُدھر سے خبریں بھیجنا شروع کرتے تھے اور یہ درمیان میں اِدھر سے کچھ لہریں بھیج دیتے تھے جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ بی بی سی کی خبریں سن ہی نہیں سکتے تھے۔

ذکر کے معاملے میں بھی بالکل یہی مثال ہے۔ اس کے لئے بھی تین شرائط ہیں

(۱)...... ایک تو یہ کہ شیخ توجہ کرے۔ یاد رکھیں کہ شیخ کی توجہ ہر وقت ہوتی ہے۔ بالخصوص جب مراقبہ کروایا جاتا ہے تو اس وقت صرف سامنے بیٹھنے والوں پر ہی توجہ نہیں کی جاتی، بلکہ پوری دنیا میں جتنے متعلقین ہوتے ہیں ان کے قلوب کو قلوب واحد سمجھا جاتا ہے اور پھر اس قلب پر توجہ ڈالی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس توجہ کی وجہ سے جو جہاں ہوتا ہے اس کو فیض پہنچا دیتا ہے۔ تو کوئی سالک یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ مجھے توجہ نہیں مل رہی۔ جب مشائخ دن میں دس مرتبہ مراقبے کرواتے ہوں، اور خود بھی مراقبہ کرتے ہوں اور توجہات دیتے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف سے ٹرانسمیشن تو ہو رہی ہے۔

(۲)...... دوسری شرط یہ ہے کہ سالک مراقبہ میں بیٹھ کر ریسیور یعنی دل کا بٹن آن کرے۔ اگر وہ مراقبہ میں بیٹھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سوئچ آن

تو کرتا ہے، مراقبہ میں بیٹھ کر اس کو چاہیے کہ وہ توجہ کی سوئی کو بھی دل کے اوپر جمائے۔ یہ نہ ہو کہ جب وہ بیٹھے تو اِدھر اُدھر کے اوٹ پٹانگ خیالات چلنا شروع ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ریسیور کو آن تو کر دیا مگر سوئی کی سیٹنگ نہیں کی۔ حالانکہ بیٹھنا بھی ضروری ہے اور سوئی کی سیٹنگ کرنا بھی ضروری ہے۔

(۳)......تیسرے نمبر پر شیطان درمیان والی سرکار ہے۔ یہ وساوس کی لہریں چھوڑتا ہے اور اس کی وجہ سے اس فیض کو قلب میں پہنچنے سے روک دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم سر جھکاتے ہیں تو اس وقت نفسانی اور شیطانی خیالات دل میں پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر عام حالت میں بیٹھیں تو وہ خیالات نہیں آتے لیکن ذرا آنکھ جھکائی اور سوئی دل پر جمائی تو اسی وقت کوئی نہ کوئی شیطانی خیال دماغ میں گردش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ درمیان میں شیطان یہ نہیں چاہتا کہ انسان کو فیض ملے۔ اب شیطان سے پیچھا چھڑانے کا طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور اسی کے سامنے آہ وزاری کرے کہ اے مالک! میں تیرے حضور بیٹھا ہوں لیکن مجھے ٹرانسمیشن (توجہ) نہیں مل رہی۔ اے اللہ! میرے اوپر فضل فرما۔

کریم مجھ پر کرم کر بڑے عذاب میں ہوں
کہ بیٹھا ہوں تیرے سامنے مگر حجاب میں ہوں

جب آپ اللہ تعالیٰ سے یوں مدد مانگیں گے تو دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ درمیان میں اس بدمعاش کو کیسے سیدھا کرتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ مراقبہ اور اس کا فیض ایک سیٹ چیز ہے۔ یہ کوئی نیا تجربہ نہیں ہے۔ کروڑوں انسانوں نے اس طریقہ سے فیض پایا اور اللہ کے فضل سے لاکھوں مشائخ نے ان کو فیض پہنچایا۔ اس لئے مراقبہ کرنا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ اگر

مراقبہ کرنے سے بھی فائدہ نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان درمیان میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں ۔اب یہ نہ کریں کہ Reception (وصولی) نہ ہونے کی وجہ سے ریڈیو کو ہی توڑ دیں اور مراقبہ ہی چھوڑ دیں۔کئی لوگ سوچتے ہیں کہ اصلاحی تعلق جوڑے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا ہے لیکن مجھے فائدہ ہی نہیں ہو رہا لہٰذا اب ہم تعلق توڑ دیتے ہیں۔شیطان یہی تو چاہتا ہے کہ اگر آپ تعلق توڑیں گے تو شیطان سے زیادہ اور کوئی خوش نہیں ہو گا۔وہ تو چاہتا ہے کہ اس کو جس سے محبت کا تعلق ہے ایک دفعہ اس سے ٹوٹے پھر یہ محبت کسی اور سے نہیں ہونے دوں گا۔یہ بھی یاد رکھیں کہ بندے کی طبیعت ہر ایک کے ساتھ نہیں جڑتی ۔اس لئے اس تعلق کو مضبوط سے اضبط بنانے کی کوشش کریں۔روزانہ ذکر بھی کریں اور اللہ سے مدد بھی مانگیں۔اگر ان چیزوں کا خیال رکھیں گے تو آپ کو یقیناً فیض ملے گا۔کوئی صورت ہی نہیں کہ فیض نہ ملے۔

روحانی دنیا میں ظاہری فاصلوں کی حیثیت

یہ روحانیت کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے پوری دینا میں چلانا ہے اگر ایک بندے نے شیخ سے تعلق جوڑا ہے اور اس کے بعد بظاہر دور ہونے کی وجہ سے جلدی مل نہیں سکتا تو کیا وہ وہاں بیٹھ کر روحانیت کے فیض سے محروم رہے گا؟ یہاں پر بجلی کا بٹن آن کریں تو دنیا کے دوسرے کنارے پر ایک سیکنڈ سے بھی پہلے بلب روشن ہو جائے گا۔اگر بجلی اتنی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے اس کو آن کر دیتی ہے تو یہ خدا کا نور اس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتا ہے۔اس لئے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ادھر سالک نے اپنے مراقبے میں سوئی ٹکائی اور ادھر شیخ سے اس کو فیض کی لہر آئی۔اِدھر شیخ توجہ کی نیت کرتا ہے اور اُدھر سالک کے دل تک توجہ پہنچ جاتی ہے۔یہ مادی فاصلے روحانیت کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔لہٰذا دنیا

کے کسی بھی کونے میں کوئی سالک ہو، اس کو فیض ملتا ہے۔

اگر بندہ یہ کہے کہ مجھے شیخ کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع نہیں ملتا تو پھر عورتیں تو کبھی روحانی ترقی نہیں کر سکتیں کیونکہ مل بیٹھنا تو صرف مردوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روحانیت کی دنیا میں عورتیں کبھی بھی ولیہ نہیں بن سکتیں۔ حالانکہ عورتیں بھی ولیہ بنتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ نہ وہ پیر کے سامنے بیٹھتی ہیں، نہ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتی ہیں اور نہ ہی پیر کے ساتھ ان کو بہت قرب ہوتا ہے، وہ اپنے گھر میں زندگی گزار رہی ہوتی ہیں، اپنے ملک میں زندگی گزار رہی ہوتی ہیں، بیعت ہونے کے بعد وہ پیر سے کیسے فیض پاتی ہیں؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اگر وہ پابندی کے ساتھ معمولات کرتی رہتی ہیں تو بغیر شیخ کو دیکھے اور بغیر شیخ کی محفل میں بیٹھے اللہ تعالیٰ اسی جگہ ان کے قلب میں نور پہنچاتے رہتے ہیں۔ اس طرح عورتیں بھی ولایت کا نور پالیتی ہیں۔ تو یہ ایک حقیقت ہے کہ جو کر رہے ہیں وہ پا رہے ہیں اور جو نہیں کر رہے وہ اَلْاٰنَ کَالْکَانَ (جیسے تھے ویسے ہیں)

پانے والے یوں پاتے ہیں

آپ حضرات میں سے اس وقت کوئی لطیفہ قلب پر ہوگا......کوئی لطیفہ روح پر ہوگا......کوئی لطیفہ خفی یا لطیفہ اخفیٰ پر ہوگا......کوئی مراقبات مشاربات پر ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس وقت ہماری جماعت میں

......ایسے دوست بھی موجود ہیں جو روزانہ تین گھنٹے باقاعدگی سے مراقبہ کرتے ہیں۔

......ایسی معلمات اور فاضلات بھی ہیں جو روزانہ تین گھنٹے مراقبہ کرتی ہیں۔

......ایسے بھی لوگ ہیں جو کلمہ طیبہ کا ورد روزانہ تین ہزار مرتبہ کرتے ہیں۔

......ایسے بھی لوگ ہیں جو اس کا ورد پانچ ہزار مرتبہ کرتے ہیں۔

......کئی سات ہزار مرتبہ روزانہ کرتے ہیں۔

......چند لوگ ایسے بھی ہیں جو دس ہزار مرتبہ تہلیل لسانی کرتے ہیں۔

......الحمدللہ ہماری جماعت میں ایسے آدمی بھی ہیں جو چالیس ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ روزانہ پڑھتے ہیں

......اس دور میں بھی نوجوان خط لکھتے ہیں کہ حضرت دو سال سے تہجد کبھی قضا نہیں ہوئی۔

......اس وقت مجھے خط ملتے ہیں کہ حضرت کوئی مہینہ بھی نبی علیہ السلام کی زیارت سے خالی نہیں گزرتا۔

......ایک ایسے آدمی بھی ہیں جنہوں نے مجھے اپنے حالات سناتے ہوئے بتایا کہ حضرت حدیث پاک کے حفظ، علم اور شغف کی وجہ سے میری زندگی کا کوئی ایک ہفتہ بھی نبی علیہ السلام کی زیارت کے بغیر نہیں گزرتا۔

پانے والوں کو یوں مل رہا ہے اور ان میں سے ایک صاحب کہتے ہیں کہ مجھے ملتا ہی کچھ نہیں ہے۔ بھائی! آپ بھی مخلص ہیں اور شیخ بھی آپ کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں، وہ بھی توجہ کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ درمیان میں شیطان وساس کی لہروں سے فیض کی ٹرانسمیشن کو روکتا ہو۔ لہٰذا اللہ سے مانگو۔ کیونکہ یہ قبض کی کیفیت بڑے بڑوں پر آجاتی ہے۔

قبض کی کیفیت میں بڑی آزمائش ہوتی ہے:

یاد رکھنا کہ قبض کی کیفیت میں بندے کی بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر......

⊙ ......ایک مرتبہ کچھ دنوں کے لئے اللہ کے محبوب پر وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ محبوب ﷺ چاہتے تھے کہ وحی آئے لیکن پروردگار

عالم نے وحی کو مؤخر فرما دیا۔ وہ مالک الملک ہے۔ اس میں بھی کوئی حکمت تھی۔ سبق دینا مقصود تھا۔ اللہ کے محبوب ﷺ کے لئے وحی کا یہ انقطاع برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ چنانچہ ان دنوں اللہ کے محبوب ﷺ کی ایسی کیفیت تھی کہ آپ فرماتے تھے کہ میرا جی چاہتا تھا کہ میں پہاڑ پر چڑھ کر نیچے چھلانگ لگا دوں ......اللہ اکبر!!!

⊙ ......حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مرتبہ ایسا قبض طاری ہوا کہ کئی مہینوں تک باطن میں کچھ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا۔ اپنی طرف سے پورا زور لگا کر بالآخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ مصلیٰ چھوڑ کر میں بھی لوگوں کی طرح بازار میں جا کر کام کرتا ہوں تا کہ میں بھی مال و دولت کماؤں اور بیوی بچوں کو خوب کھلاؤں، یہاں سارا دن بھی بیٹھوں اور کچھ ملے بھی نہ تو اس سے بہتر ہے کہ میں جا کر کوئی کام کروں۔ یہ نیت کر کے اپنا مصلیٰ چھوڑا اور چل پڑے راستے میں ایک مسجد پر نظر پڑی۔ انہوں نے سوچا کہ نماز کا وقت کہیں نکل نہ جائے لہٰذا میں یہیں پر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ چنانچہ جب مسجد میں داخل ہوئے تو اس میں ایک شعر لکھا ہوا نظر آیا۔ جیسے ہی انہوں نے فارسی کا شعر پڑھا تو دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ اللہ تعالیٰ نے باطن کو دوبارہ روشن کر دیا......سبحان اللہ......اس کے بعد ان کی ایسی طبیعت کھلی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نسبت نقشبندیہ کا ایسا فیض اتارا کہ ان سے آگے یہ سلسلہ، "نقشبندیہ سلسلہ" کہلانے لگا۔

⊙ ......حضرت خواجہ عبداللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے قلبی حالات بہت ہی اچھے تھے۔ بسط کی کیفیت تھی۔ میں ایک دعوت پر گیا۔ وہاں جو کھانا پیش کیا گیا وہ مشتبہ تھا۔ حرام نہیں تھا بلکہ شبہ تھا کہ کھانے میں شاید سود کی ملاوٹ ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کھانے کو کھانے کے بعد میری کیفیات ختم ہو گئیں۔ میں نے

اپنے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو آ کر بتایا کہ حضرت! یہ مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اب تم پابندی کے ساتھ میرے سامنے آ کر بیٹھنا، میں توجہات دوں گا تا کہ مشتبہ کھانے کی ظلمت دور ہو جائے۔ فرماتے ہیں کہ حضرتؒ میرے اوپر ایسی توجہ ڈالتے تھے کہ اگر وہ توجہ پہاڑ پر ڈالتے تو کانپ اٹھتا چالیس دن متواتر توجہ دینے کے بعد ایک دن مشتبہ لقمے کا اثر میرے اندر سے زائل ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہر بندے کو آزماتے ہیں یہ آزمائش کبھی بسط کے ذریعے ہوتی ہے اور کبھی قبض کے ذریعے۔ چونکہ ہم آزمائش کے قابل نہیں اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔ یہ ایک ایسا راستہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت والی نعمت ملتی ہے۔ اس راستے سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے، لگے رہنا چاہیے۔ اگر کیفیت نہیں ہے تو شیخ کو بتائیں کہ جی میری یہ حالت ہے پھر شیخ جو کام کرنے کا حکم دیں وہ کرتے رہیں اور جن کاموں سے روکیں رکتے جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نظارے دیکھیں۔ یہ باطن کو صاف کرنے والی پکی دوائیاں ہیں۔

آجکل جو بات ہم محسوس کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ دوست احباب مراقبہ اور وقوف قلبی کی کثرت نہیں کرتے اور ان دو کاموں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ روحانی طور پر کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

تلیین جلود اور تلیین قلوب

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ (الزمر: 23)

[پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں]

یہ تلیین جلود (جسم کے اعضا کا نرم ہو جانا) ابتدا میں حاصل ہو جاتا ہے اور

تلین قلوب (دل کا نرم ہو جانا) بعد میں حاصل ہوتا ہے۔

تلین جلود کی مثال یہ ہے کہ ہم تو زمین پر آرام سے بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ مسجد کی صفوں پر بیٹھنے کے عادی ہیں لیکن فرنگی لوگ زمین پر نہیں بیٹھ سکتے۔ اس بات کا کئی مرتبہ تجربہ کیا ہے۔ یہ نہیں کہ ان کی پتلون ٹائٹ ہوتی ہے بلکہ ان کے جسم بیٹھنے کے عادی ہی نہیں ہوتے۔ بے نمازی کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ ایک آدمی نے کلمہ پڑھا۔ ہم نے اس کو نماز سکھائی تو وہ رکوع سجدہ کرتے وقت کبھی ایک فٹ آگے اور کبھی ایک فٹ پیچھے ہو جاتا۔

التحیات کی شکل میں بیٹھنے کی عادت ڈال لی جائے تو پھر اس طرح بیٹھنا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح پورے جسم کا وزن پنڈلیوں پر آجاتا ہے اور خون بلاک ہو جاتا ہے جس سے باریک شریانیں بڑی ہونا شروع ہو جاتی ہیں، حتی کہ وہ ایک مستقل بائی پاس کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک والے دو تین گھنٹے بخاری شریف کا درس التحیات کی شکل میں بیٹھ کر دیتے تھے اور پہلو بھی نہیں بدلتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو نرم کر دیا تھا۔

ہندو جوگی اور بدھ مت کے بھکشو جب اس طرح بیٹھتے ہیں تو مہینوں اسی طرح بیٹھے رہتے ہیں جو اس طرح بیٹھے رہتے ہیں ان کے لئے دوسری حالت میں بیٹھنا مشکل ہے۔ انگریز آلتی پالتی کی شکل میں نہیں بیٹھ سکتے۔ یا تو وہ کھڑے رہتے ہیں یا پھر کسی چیز پر بیٹھے رہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے لئے مراقبے میں گردن جھکانی مشکل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گردن ٹوٹ جائے گی۔ ارے یا دخدا میں یہ ٹوٹتی ہے تو ٹوٹنے دو۔ جب عادت بن جاتی ہے تو پھر گردن جھکانا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ تلین قلوب کا آتا ہے۔ اس مرحلہ میں انسان کا دل نرم ہو جاتا ہے اور دل میں دوسرے خیالات نہیں آتے۔ ابھی ہم تلین جلود کے مرحلے پر نہیں پہنچے تلین قلوب کی بات کیا کرنی۔ جبکہ ایک بزرگ ایسے بھی تھے جن کو نہ تو نماز کے اندر وساوس آتے تھے اور نہ ہی نماز کے باہر۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کریں کہ وہ ہمیں یہ دونوں نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا چور دروازہ

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دفتروں میں کام کرتے ہیں ان کے بچے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ گھر میں اور کام کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ان کو فرصت ہی نہیں ملتی۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن کے پاس تین گھنٹے وقت ہی نہ ہو وہ تین گھنٹے کیسے مصلّے پر بیٹھیں۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جن حضرات کو وقت کی کمی کا عذر ہو اگر وہ وقوف قلبی کا اہتمام کر لیں گے تو جو فیض اللہ تعالیٰ مراقبہ کرنے پر پہنچاتے ہیں وہی فیض وقوف قلبی پر پہنچا دیں گے۔ اب وقوف قلبی میں تو کوئی رکاوٹ نہیں

......آپ سکول جائیں تو وقوف قلبی کر سکتے ہیں،

......دکان پر جائیں تو وقوف قلبی کر سکتے ہیں،

......دفتر میں جائیں تو وقوف قلبی کر سکتے ہیں۔

حتیٰ کہ آپ بیوی کے ساتھ تنہائی میں وقت گزار رہے ہیں تو اس وقت بھی وقوف قلبی کر سکتے ہیں۔

مراقبہ کرنے کے لئے انسان یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں بوڑھا ہوں اور زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا لیکن وقوف قلبی کے لئے تو بیٹھنا بھی ضروری نہیں ہے۔ آپ بیٹھے ہیں...... لیٹے ہیں...... کھڑے ہیں...... لیکن وقوف قلبی کر سکتے ہیں۔ وقوف

قلبی میں آپ نے فقط دل کی توجہ اللہ کی طرف رکھنی ہے۔ یہ کام مرد بھی کر سکتا ہے......عورت بھی کر سکتی ہے...... بوڑھا بھی کر سکتا ہے...... بچہ بھی کر سکتا ہے...... صحت مند بھی کر سکتا ہے...... بیمار بھی کر سکتا ہے...... وقوف قلبی کے لئے کوئی عذر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی ہے تو صرف اپنے نفس کی خرابی اور غفلت ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ وقوف قلبی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا چور دروازہ ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاہ نقشبند یہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسا طریقہ مانگا ہے جو یقیناً موصل ہے...... کیا مطلب؟...... مطلب یہ کہ جو بندہ نقشبند یہ طریقے کے اسباق پر چلے گا اسے یقیناً اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل ہوگا اور دوسری بات ارشاد فرماتے ہیں کہ اس طریق میں سالک کی اپنی سستی کے سوا کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان خود وقوف قلبی میں سستی نہ کرے تو اس راستے میں کوئی رکاوٹ ہی نہیں۔ ہر بندے کی ترقی ہوتی ہے اس لئے آپ اپنے دل میں نیت اور ارادہ کر لیں کہ آج کے بعد ہم کثرت سے ذکر کریں گے، چاہے مراقبہ کی شکل ہو چاہے وقوف قلبی کی شکل میں، مگر اللہ تعالیٰ کو دن کا زیادہ حصہ اپنے دلوں میں یاد کریں گے۔

براہ راست خطاب میں لذت

اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں سے براہ راست خطاب کرنا بہت بڑی بات ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھتے کہ اگر کسی ادارے کا چیف ایگزیکٹو کسی چپڑاسی کو بلا کر خود اس سے بات کرے تو یہ اس کے لئے بڑی عزت کی بات ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہماری نسبت اس سے بھی کم ہے۔ ہم تو وہ حیثیت بھی نہیں رکھتے جو چپڑاسی کو چیف ایگزیکٹو کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک نوکر ہے اور ہم اللہ

تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کی ملک میں ہیں اور مالک کا اپنی ملک پر بہت زیادہ اختیار ہوتا ہے۔ اس لئے اگر ہم جیسوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ براہ راست کوئی بات فرمائیں تو بہت بڑی بات ہے۔ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تورات میں براہ راست بات کہی تو اس پر وہ لوگ اتنے خوش تھے کہ وہ کہا کرتے تھے۔

نَحۡنُ اَبۡنٰٓـؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآءُهٗ (المائدہ :18)

(ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بڑے پسندیدہ بندے ہیں)

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ براہ راست خطاب فرمایا تو وہ اتنے خوش ہوئے کہ اس طرح کی باتیں کرنے لگے، اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اٹھاسی (۸۸) مرتبہ...... یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا...... کے ذریعے ایمان والوں سے براہ راست خطاب فرمایا۔ اس طرح یہ اس امت کا اعزاز ہے، یہ اس امت پر اللہ کی رحمت ہے، ہم جیسے فقیروں پر یہ اللہ رب العزت کی خصوصی مہربانی ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی بندہ قرآن مجید میں...... یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا...... کے الفاظ پڑھے تو اس وقت بہت ہی توجہ کے ساتھ بیٹھے، کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اپنا حکم سنا رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمیں بھی ان مقامات پر توجہ سے بیٹھنا چاہیے کہ ہمارے مالک ہمیں کیا حکم فرما رہے ہیں۔ جہاں کثرت ذکر کا حکم ہے وہاں شروع میں بھی...... یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا...... کے الفاظ ہیں۔ اس لئے ہمیں اس پر بھی توجہ کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ ہمارے مالک ہم سے کیا چاہتے ہیں۔

ہر حال میں ذکر کرنے کا طریقہ......قرآن کی روشنی میں

کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے انسان کو اللہ کے ذکر کا استحضار نصیب ہو جاتا ہے۔ کثیر اس کام کو کہتے ہیں جو زیادہ حصے میں ہو یعنی جو آدمی دن

میں آدھے سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارے گا وہ ذکر کثیر کرنے والا ہوگا اور اگر آدھے سے کم وقت ذکر کرے گا تو قلیل ذکر کرنے والا شمار ہوگا۔

اب ہم دن میں پچاس فیصد سے زیادہ وقت نہ مسجد میں بیٹھ سکتے ہیں اور نہ ہی مصلّے پر بیٹھ سکتے ہیں، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ! یہ کام تو ہمارے لئے مشکل ہے۔ ہمارے لئے یہ بات قابل عمل نہیں ہے۔ قابل عمل تو وہ کام ہوتا ہے جو بندہ کر بھی سکے۔ اس صورت میں گھر کیسے چلائیں گے، دفتر کیسے چلائیں گے۔تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ ہم مصلّے پر بیٹھ کر تسبیح ہی پھیرتے رہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ تو کام کاج میں مصروف ہوں اور ہمارے دل اس پروردگار کی یاد میں مصروف ہوں۔ اس کو کہتے ہیں ''ہتھ کار ول دل یار ول'' ...... فارسی میں اسی بات کو یوں کہتے ہیں ...... دست بکار دل بیار ...... یعنی بندہ ہاتھوں سے تو کام کر رہا ہو اور دل میں اللہ رب العزت کو یاد کر رہا ہو ...... اگر کثرت ذکر کا یہ معنیٰ ہو تو بات سمجھ میں بھی آتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ جو میرے اچھے بندے ہیں ان کی پہچان یہ ہے کہ

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:37)

[میرے وہ بندے جن کو تجارت اور خرید وفروخت میری یاد سے غافل نہیں کرتی]

اب تجارت میں تو آدمی کے ہاتھ بھی مشغول ہوتے ہیں، دماغ بھی مصروف ہوتا ہے اور کان بھی مشغول ہوتے ہیں۔ یہ دل کا ذکر ایسا ذکر ہے جو تجارت اور خرید وفروخت کے وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ایسی حالت میں لسانی ذکر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فرض کریں کہ کسی بندے کی کپڑے کی دکان ہو اور کوئی گاہک کپڑا

خریدنے کے لئے آئے اور وہ آکر کہے کہ کیا آپ کپڑا بیچیں گے اور یہ آگے جواب میں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، میرے ایسے بندے بھی ہیں جو تجارت کے وقت بھی اللہ کو نہیں بھولتے لہٰذا میں تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ وہ پوچھے گا کہ کیا آپ نے کپڑا بیچنا ہے اور یہ کہے، اللہ اللہ للہ...... وہ پوچھے گا کہ کتنے دام میں بیچو گے۔ اور یہ کہے، اللہ اللہ اللہ...... وہ پوچھے کہ اس طرح کی کوئی اور ورائٹی بھی ہے اور یہ کہے، اللہ اللہ اللہ...... وہ ہر بات کے جواب میں اللہ اللہ اللہ کا لفظ سن کر کہے گا...... جھلاّ جھلاّ جھلاّ...... اور واپس چلا جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد لسانی ذکر نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم زبان سے گفتگو کریں مگر دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد رکھیں۔ اور انسان کے دل کو اللہ تعالیٰ نے صلاحیت دی ہے کہ وہ ایک وقت میں دو کام کر سکتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی طالب علم کالج میں فرسٹ آجائے تو اسے چوبیس گھنٹے یہی خیال رہتا ہے کہ میں فرسٹ آیا ہوں۔ حالانکہ وہ کھا رہا ہوتا ہے، پی رہا ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں سے بات کر رہا ہوتا ہے مگر ساتھ ساتھ یہ خیال آرہا ہوتا ہے کہ میں فرسٹ آیا ہوں۔ گویا انسان کی یادداشت میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ کام کاج کرتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے اور جو واقعہ بہت اہم ہو وہ اس کے ذہن میں بار بار آتا ہے۔ ایک آدمی کار پر سفر کر رہا تھا۔ قدرتاً آگے ایکسیڈنٹ ہوا۔ گاڑیاں ٹکرائیں اور بندے زخمی ہوئے اور کچھ فوت ہو گئے۔ اس نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اب وہ منظر اس کی یادداشت میں پرنٹ ہو گیا۔ اس کے بعد اگرچہ وہ ڈرائیونگ کر کے اپنے گھر کی طرف جا رہا ہوتا ہے مگر وہ ایکسیڈنٹ کے بارے میں سوچ رہا ہوتا ہے۔ جب گھر پہنچتا ہے تو بیوی بچوں کو ایکسیڈنٹ کی تفصیل بتاتا ہے۔ کھانا کھانے کے دوران

بھی اسے اسی ایکسیڈنٹ کا خیال آ رہا ہوتا ہے۔ اگلے دن دفتر جانا ہے تو اپنے باس کو بھی ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اسے کوئی دفتر کا ساتھی ملنے آتا ہے تو وہ اسے ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتاتا ہے، وہ دفتر میں کام بھی کر رہا ہوتا ہے مگر وہ ایکسیڈنٹ کو بھی یاد کر رہا ہوتا ہے۔ شام کو کھانا کھانے کے لئے بیٹھتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں کیا کروں مجھے تو یہ بات بھولتی ہی نہیں ہے۔ کسی بھی بات کو یاد رکھنے کا یہ طریقہ ذکر قلبی کہلاتا ہے۔ یعنی بندے کے ہاتھ تو کام کاج میں مصروف رہیں اور اس کا دل اللہ کی یاد میں مصروف رہے۔ اس طرح ہم چوبیس گھنٹے ذکر کر سکتے ہیں۔ جن کو کسی بندے سے نفسانی، شہوانی اور شیطانی محبتیں ہوتی ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ میں تو آپ کو بھولتا ہی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی حالت یہ ہوتی ہیں کہ اگر وہ بھولنا بھی چاہیں تو ایک دوسرے کو بھلا نہیں سکتے۔ اسی لئے تو شاعر نے کہا:

؎ روز کہتا ہوں بھول جاؤں انہیں
روز یہ بات بھول جاتا ہوں

اللہ تعالیٰ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میرے بندے کے دل میں میری ایسی ہی بات بیٹھ جائے۔ انسان دنیا میں کھانا پینا، سونا جاگنا، لیٹنا، جو بھی کام کر رہا ہو، کرے مگر اس کے دل میں میری یاد رہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو انسان آسانی سے کر سکتا ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ اے اللہ ہم آپ کو یاد تو کرنا چاہتے ہیں مگر کس حالت میں یاد کریں تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ

(آل عمران: آیت ۱۹۱)

(وہ بندے جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں)

اب ایک بندے کی کتنی حالتیں ہو سکتی ہیں؟...... یا تو کھڑا ہوگا، یا بیٹھا ہوگا، اور یا وہ لیٹا ہوگا...... یہ تین حالتیں ہی ہوتی ہیں، ہاں اگر کوئی مارشل آرٹس کا سپیشلسٹ ہو تو وہ کسی چوتھی صورت میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔ عام بندہ تو ان تین حالتوں میں ہی رہ سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو تینوں حالتوں میں مجھے یاد رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ مجھے ہر حال میں یاد رکھے۔ ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا:

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ (الاعراف: 205)

(اور تم ذکر کرو اپنے رب کا اپنے دل میں)

اپنے دل میں...... اپنے من میں...... اپنی سوچ میں...... اپنے دھیان میں...... اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ ذکر کا یہ طریقہ بڑا آسان ہے۔ کیونکہ اس میں زبان استعمال نہیں ہوتی۔ آنکھ کا کام ہے دیکھنا، زبان کا کام ہے بولنا، کان کا کام ہے سننا، دماغ کا کام ہے سوچنا، اور دل کا کام ہے یاد کرنا۔ لہٰذا دل یہ کام ہر وقت کر سکتا ہے۔ یعنی یہ کرنے والا کام ہے۔ پہلے اس کے لئے مشق کرنی پڑتی ہے۔ اگر وہ کر لی جائے تو انسان بڑے آرام سے ذکر کر سکتا ہے۔ چونکہ یہ ذکر ممکن ہے اسلئے ہمارے مشائخ نے فرمایا...... جو دم غافل سو دم کافر...... کہ جو لمحہ بھی اللہ سے غفلت میں گزر گیا، ایسا ہی ہے جیسے وہ لمحہ کفر کی حالت میں گزر گیا۔ ہمارے مشائخ کو ذکر میں وہ حالت نصیب ہو جاتی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کو نہیں بھولتے۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

ایسے بندے کی زندگی کتنی پاکیزہ ہوتی ہے جو چوبیس گھنٹے اپنے رب کو یاد کرتا

ہے۔ہاں اگر سو جائے تو اور بات ہے۔ بلکہ وہ سوتا بھی اللہ کے ذکر میں ہے اور جب جاگتا ہے تو بھی اللہ کے ذکر میں جاگتا ہے۔

مجھ کو نہ اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے جمال میں
تاروں سے پوچھ لو میری روداد زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

پھر تہجد پڑھنی مشکل نہیں ہوتی بلکہ خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے۔

کثرت ذکر سے دو نعمتوں کا حصول:

ہر چیز کی تاثیر ہوتی ہے۔ کثرت کے ساتھ ذکر کرنے میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔ ہمارے مشائخ نے لکھا کہ کثرت ذکر سے انسان کو دو نعمتیں نصیب ہوتی ہے۔

(۱) قوت ارادی (Determination Power)

(۲) اپنی قوت کو ایک جگہ مرکوز کرنا (Power of Concentration)

(۱) قوت ارادی اور اس کے ثمرات

جو بندہ کثرت کے ساتھ ذکر کرتا ہے اس کے اندر ڈٹرمی نیشن پاور یعنی قوت ارادی بڑھ جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ قوت ارادی انسان کے اندر ایک ایسی طاقت ہے جو اسے کام نمٹا دینے کے لئے جرأت دے دیتی ہے۔ اس کے ذریعے انسان دین اور دنیا کے ہر میدان میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور جس بندے کے اندر ڈٹرمی نیشن پاور نہیں ہوتی اس

بندے کو زندگی کے کسی میدان بھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ڈھل مل یقین ہوتا ہے یعنی اس کے اندر کوئی کام کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔

ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے

ایسا طالب علم جس میں قوت ارادی نہیں وہ امتحان میں فیل ہو جاتا ہے...... ایسا بزنس مین جس میں قوت ارادی نہیں وہ بزنس میں فیل ہو جاتا ہے...... اور ایسا شادی شدہ آدمی جس میں قوت ارادی نہیں وہ ازدواجی زندگی میں فیل ہو جاتا ہے...... تو قوت ارادی اس جذبے کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان منزل پر پہنچنے کے لئے پورا زور لگا دیتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں قوت ارادی وہ ڈرائیونگ فورس ہے جو بندے کو منزل پر پہنچا دیتی ہے۔ اس لئے کسی نے شعر کہا۔

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

فرزانہ اسے کہتے ہیں جو عقل کے زور پر فاصلہ طے کرے۔ فرزانے راستے سے واپس پلٹ آتے ہیں اور جو دیوانہ وار منزل کی طرف سفر کر رہے ہوتے ہیں وہ منزل تک پہنچ جاتے ہیں، باقی سوچ میں ہی رہتے ہیں۔ ہم پنجابی میں کہتے ہیں۔

''سوچی پیا تے بندہ گیا''

یہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کے اندر قوت ارادی نہیں ہوتی۔

ایک ماہر نفسیات کی تحقیق

ایک ماہر نفسیات گزرا ہے اس کا نام فرائیڈ تھا۔ اس کی وفات 1934ء میں

ہوئی۔ اس کی ساری زندگی ہیومن سائیکالوجی میں سٹڈی (مطالعہ) کرتے گزر گئی۔ وہ پوری دینا کا بڑا ماہرنفسیات سمجھا جاتا ہے۔اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اس نے ایک بات لکھی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی نعمتیں دی ہیں ان میں سے سب سے بہترین نعمت قوت ارادی ہے۔اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ

"قوت ارادی ہی وہ قوت ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی مائینس (ناکامی) کو اپنی پلس (کامیابی) بنالیتا ہے۔"

یعنی

......اپنی شکست کو اپنی فتح میں تبدیل کر لیتا ہے،

......ناموافق حالات کو موافق حالات بنالیتا ہے،

......نفرتوں کو محبتوں سے بدل دیتا ہے،

......غم کو خوشیوں میں تبدیل کر لیتا ہے۔

ایک طالب علم کی کامیابی:

جو طالب علم آج رورہا ہوتا ہے کہ میں فیل ہو گیا، اگر وہ اپنی ڈٹرمی نیشن پاور استعمال کرے اور آئندہ سال پڑھے تو وہ پورے کالج میں ٹاپ بھی کر سکتا ہے۔ میرے پاس ایک طالب علم آیا۔ اس کے والد صاحب شوگرمل کے ڈائریکٹر تھے۔ وہ میرے بہت مہربان دوست تھے۔اس طالب علم کو کرکٹ وغیرہ کا شوق تھا۔ اس نے پڑھنے میں دلچسپی نہ لی جس کی وجہ سے وہ فیل ہو گیا۔ اس کے والد صاحب بڑے پریشان تھے۔ انہوں نے کہا میں ڈائریکٹر ہوں اور جب میں لوگوں کو بتاتا ہوں کہ میرا بچہ فیل ہو گیا ہے تو میرا دل تو کرتا ہے کہ میں زمین میں گڑ جاؤں۔ایسے سٹیٹس (عہدہ) والوں کو محسوس بھی زیادہ ہوتا ہے۔اس نے مجھ سے

پوچھا کہ کیا کروں ۔ میں نے کہا کہ اسے میرے پاس بھیج دینا۔ انہوں نے بچے کو بھیج دیا۔ میں نے جب اس طالب علم کو دیکھا تو مجھے وہ بہت ہی ذہین نظر آیا۔ اس کا آئی کیو بہت اچھا تھا۔ چونکہ لاابالی عمر تھی اس لیے اس نے پڑھائی میں دلچسپی نہ لی اور مار کھا گیا۔ میں نے اسے ایک دو دن اپنے پاس رکھا، اسے سمجھایا اور Mot-ivate کیا، میں نے اسے گرمایا کہ فیل ہو کر انسان کا سر نیچا ہوتا ہے اور اگر آپ پاس ہو جاتے تو خوشیوں کے ہار پہنائے جاتے۔ اگر آپ پاس ہوتے تو مبارکبادی کے الفاظ سنتے اور اب آپ جھڑکیوں کے الفاظ سن رہے ہیں۔ جب اس کو اس انداز سے بات سمجھائی تو وہ کہنے لگا کہ جی میں اب پڑھوں گا۔ خیر ہم نے اس کو پڑھنے کا طریقہ بھی سمجھا دیا۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ جب اس نے آئندہ سال امتحان دیا تو وہ پورے سکول میں ٹاپ کر گیا۔ اس کو اپنی مائینس کو اپنی پلس میں تبدیل کرنا کہتے ہیں۔ کہاں گھر کے لوگ بھی اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے کہ یہ فیل کیوں ہوا اور کہاں پورے کالج کے استاد اور طلباء سب اس کو خوشیوں کے ساتھ مل رہے تھے اور اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال رہے تھے۔

دینی میدان میں کامیابی

اگر دین کے میدان میں ناکام ہو یعنی اس کی نگاہ اس کے قابو میں نہ ہو...... اس کی زبان قابو میں نہ ہو...... وہ بدنظری بھی کرتا ہو...... جھوٹ بھی بولتا ہو...... وہ لوگوں کے ساتھ دھوکا بھی کرتا ہو...... وہ بددیانتی بھی کرتا ہو۔ وہ شرابی بھی ہو...... اور زانی بھی ہو...... حتیٰ کہ جو برے کام آپ کہہ سکتے ہیں وہ سب کچھ کرتا ہو...... وہ بندہ ناکامی کی حالت میں ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی قوت ارادی استعمال کرے اور سچی توبہ کر کے نیکی کے راستے پر چلے تو اتنا برا بندہ بھی آنے والے وقت کا ولی بن سکتا ہے۔ فضیل بن عیاضؒ ڈاکوؤں کے سردار تھے، جب ان

کی زندگی کا رخ بدلا تو وہ نیکی کی طرف اتنا بڑھے کہ اپنے وقت کے بڑے بڑے اولیاء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ جوڈاکوؤں کے سردار تھے وہ قوت ارادی کی وجہ سے آنے والے وقت میں ولیوں کے سردار بن گئے۔ گویا انہوں نے اپنی ناکامی کو اپنی کامیابی میں بدل کر دکھا دیا۔

ازدواجی زندگی میں کامیابی

اگر کوئی بندہ ازدواجی زندگی کے دوران اپنے گھر پر توجہ نہیں دیتا، وہ دوسری عورتوں میں دلچسپی لیتا ہے اور غصے کا تیز ہے، حتیٰ کہ طلاق ہونے کے قریب ہے۔ وہ بندہ بھی اگر سوچ لے کہ میں نے اپنے گھر کو چلانا ہے تو کامیاب طریقے سے چلا سکتا ہے۔ ایک دفعہ کراچی میں میرے پاس ایک جوڑا آیا، دونوں بیعت تھے اور پڑھے لکھے بھی تھے۔ وہ کہنے لگے، حضرت! ہم اپنی زندگی کے بارے میں آپ سے ایک مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا، بتائیں۔ کہنے لگے کہ ہم ایک دوسرے سے جدائی اختیار کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم نے سوچا کہ ہم اپنے والدین کو بتانے سے پہلے آپ کو بتا دیں کیونکہ آپ ہمارے روحانی شیخ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا بڑا سوچا سمجھا فیصلہ ہے۔ بیوی طلاق لینے پر راضی تھی اور میاں طلاق دینے پر راضی تھا۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ نے تو مجھے ابھی بتایا ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے اس ارادے کو چھ ماہ تک مؤخر کر دیں اور جیسے میں آپ کو گائیڈ کروں اس کے مطابق یہ چھ مہینے گزاریں۔ اس دوران میں اگر آپ کی آپس میں بن گئی تو الحمدللہ، ورنہ پھر والدین کو بتا دینا۔ وہ اس تجویز پر آمادہ ہو گئے۔

اس کے بعد میں نے ان سے جب بات چیت کی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان کی اس پریشانی کی اصل وجہ کیا ہے۔ مریض تو بتاتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور اِدھر

درد ہے لیکن ڈاکٹر کو بیماری خود سمجھنی پڑتی ہے۔ یہ روحانی میدان بھی ایسا ہی ہے کہ آنے والا تو باتیں کر رہا ہوتا ہے مگر بین السطور پڑھنا پڑتا ہے کہ اس مسئلہ کی اصل وجہ کیا ہے۔ خیر، اس عاجز نے اصل وجہ ڈھونڈ لی کہ اس وقت ملکی سطح پر اقتصادی حالات اچھے نہیں تھے۔ ان دنوں ہڑتالیں چل رہی تھیں، حکومت کہتی تھی کہ ٹیکس جمع کراؤ اور دکاندار کہتے تھے کہ ہم نے اس کے فارم جمع نہیں کروانے، غالباً ایک مہینے تک دکانداروں نے اپنی دکانیں بند رکھیں۔ اس دوران اس کا بھی یہی حال تھا۔ اس کا کاروبار ایسا تھا کہ اسے پیمنٹ بہت کرنی ہوتی تھیں، اس کی دکان بند رہتی تھی اور پیمنٹ لینے والے فون پہ فون کر رہے تھے۔

جب وہ سارا دن دکان میں پریشانی میں وقت گزار کر واپس گھر آتا تو وہ گھر میں بھی پریشان رہتا۔ وہ دونوں اپنے بڑے گھر میں اکیلے رہتے تھے۔ اس کی بیوی اس کے آنے سے دو گھنٹے پہلے کھانا پکا کر خاوند کے انتظار میں بیٹھ جاتی کہ میرا میاں صاحب آئے گا اور میں اس کے ساتھ مل کر کھانا کھاؤں گی۔ جبکہ میاں صاحب بجھے ہوئے چراغ کی طرح آتا۔ بیوی کی چاہت تھی کہ میاں خوشی خوشی گھر میں آئے۔ وہ اسے اسی ویولینتھ پر دیکھنا چاہتی تھی جس پر وہ خود ہوتی تھی۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس تھا۔ نہ تو وہ دلچسپی کے ساتھ کھانا کھاتا اور نہ ہی وہ بیوی کے پاس بیٹھ کر بات چیت کرتا۔ چنانچہ بیوی نے یہ نتیجہ نکالا کہ میں اس کو پسند نہیں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو یہ میرے ساتھ بولتا ہے اور نہ ہی وقت گزارتا ہے۔ جب بیوی کے ذہن میں یہ خیال آتا کہ یہ مجھے پسند نہیں کرتا تو فوراً اسے دوسرا خیال آتا کہ وہ باہر کسی کو پسند کرتا ہوگا۔ چنانچہ اسے خاوند پر غصہ آتا اور وہ اس کے ساتھ بات بات پر الجھ پڑتی۔ وہ دونوں نوجوان تھے۔ ان کی ساری ساری رات چیخ چیخ میں گزر جاتی تھی اور ان کی چونچیں آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔

جب کئی مہینے گزر گئے تو بیوی نے سوچا کہ اب اس مصیبت سے جان چھڑانے میں عافیت ہے اور خاوند نے بھی کہا کہ جب میں گھر آتا ہوں تو بہت پریشان ہوتا ہوں۔ان وجوہات کی بنا پر ان دونوں نے طلاق کے ذریعے علیحدہ ہونے کا پکا فیصلہ کرلیا۔

میں نے انہیں کہا کہ آپ چھ مہینے تک اپنے فیصلے کو مؤخر کریں اور میں آپ کو جو تجویز دوں گا اس کے مطابق رہیں۔انہوں نے کہا بہت اچھا۔اب ہم نے ان کے لئے ایک انوکھا علاج تجویز کیا۔میں نے اس نوجوان کو سمجھایا کہ آپ کی زندگی میں نبی علیہ السلام کی ایک سنت غائب ہے اور آپ اس پر عمل نہیں کر رہے،اس ترک سنت کی وجہ سے آپ کی زندگی میں بے برکتی ہے۔اس نے کہا،جی آپ مجھے بتائیں۔میں نے کہا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو کھلے اور مسکراتے چہرے کے ساتھ آتے تھے اور اہل خانہ کو سلام کیا کرتے تھے۔یہ سنت تمہارے اندر نہیں ہے۔اس نے کہا،ہاں میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔میں نے اسے کہا کہ آپ کے کاروبار کے جو مسائل ہیں ان سب کو دکان کی حد تک رکھا کرو اور گھر آتے ہوئے فریش (تازہ دم) ہو کر آیا کرو۔اس میں بیوی کا کیا قصور ہے کہ تمہارا کاروبار نہیں چلتا۔میں نے اس نوجوان کو سمجھایا کہ تم قوت ارادی سے کام لو،کاروبار میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے،یہ تو اچھی بات نہیں ہے کہ کاروبار میں نقصان ہو جائے تو گھر والوں کی کم بختی آجائے۔تم گھر میں خوشی کی زندگی گزارو،اپنے اندر ڈٹرمی نیشن پاور پیدا کرو اور چھوئی موئی کی بوٹی نہ بنو۔

کیا آپ چھوئی موئی کی بوٹی جانتے ہیں؟ ہمارے علاقے میں ایک پودا ہوتا ہے۔اس کا نام ہے Touch me not (ٹچ می ناٹ)۔نام رکھنے والے نے

بھی کمال کا نام رکھا۔ اگر اسے کوئی بندہ ہاتھ لگا دے تو اسی وقت اس کے پتے بند ہو جاتے ہیں اصل میں وہ تھرمل لیول سے Sensitive (حساس) پودا ہے۔ جب ہاتھ لگنے سے اسے گرمی پہنچتی ہے تو اس کے سارے پتے بند ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ کملا جاتا ہے، اس لئے اس کا نام رکھا ہوا ہے، ٹچ می ناٹ (مجھے ہاتھ مت لگاؤ)۔

اس نے کہا، جی میں آپ کی اس تجویز پر ضرور عمل کروں گا۔ پھر میں نے کہا کہ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے لئے ایک دوا بھی ہے۔ اس نے کہا جی وہ کیا دوا ہے؟ میں نے کہا کہ دوا یہ ہے کہ جب تم گھر آیا کرو تو بیوی کو سلام کر کے اس کا بوسہ بھی لیا کرو۔ وہ اس ٹرپ کو سمجھ نہ سکا۔ لیکن چونکہ میں نے کہا تھا اس لئے کہنے لگا، جی حضرت! عمل کروں گا۔

پھر اس کی بیوی کو سمجھایا کہ جب نبی علیہ السلام گھر میں تشریف لایا کرتے تھے تو ازواج مطہرات خوش ہو کر ان کا استقبال کرتی تھیں۔ وہ جہاں بھی بیٹھی ہوتی تھیں وہ آگے آ کر نبی علیہ السلام کا استقبال کرتی تھیں۔ وہ اللہ کے محبوب ﷺ کو خوش مزاجی اور محبت سے دیکھا کرتی تھیں۔ چنانچہ جب آپ کا خاوند گھر میں آئے تو آپ بھی اسے محبت و پیار کی نظر سے دیکھا کریں۔ اس نے بھی کہا جی ٹھیک ہے۔ لیکن اصل بات میں نے خاوند کو بتائی۔ وہ دونوں یہ نسخہ لے کر چلے گئے۔ میں نے ان کو چھ ماہ کا کہا تھا لیکن تیس دن کے بعد ان کا فون آیا کہ حضرت! ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہ تیس دن ہنی مون کی طرح گزارے ہیں۔...... بھئی جب خاوند مسکرا کے بیوی کو دیکھے اور بیوی کا بوسہ بھی لے اور بیوی بھی پازیٹو (مثبت) موڈ میں ہو تو پھر وقت اچھا کیسے نہیں گزرے گا۔ ان کے پہلے والے جھگڑے ختم ہو گئے اور محبت و پیار والی زندگی شروع ہو گئی۔ وہ میاں بیوی، جو کہتے تھے کہ ہم ایک

دوسرے سے جدا ہونے کے لئے تیار ہیں، چالیس دنوں کے بعد وہ کہتے تھے کہ جتنا خوش رہ کر ہم وقت گزار رہے شاید ہی پوری دنیا میں کوئی جوڑا اتنا خوش وقت گزار رہا ہوگا......تو یہ قوت ارادی وہ نعمت ہے جو انسان کی ناکامی کو کامیابی میں بدل دیتی ہے۔

صبر اور برداشت کی قوت:

قوت ارادی ہی انسان کو صبر اور برداشت سکھاتی ہے۔ جب قوت ارادی نہیں ہوتی تو بندے کے اندر برداشت ہی نہیں ہوتی۔ جیسے گاڑی کی بریک نہ ہو تو وہ دوسروں سے ٹکراتی ہے اسی طرح جس بندے کے اندر صبر نہ ہو وہ دوسرے بندوں سے الجھتا ہے۔ کبھی بیوی سے الجھے گا، کبھی باس سے الجھے گا، کبھی پڑوسی سے الجھے گا اور کبھی ہوا سے الجھ رہا ہوگا۔

ایک مثال ذرا غور سے سننا۔ ایک درخت پھلوں، پھولوں اور پتوں سے لدا ہوا ہے۔ وہ سرسبز ہے اور دیکھ کر بندے کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ اس درخت کے اوپر جب خزاں کا موسم آ جاتا ہے تو پھل بھی اس پر نہیں رہتے، پھول بھی ختم ہو جاتے ہیں اور پتے بھی جھڑ جاتے ہیں اور وہ ٹنڈ منڈ لکڑی کی طرح نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اب آگے سردی کا موسم شروع ہو جاتا ہے۔ یخ ہوائیں آ رہی ہوتی ہیں، طوفان چل رہے ہوتے ہیں اور وہ صبر کے ساتھ کھڑا رہتا ہے۔ اس درخت کو پتا ہوتا ہے کہ اگر میرے اوپر بہار کا موسم نہیں رہا تو یہ خزاں کا موسم بھی ہمیشہ نہیں رہے گا، لہٰذا مجھے صبر کے ساتھ کھڑا ہونا ہے۔ اب وہ درخت خشک لکڑی کی طرح کھڑا ہوتا ہے۔ اس پر برف پڑ رہی ہوتی ہے، یخ ہوائیں چل رہی ہوتی ہیں، بریزرڈ آتا ہے تب بھی صبر کے ساتھ کھڑا رہتا ہے۔ اس کا چند مہینے کا صبر اللہ تعالیٰ کو پسند آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سردی کے موسم کو دوبارہ بہار کے موسم میں بدل

دیتے ہیں اور اسی لکڑی نما درخت کے اندر سے کونپلیں پھوٹنا شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد اس پر پتے آجاتے ہیں، پھول آجاتے ہیں، اور پھل آجاتے ہیں۔اس طرح وہ دوبارہ ہرا بھرا درخت بن جاتا ہے...... جب درخت کے اندر اتنا صبر ہے تو کیا انسان اس طرح صبر نہیں کرسکتا۔اگر ہمیں بھی کبھی ناموافق حالات میں رہنا پڑے تو صبر سے رہنا چاہیے۔ہم تو صبر نہیں کرتے۔ہم تو ایسے ہیں جیسے ہمارے ساتھ کیل لگے ہوئے ہیں، ایک ادھر کو مارا اور دوسرا ادھر کو مارا۔جیسے کانٹے دار تار ہوتی ہے۔لوگ اس سے دور ہی رہتے ہیں۔ہمارا یہی حال ہے۔لوگ ہم سے دور ہی رہتے ہیں۔نہ ہمیں بیٹھنے کا طریقہ آتا ہے، نہ بات کرنے کا سلیقہ ہے، نہ معاملات کا طریقہ آتا ہے اور نہ ہی لین دین کا پتہ ہے، ہم اللہ کے بندوں کے لئے وبالِ جان بنے ہوتے ہیں...... نہ ماں راضی، نہ باپ راضی، نہ بیوی راضی، نہ بچے راضی، نہ دوست راضی ...... پھر خدا کیسے راضی ہو گا؟ اس لئے کہ ہمارے اندر قوتِ ارادی ہی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے کسی کی بات برداشت ہی نہیں ہوتی۔کبھی اس پر تنقید کر رہے ہوتے ہیں کبھی اس کے عیب نکال رہے ہیں۔جب ہمارا حال یہ ہوگا تو ہمیں کون اچھا سمجھے گا۔یہ سب چیزیں ہمارے اندر اس لئے ہوتی ہیں کہ ہمارے اندر قوتِ ارادی نہیں ہوتی اور ہم اپنے نفس کو لگام نہیں دے پاتے۔پھر ہمارا نفس منہ زور گھوڑے کی مانند ہوتا ہے جو ہمیں بھگا کر جہاں چاہے لے جاتا ہے ہم اس کو کنٹرول نہیں کرسکتے۔اسی لئے ہم زندگی میں ناکام ہوتے ہیں۔اگر ہم اس کو قوتِ ارادی کے ذریعے سے کنٹرول کریں تو ہم اپنی مرضی کی منزل پر پہنچ جائیں گے۔

ہمت بڑھانے کا ایک دلچسپ واقعہ:

مشرقی پاکستان میں ہمارے ایک دوست تھے۔ملک کی تقسیم سے پہلے اللہ

نے ان کو بہت مال و دولت سے نوازا تھا۔ان کے وہاں پر درجنوں کے حساب سے پیڑول پمپ اور گیس اسٹیشن تھے۔اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا مال دیا ہوا تھا جب واپڈا کے انجینئر کی تنخواہ ڈیڑھ سو روپیہ ہوتی تھی۔ہم نے اپنی زندگی میں وہ وقت دیکھا ہے۔ان دنوں ایک کمپنی متعارف ہوئی۔اس نے اپنے ملازمین کی تنخواہ اڑھائی سو روپیہ کر دی تو ہم حیران ہو کر یونیورسٹی میں تذکرہ کرتے تھے کہ اس کمپنی میں اڑھائی سو روپے تنخواہ ہو گئی ہے۔اس وقت ہمارا ہوسٹل میں ماہانہ خرچ پچیس روپے ہوا کرتا تھا۔وہ باتیں اب خواب کی طرح لگتی ہیں ...... ہمارے اس دوست کا ایک ملازم تھا جو اس کے دو لاکھ روپے لے کر بھاگ گیا۔آج کے دو کروڑ سے بھی زیادہ سمجھیں۔اللہ کی شان کہ وہ ایسا بندہ تھا کہ جب وہ بھاگنے والا ملازم پیسے ادھر ادھر برباد کر کے واپس آ گیا تو وہ رونے دھونے لگا کہ جی میرے بچے ہیں۔مجھ سے غلطی ہو گئی،آپ مجھے معاف کر دیں،تو اس نے اس کو نہ صرف معاف ہی کر دیا بلکہ اسے دوبارہ نوکری پر بھی بحال کر دیا۔اس سے اندازہ لگائیں کہ وہ کتنا امیر آدمی ہو گا۔

جب ملک تقسیم ہوا تو یہ بندہ کراچی میں اس طرح سے اپنی بیوی کو لے کر اترا کہ بیوی کے سر پر فقط دوپٹہ تھا اور کچھ نہیں تھا۔یہاں اس کا ایک بھائی رہتا تھا لہٰذا اس کے گھر آ گیا مگر اس کے ذہن پر پریشر تھا۔اس کے اربوں کھربوں روپے ڈوب گئے۔جو بنکوں میں تھا وہ بھی گیا اور جو ویسے تھا وہ بھی گیا۔رات کو امیر تھا اور جب صبح کو اترا تو غریب تھا۔ایک پیسہ بھی اس کے پاس نہیں تھا۔اس نے یہ بات خود بتائی کہ اس وقت میرے ذہن پر بہت پریشر تھا۔

اس کی بیوی نہایت ہی پرہیزگار اور سمجھدار تھی۔وہ جانتی تھی کہ اس صورت حال میں اگر خاوند ڈپریشن میں چلا گیا تو یہ مینٹل کیس ہو جائے گا۔چنانچہ وہ اپنے

خاوند کی ہمت بڑھاتی رہی ۔اس نے بتایا کہ جب ہم بھائی کے گھر میں کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو میری بیوی نے بات چھیڑ دی کہ میں عورت ذات ہوں، میں تو بہت ہی کمزور ہوں اور اس وجہ سے بہت ہی پریشان ہوں لیکن میرے خاوند کے سینے میں ایسا شیر کا دل ہے کہ انہوں نے تو اس پریشانی کو ہاتھوں کی میل بنا کر اڑا دیا ہے ۔اب جب میری بیوی ایسی باتیں کرتی تو میں اندر اندر میں شرمندہ ہوتا کہ میں مرد ہوں، مجھے تو اپنے اندر ہمت پیدا کرنی چاہیے ۔ بیوی نے ایک دو دن میں باتیں کر کے مجھے سہارا دے دیا۔ وہ مجھے کہنے لگی کہ پریشان تو عورتیں ہوتیں ہیں لیکن نہ میں پریشان ہوں اور نہ ہی آپ کو پریشان کر رہی ہوں لیکن مجھے پکا یقین ہے کہ ہمارا رزق اللہ کے ذمہ ہے، جو پروردگار ہمیں اُس ملک میں رزق دے رہا تھا وہی پروردگار ہمیں اِس ملک میں بھی رزق دے گا ۔ وہ یہاں بھی کم رزق نہیں دے گا ۔بس آپ ذرا قدم آگے بڑھائیں ۔ چنانچہ میں نے اللہ کے توکل پر قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے بھائی سے قرض لے کر چلانے کے لئے ایک ٹرک بنایا۔اور اسے چلانا شروع کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے رزق تو پہنچانا ہی تھا۔ ٹھیک پانچ سال کے بعد میں سینکڑوں ٹرکوں کی کمپنی کا مالک بن گیا۔

اہل اللہ کی قوت ارادی

یہ قوتِ ارادی کثرت ذکر سے ملتی ہے ۔آدمی جتنا زیادہ ذکر کرتا ہوگا اس کے اندر ڈٹرمی نیشن پاور بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی ۔آپ آزما کر دیکھ لیں۔آپ روزانہ آدھا گھنٹہ بیٹھ کر ذکر کریں تو پھر آپ کو کوئی کام بھی کرنا مشکل نظر نہیں آئے گا۔اگر آپ نے ارادہ کر لیا کہ آج رات میں نے جاگنا ہے تو ضرور جاگیں گے ......اگر آپ نے ارادہ کر لیا کہ میں نے زبان سے جھوٹ نہیں بولنا تو نہیں بولیں

گے ...... اگر آپ نے ارادہ کر لیا کہ آنکھ غیر محرم کی طرف نہیں اٹھانی تو نہیں اٹھائیں گے۔ جو نوجوان آکر کہتے ہیں کہ حضرت! ہم یہ اعمال بھی نہیں کر سکتے اور یہ اعمال بھی نہیں کر سکتے، وہ اصل میں کثرتِ ذکر نہیں کرتے جس کی وجہ سے ان کا اپنے اوپر کنٹرول بھی نہیں ہے۔

اہل اللہ کے اندر قوت ارادی بہت ہی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ قوت ارادی ہی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں حرام نہیں کھاؤں گا اور وہ رک جاتے ہیں، میں حرام کام نہیں کروں گا اور وہ رک جاتے ہیں، میں خلافِ شرع کام نہیں کروں گا اور وہ باز آجاتے ہیں۔ یہی قوت ارادی ان کو تہجد کے وقت جگا دیتی ہے۔ کیا عام لوگوں کو تھکاوٹ ہوتی ہے اور اللہ والوں کو تھکاوٹ نہیں ہوتی؟ ان کو بھی ہوتی ہے۔ کیا لوگوں کو اِدھر اُدھر کی میٹھی اور چٹ پٹی چیزیں کھانے کو جی چاہتا ہے تو کیا اللہ والوں کا جی نہیں چاہتا؟ ان کا بھی جی چاہتا ہے مگر وہ اپنے نفس کو بے لگام نہیں چھوڑتے۔ جیسے گھوڑے کا سوار گھوڑے کی لگام کو کس کے رکھتا ہے کہ یہ میری مرضی کے راستے پر دوڑے اور اسے وہ اپنی مرضی کے خلاف راستے پر دوڑنے نہیں دیتا، اسی طرح سالک اپنے نفس کے گھوڑے کو شریعت کی لگام ڈال دیتا ہے تاکہ یہ شریعت کے راستے پر دوڑے اور اس سے ہٹ کر نہ بھاگے۔

اللہ تعالیٰ کو بلند ہمت لوگوں سے محبت ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے
''اللہ تعالیٰ بلند ہمتی کو پسند فرماتے ہیں''

علامہ اقبال نے کہا:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

قوت کو مرکوز کرنے کے ثمرات

کثرت ذکر سے جو دوسری نعمت ملتی ہے وہ ہے ''اپنی قوت کو ایک جگہ پر مرکوز کرنا'' اس کو پاور آف کنسنٹریشن (توجہ کو مرکوز کرنے کی طاقت) کہتے ہیں۔ یعنی بندہ جو کام کر رہا ہو وہ اپنی پوری توانائی اس کام پر صرف کر دے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ آج کل یہ بیماری بہت عام ہے کہ لوگ جو بھی کام کرتے ہیں ادھورے دل سے کرتے ہیں، پورے دل و دماغ سے نہیں کر رہے ہوتے، فقط سطحی نظر سے کرتے ہیں۔ چنانچہ طالب علم کو پڑھائی کے سوا ہر کام اچھا لگتا ہے۔ باپ چلتا ہوا کاروبار اپنے بیٹے کے حوالے کرتا ہے اور بیٹا اسے برباد کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بیٹے کی اس میں دلچسپی ہی نہیں ہوتی ...... اس کی دلچسپی ہوتی ہے دوستوں میں ...... اس کی دلچسپی ہوتی ہے کھیلوں میں ...... اس کی دلچسپی ہوتی ہے عورتوں میں ...... اس لئے وہ کاروبار کیسے کرے۔ یعنی جو کام جس کے ذمے لگائیں وہ اس کام میں سو فیصد دل و دماغ سے لگتے ہی نہیں ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ اس کام کو پوری طرح کر ہی نہیں پاتے۔ اگر ایسے حالات میں کنسنٹریشن کی نعمت مل جائے تو کام آسان ہو جائے۔ پھر آدمی اسی کے بارے میں سوچتا ہے اور محنت بھی کرتا ہے۔ اپنی قوت کو ایک جگہ مرکوز کر لینے سے انسان بہت زیادہ کام کر سکتا ہے۔

ہمیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی طرف دھیان مرکوز کریں، یہ کتنا مشکل ہے...... کیا ہم ایسا کر پاتے ہیں؟ ہم یقیناً ایسا نہیں کر پاتے۔ تو نہ کر سکنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ کتنا کتنا عرصہ مراقبہ کرتے گزر جاتا ہے لیکن یہ چیز نصیب نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے پھر پورا فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اگر

اپنی قوت کو مرکوز کرلیا جائے تو مشکل ترین کام بھی آنِ واحد میں ہو جاتے ہیں۔

پانی کی دھار سے کٹنگ

قوت کو مرکوز کرنے کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اگر پانی کی ایک پتلی سی دھار بنائی جائے اور اس کو پوری قوت کے ساتھ نکالا جائے تو وہ اتنی تیز ہوتی ہے کہ جس طرح چھری انسان کے جسم کو کاٹ دیتی ہے اسی طرح پانی کی وہ دھار بھی انسان کے جسم کو کاٹ سکتی ہے۔ ایک جگہ پر میں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ لوگ پانی سے کٹنگ کر رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ پانی سے کٹنگ کیسے ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ پانی کی دھار مالیکیول لیول سے بھی چھوٹی بنا دی جاتی ہے، جب وہ ڈالتے ہیں تو جسم کے اندر سے ایسے گزر جاتی ہے جیسے کپاس کے اندر سے چھری گزر جاتی ہے۔ اگر پانی کی دھار ایک دفعہ بندے پر چلا دیں تو جیسے بندہ گولی سے مر جاتا ہے اسی طرح وہ پانی کی دھار سے مر جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو ایک جگہ پر مرکوز کیا گیا اور نتیجہ نکل آیا۔

بڑے بڑے پتھر توڑنا

اچھا، مارشل آرٹس کے اسپیشلسٹ بڑے بڑے پتھر کیسے توڑتے ہیں؟ ان کے اندر قوتِ ارادی کو مرکوز کرنے کا ملکہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایسے کام کر جاتے ہیں کہ بندہ حیران ہو جاتا ہے۔

ہم نے ایک مرتبہ ایک چائنیز آدمی کو دیکھا، اس نے ٹنڈ کروائی ہوئی تھی۔ وہ ایک جگہ پر بیٹھ گیا۔ دوسرے لوگوں نے اس کے سر پر کنکریٹ کا بنا ہوا موٹا سا ایک بلاک رکھ دیا۔ پھر ایک نوجوان نے پورے زور سے تیس کلوگرام کا ایک موٹا سا ہتھوڑا اس کے سر کے اوپر مارا۔ کنکریٹ کا بلاک تو دو ٹکڑے ہو گیا مگر اس کے سر کو

کچھ بھی نہ ہوا اور وہ نیچے آرام سے بیٹھا رہا۔ ہم یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ ٹنڈا بالکل محفوظ رہا...... میں نے اس کا وہ ہتھوڑا اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی تو مجھ سے ایک ہاتھ سے وہ ہتھوڑا اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔

ایک بوڑھے کی بھینسے سے لڑائی

جاپان میں ایک بوڑھا آدمی تھا۔ وہ مارشل آرٹس کا اسپیشلسٹ تھا۔ اس کے کلب کی پہچان یہ تھی کہ وہاں جو بھی جاتا تھا وہ زخمی ہو کر آتا تھا۔ مگر وہ سکھاتا ایسا تھا کہ ماہر بنا دیتا تھا۔ اس کے کلب میں بے پناہ رش ہوتا تھا۔ وہ تھا تو بوڑھا لیکن جوانوں کو مارتا تھا۔

آخری عمر میں اس نے انسانوں سے لڑنا ہی چھوڑ دیا۔ بندوں کی بجائے وہ بھینسے سے لڑتا تھا۔ لوگ فل جوان بھینسا رِنگ کے اندر لے آتے اور وہ بوڑھا بندہ اندر جا کر بھینسے کے ساتھ لڑتا۔ اب بتائیں کہ بھینسے کے ساتھ بندے کا لڑنا کیسا ہے؟ مزے کی بات یہ ہے کہ آخری وقت میں جب ذرا اور زیادہ ماہر ہو گیا تو وہ تین سٹروک میں بھینسے کو ناکارہ بنا دیتا تھا۔ وہ کرتا کیا تھا؟...... وہ کرتا یہ تھا کہ سفید کپڑا لے کر بھینسے کے سامنے کھڑا رہتا اور بھینسا اسے مارنے کے لئے بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا اس کے پاس پوری قوت کے ساتھ آتا۔ جیسے ہی بھینسا اس کے سامنے آتا تو یہ اس کے سامنے سے بڑی پھرتی کے ساتھ ایک طرف کو ہٹ جاتا اور ہٹ کر بھینسے کے سینگ کے اوپر ایک زوردار سٹروک لگاتا تو اس کا پورا سینگ ہی ٹوٹ کر نکل جاتا۔ اس طرح بھینسے کا خون نکلتا تو وہ اور زیادہ خونخوار بن جاتا۔ پھر دوسری طرف سے پلٹ کر بھینسا دوبارہ آتا۔ جب بھینسا دوبارہ اس کی طرف آتا تو یہ اس کے سامنے سے ہٹ کر دوسری طرف کو ہو جاتا اور دوسرے ہاتھ سے دوسرے سینگ پر سٹروک مارتا، اس سے اس کا دوسرا سینگ بھی ٹوٹ

جاتا۔ پھر جب بھینسا تیسری مرتبہ اس کی طرف آتا تو اس وقت بھینسے کا غصہ دیکھنے والا ہوتا تھا۔ وہ اتنا غصے میں آتا کہ ٹکر مار کر اس کو ہٹا دے لیکن جیسے ہی وہ آتا تو یہ ایک طرف ہو کر اس کو آگے گزرنے دیتا اور پھر اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ایک زبردست سٹروک لگاتا جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی اور بھینسا وہیں بیٹھ جاتا۔ اس کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتا تھا۔

آپ حیران ہوں گے کہ اس نے ایسا کیسے کیا۔ اس نے اپنی طاقت کو ایک جگہ مرکوز کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس لئے مارشل آرٹس والے فن کے ساتھ ساتھ میڈی ٹیشن بھی سکھاتے ہیں کیونکہ اس سے بندے میں قوتِ ارادی کو ایک جگہ استعمال کرنے کی طاقت آجاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طاقت کو ایک جگہ پر مرکوز کرنا ایک عجیب ہی نعمت ہے۔ اہل اللہ سے جو بڑی بڑی کرامتیں صادر ہوتی ہیں وہ ان کی قوتِ ارادی اور سوچ کی قوت کو مرکوز کرنے کی بناء پر صادر ہوتی ہیں۔ ہپناٹزم اپنی قوتِ ارادی کو مرکوز کرنے کا ہی نام ہے۔

ہپناٹزم کا ایک کرتب

میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس وقت یہاں جھنگ میں ایک سرکس آئی بڑے بھائی ہمیں سرکس دکھانے کیلئے لے گئے۔ ہم نے زندگی میں کبھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کو ہم ہاتھی بھی دکھائیں گے اور مداری بھی دکھائیں گے۔ اس عمر میں مداری وغیرہ بہت اچھے لگتے ہیں۔ چونکہ میں چھوٹا سا تھا اس لئے میں جا کر ہاتھی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ اس کی اتنی لمبی سونڈ ہوتی ہے۔ مجھے اس وقت پتا چلا جب اس نے اپنی سونڈ میرے ساتھ لگائی۔ یہ تو اس کا بھلا ہے کہ اس نے کچھ نہ کیا۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ سونڈ جو پہلے لٹک رہی تھی وہ یکدم میرے سامنے آگئی، اس وقت میں گھبرا کر تھوڑا سا پیچھے ہٹا۔

پھر مجھے اندازہ ہوا کہ اس کی سونڈ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ چونکہ ہم نے زندگی میں پہلی دفعہ ہاتھی دیکھا تھا اس لئے اس کو ہم بڑے حیران ہو کر دیکھتے رہے۔

اس سرکس میں ہم نے ہپناٹزم کا ایک شو دیکھا۔ ایک بوڑھے آدمی نے ہپناٹزم کا کرتب سکھایا۔ وہ بڑا عجیب کرتب تھا۔ اٹھارہ بیس سال کی ایک جوان لڑکی تھی۔ وہ ایک دروازے سے بھاگی ہوئی آئی۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کے دو نیزے تھے۔ وہ ان کو ہاتھ میں لے کر سب کو دکھاتی پھر رہی تھی۔ وہ نیزے آگے سے اتنے تیز تھے کہ ہمارے قریب ایک آدمی بیٹھا تھا، اس نے ان کو چیک کرنے کیلئے ہاتھ لگایا تو اس کے ہاتھ سے خون نکل آیا۔ وہ دکھا بھی یہی رہی تھی کہ دیکھو یہ آگے سے کتنے تیز ہیں۔ جب اس نے وہ نیزے سارے مجمع کو دکھا دیئے تو ایک اونچی سی جگہ پر آ کر وہ کھڑی ہوگئی۔ اب وہ بوڑھا میاں آیا اور اس نے آ کر اس کی طرف دیکھا اور کچھ پڑھنے لگا۔ وہ اس کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ...... میں کون؟ ...... عامل ...... تو کون؟ ...... معمول ...... وہ اس کی طرف برابر دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر کے بعد لڑکی کو غشی آنے لگی۔ اب اس بوڑھے آدمی نے اس کی ایک بغل میں ایک نیزہ دے دیا اور دوسری بغل میں دوسرا۔ اور لڑکی جب وہ نیزے دکھا رہی تھی تو اس وقت اپنی بغلیں بھی دکھا رہی تھی کہ میری بغلوں میں کچھ بھی نہیں ہے۔

وہ لڑکی پہلے تو سیدھی کھڑی تھی، اس کے بعد نیزوں پر آ گئی۔ یوں اسکا پورا وزن ان دونوں نیزوں کے اوپر آ گیا۔ پھر وہ کچھ پڑھتا رہا، پڑھتا رہا۔ جب وہ اچھی طرح سے بے ہوش ہوگئی تو اس بوڑھے نے اس کے نیچے سے وہ دو تین فٹ اونچی لکڑی نکال لی جس پر وہ کھڑی تھی۔ ہم بہت حیران ہوئے۔ اب وہ لڑکی دونوں نیزوں کے اوپر لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنا عمل کرتا رہا۔ پھر اس نے

ایک عجیب کام کیا کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور اس کی ایک طرف کو اٹھا کر اس کے نیچے سے ایک نیزہ نکال دیا۔ پھر ایک نیزے کے اوپر پوری لڑکی لٹکی ہوئی تھی ......سائنس پڑھنے والے آج تو اس بات کو سمجھ سکتے ہیں لیکن ہم تو اس وقت بچے تھے اس لئے ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں تھی۔ البتہ ہمیں یہ عجیب سا لگ رہا تھا کہ اس کی ایک بغل کے نیچے نیزہ اور اس کے اوپر ہوا میں پوری لڑکی لٹکی ہوئی ہے۔

اس کے بعد وہ پھر پڑھتا رہا۔ بالآخر اس نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور اس کو ہوا میں ہی سیدھا کر دیا۔ اب وہ ہوا میں یوں لیٹی ہوئی تھیں جیسے کوئی لڑکی بیڈ کے اوپر لیٹی ہوتی ہے۔ یہ اس کے کرتب کا آخری مرحلہ تھا۔ چنانچہ وہ دو چار منٹ تک اسی طرح ہوا میں لٹکی رہی اور وہ بندہ اسے دیکھتا رہا اور تالیاں بجتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اس کو پھر اسی طرح واپس کیا اور وہ ایک نیزے پر لٹکنے لگی، پھر اس نے دوسرا نیزہ نیچے لگایا۔ پھر اس کے بعد اس نے کچھ پڑھا، پھر اس کے نیچے لکڑی رکھ دی۔ پھر اس کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی بندہ بے ہوشی سے باہر آتا ہے۔ اسے اتنا پسینہ آیا ہوا تھا کہ اس کے پورے چہرے پر پسینے کے قطرے تھے۔ اس کے کپڑے بھی پسینے سے شرابور ہو چکے تھے۔ اس وقت وہ ہم سے پانچ سات فٹ کے فاصلے پر تھی۔ پھر دو عورتیں آئیں اور وہ اس کو پکڑ کر لے گئیں۔ وہ اتنی تھک چکی تھی کہ اس کے لئے پاؤں اٹھانے بھی مشکل ہو رہے تھے۔ یہ ہپناٹزم کا کرتب میں نے اپنی زندگی میں خود دیکھا۔

اچھا، جب اس نے لڑکی کو ہوا میں لٹا دیا تو اس وقت مجھے اپنے والد صاحب کی ایک بات یاد آ گئی۔ انہوں نے ایک دفعہ جادوگروں کا ایک واقعہ سنایا تھا اور ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ یہ جادوگر تماشائیوں کی آنکھوں پر جادو کرتے ہیں، حقیقت میں وہ چیز ایسی نہیں ہوتی جیسی نظر آ رہی ہوتی ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب

مجھے ابا جان کی وہ بات یاد آئی تو میں اپنی آنکھوں کو ملنے لگا کہ مجھے یہ دھوکا ہو رہا ہے یا واقعی ایسے ہی ہے۔ یہ واقعی ایسا ہی تھا کہ وہ لڑکی ایک نیزے کے اوپر لیٹی ہوئی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟...... یہ ایسے ہوا کہ اس بندے نے اپنی قوت کو ایک جگہ پر یکجا کر کے اس کو دوسرے پر لاگو کرنا سیکھ لیا تھا۔ لہٰذا اس نے اس لڑکی کو اپنی نظر کے سہارے پر رکھا ہوا تھا۔

جب ہم یونیورسٹی میں پڑھتے تھے تو ان دنوں ہم سید زوار حسین شاہؒ کی خدمت میں کراچی حاضر ہوئے۔ حضرت سید زوار حسین شاہؒ ایک بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ میں نے ان کو یہ واقعہ سنا کر عرض کیا، حضرت! میں نے یہ واقعہ خود دیکھا ہوا ہے لیکن مجھے آج تک اس کی حقیقت کی سمجھ نہیں آئی۔ حضرتؒ نے فرمایا! یہ کوئی جادو نہیں ہے بلکہ اس بندے نے یہ سب کچھ اپنی قوتِ ارادی کو مرکوز کرنے کی وجہ سے کیا۔

بس، یہی میرا کرتب تھا

اس کے بعد حضرتؒ نے خود ایک واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ انڈیا میں ایک آدمی نے شو دکھایا۔ اس نے لوگوں سے کہا تھا کہ میں ٹھیک چھ بجے آ کر آپ کو شو دکھاؤں گا۔ ٹائم طے تھا، بہت سارے لوگ جمع ہو گئے۔ چھ بھی بج گئے۔ بلکہ دس منٹ اوپر ہو گئے مگر وہ بندہ نہ آیا۔ جب کچھ دیر کے بعد وہ آدمی آیا تو اس نے سلام کیا اور کہنے لگا، چونکہ ابھی وقت نہیں ہوا، پندرہ منٹ باقی ہیں، اس لئے میں اب جاتا ہوں اور میں اپنے صحیح وقت پر آؤں گا۔ لوگوں نے کہا جی وقت تو ہو گیا ہے۔ اس نے کہا، نہیں آپ اپنی گھڑیاں دیکھ لیں۔ جب لوگوں نے اپنی گھڑیاں دیکھیں تو واقعی سب کی گھڑیوں پر پونے چھ بج رہے تھے۔ جب تک وہ وہاں کھڑا رہا سب

کی گھڑیوں کی سوئیاں پونے چھ پر ہی رہیں۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ ''بس یہی میرا کرتب تھا، السلام علیکم''۔

ٹی وی سکرین پر ایک کرتب

ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر بھی حضرت سید زوار حسین شاہؒ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب حضرتؒ سے یہ بات سنی تو انہوں نے کہا، حضرت! میں آپ کو اس سے بھی عجیب بات سناتا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا، سناؤ۔ انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ انگلینڈ میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں ٹی وی پر آپ کو ایک کرتب دکھاؤں گا۔ چنانچہ اسے ٹی وی پر کرتب دکھانے کی اجازت دے دی گئی۔ جب وہ کرتب دکھانے سے فارغ ہوا تو اس نے آخر میں کہا کہ پورے ملک میں جو بندہ بھی ٹی وی دیکھ رہا ہے، وہ اپنے ہاتھ میں لوہے کی کوئی چیز پکڑ لے۔ یہ سن کے کسی نے چمچ پکڑا، کسی نے کانٹا پکڑا، کسی نے چھری وغیرہ پکڑ لی۔ جیسے ہی اس نے لوہے کی چیز پکڑنے کو کہا تو اس کے بعد چند سیکنڈ کے اندر اندر جس کے ہاتھ میں جو چیز تھی، وہ ٹیڑھی ہوگئی۔ پورے ملک کے لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا۔ دنیا حیران تھی کہ اس نے ٹی وی سکرین پر بیٹھ کر یہ کہا مگر اس کی توجہ اتنا کام کر رہی تھی کہ پورے ملک میں جس نے جو چیز اس کے کہنے پر پکڑی تھی وہ ٹیڑھی ہوگئی۔ پھر لوگوں نے اس پر مقدمہ بھی درج کر دیا کہ آپ نے ہمارا یہ نقصان کیا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے آپ سے صرف یہ کہا تھا کہ پکڑیں، یہ تو نہیں کہا تھا کہ ٹیڑھا کریں۔

اس سے پتہ چلا کہ انسان اپنی قوتِ ارادی کو مرکوز کر کے بہت سے عجیب و غریب کام کر سکتا ہے۔ انسان آخر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ صفات رکھی ہیں لیکن ہمیں ان صفات کو آزمانا نہیں آتا۔

گناہگاروں پر اہل اللہ کی توجہ کا اثر

اللہ والے بھی قوتِ ارادی کو ہی اپنے متعلقین پر استعمال کرتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ گناہوں میں پھنسے نوجوان اللہ والوں کی صحبت میں آتے ہیں اور تھوڑی سی دیر بیٹھتے ہیں، وہ ظاہر میں کرتے بھی کچھ نہیں، بس معمولی سی ایک دو باتیں کر کے ان کو واپس بھیج دیتے ہیں اور ان کے دلوں کی حالت بدل جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ واپس جا کر نیک بن جاتے ہیں۔ یہ دراصل ان کی وہی توجہ پڑ رہی ہوتی ہے جس کو قوت ارادی کہتے ہیں۔ پھر وہ توجہ دل کے اوپر اثر دکھا رہی ہوتی ہے۔

احادیث سے ثبوت

احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ ایک نوجوان نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے فلاں گناہ کی اجازت دے دیجئے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کو سمجھایا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ سمجھانے کے بعد نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا اور اس کو دعا دی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس ہاتھ رکھنے کا ایسا اثر ہوا کہ میرے دل میں جتنی نفرت اس گناہ سے پیدا ہو گئی اتنی نفرت کسی اور گناہ سے نہیں تھی۔ ...... یہ کیا چیز تھی؟ ...... یہ قلبی توجہ تھی کہ محبوبِ خدا ﷺ نے سینے پر ہاتھ رکھا اور سینے سے سب میل کچیل نکال کر رکھ دی۔ ...... یہی نعمتیں اللہ والوں کے سینوں میں منتقل ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ان سے کرامات صادر ہوتی ہیں۔ چونکہ ہم کبھی کثرت سے ذکر نہیں کرتے اس لئے ہماری زندگی میں ایسے واقعات پیش نہیں آتے۔

ہماری نمازوں کی کیفیت

ابھی ہمیں اپنی توجہ کو مرکوز کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں ہوئی۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ جب ہم نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو نماز کی طرف ہمارا دھیان ہی نہیں جاتا۔ جب یہ صلاحیت ہمارے اندر پیدا ہو جائے گی اور ہم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوں گے تو نماز ہی کی طرف دھیان ہوگا۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا، حضرت! کیا آپ کو نماز میں دنیا کا خیال آتا ہے؟ تو وہ فرمانے لگے، نہ تو مجھے نماز کے اندر دنیا کا خیال آتا ہے اور نہ ہی نماز کے باہر آتا ہے...... ماشاء اللہ...... جب اس طرح توجہ کے ساتھ کوئی آدمی اللہ رب العزت کے حضور فریاد کردے اور مانگے تو اس کو کہتے ہیں

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ (النمل : 62)

(بھلا کون ہے جو بیقرار کی پکار کو سنتا ہے)

پھر اللہ تعالیٰ ا[illegible] [illegible]ر بندے کی فریاد کو ضرور قبول کرتے ہیں۔ ہمیں دراصل توجہ مرکوز کرنی نہیں آتی۔ اس لئے ہماری زبان میں تاثیر نہیں، کلام میں تاثیر نہیں، اور نماز کے اندر خوبی نہیں۔ ہمارے حالت تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں اور گلی کوچوں بازاروں میں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا،

’’قرب قیامت میں تم دیکھو گے کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہوگی مگر ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی ہوں گے۔‘‘

ایک امام صاحب تھے۔ انہوں نے چار رکعت کی نیت باندھی اور دو رکعت کے بعد سلام پھیر بیٹھے۔ ان کو شک بھی گزرا۔ لہٰذا انہوں نے مقتدیوں سے پوچھا کہ کیا میں نے دو رکعت نماز پڑھی ہے یا چار رکعت؟۔ ان میں سے کوئی بھی یقین

سے کہنے والا نہیں تھا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایک طرف ایک بوڑھے میاں بیٹھے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ پکی بات ہے کہ ہم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں لہٰذا آپ دوبارہ پڑھائیں۔ امام صاحب نے دوبارہ چار رکعتیں پڑھائیں اور دل ہی دل میں خوش ہوئے کہ چلو پوری جماعت میں ایک آدمی تو ایسا ہے جس کو یقین سے پتا تھا کہ ہم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ چنانچہ نماز کے بعد امام صاحب نے ان کا شکریہ بھی ادا کیا اور اسے کہا کہ یہ آپ پر اللہ کی رحمت ہے کہ نماز میں آپ کی توجہ نماز کی طرف ہی ہوتی ہے۔ پھر امام صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتہ تھا کہ میں نے دو رکعتیں ہی پڑھائی ہیں؟ وہ صاحب کہنے لگے، قاری صاحب! اصل میں میرے چار بیٹے ہیں، میں ہر رکعت میں ایک بیٹے کے کاروبار کا حساب کرتا ہوں، آج میں نے ابھی دو کا حساب کیا تھا کہ آپ نے سلام پھیر دیا، ابھی دو کا حساب باقی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے چار رکعتیں نہیں پڑھائیں بلکہ دو رکعتیں پڑھائی ہیں۔ ...... چونکہ نماز میں ہماری حالت یہی ہوتی ہے اس لئے ہمیں ایسی نمازوں کی وجہ سے برکات اور کمالات حاصل نہیں ہو رہے۔

ایک قرآنی فیصلہ

ایک قرآنی فیصلہ ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ (العنکبوت: 45)

(بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے)

ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور فحش اور منکر کاموں سے بچتے بھی نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم حقیقی معنوں میں نماز ہی نہیں پڑھتے۔ اگر ہماری نماز واقعی نماز ہوتی تو قرآنی گواہی ہے کہ یہ انسان کو فحش کاموں سے روک دیتی ہے۔ جب نہیں

رک رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری یہ دوائی اثر والی دوائی نہیں ہے۔ ہم ایسی نماز کیسے پڑھیں جو ہمیں فحش کاموں سے روک دے۔ اس کے لئے توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ چیز اللہ والے سکھاتے ہیں۔ ان کی دعاؤں اور صحبت سے انسان کو یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔

غیر اللہ کے خیال سے خالی نماز پڑھنے کا واقعہ

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ وہ بڑے موحد عالم تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے یہ حدیث مبارکہ پڑھی کہ اگر بندہ دو رکعت ایسی پڑھے کہ جس میں اسے نماز سے باہر کا کوئی خیال بھی نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے سب گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ یہ حدیث پڑھنے کے بعد میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ میں بھی ایسی دو رکعتیں پڑھوں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دو رکعت پڑھنے کی نیت کی لیکن نماز سے باہر کا خیال آ گیا۔ اس کے بعد میں ہمت کر کے بار بار دو رکعت پڑھتا رہا لیکن ہر بار کوئی نہ کوئی خیال آتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ میں نے سو رکعتیں پڑھیں اور میں عاجز ہو کر بیٹھ گیا اور سوچ میں پڑ گیا کہ یا اللہ! ایسی نماز پڑھنا کتنا مشکل ہے کہ سو رکعتوں میں سے مجھے دو رکعتیں بھی ایسی نصیب نہ ہوئیں۔ فرماتے ہیں کہ پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں اپنی یہ کیفیت اپنے شیخ کو بتاتا ہوں۔ چنانچہ میں نے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا، حضرت! میں نے تو سو رکعتیں پڑھی ہیں مگر ان میں سے دو رکعتیں بھی ایسی نہیں پڑھ سکا۔ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم رات کو اپنی چارپائی ہمارے قریب بچھانا۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے۔ چنانچہ عشاء کے بعد میں نے اپنی چارپائی حضرتؒ کی چارپائی کے قریب بچھا دی۔ جب تہجد کا وقت ہوا تو میں اٹھا۔ حضرتؒ نے فرمایا، اٹھ گئے

ہو؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔اس کے بعد مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ پھر حضرت نے فرمایا، جاؤ اللہ کے لئے وضو کرو۔ میں وضو کر کے آیا مگر میں نے زندگی میں ایسا وضو کبھی نہیں کیا تھا ......اللہ کی طرف دھیان ......توجہ ......عجیب کیفیت ......اور طبیعت کے اوپر رقت طاری تھی۔ فرماتے ہیں کہ جب میں آیا تو حضرتؒ نے پوچھا، وضو کر لیا ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔فرمانے لگے، جاؤ اللہ کے لئے دو رکعت پڑھو۔ انہوں نے جو اللہ کا لفظ بولا تو اس کی وجہ سے میرے اوپر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جیسے ہی میں نے دو رکعت کی نیت باندھی، رونا شروع کر دیا ۔فرماتے ہیں کہ میں پوری نماز میں روتا رہا اور یوں سمجھ رہا تھا کہ میں اللہ کے حضور سامنے کھڑا ہوں......

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرٰكَ

(تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ تصور جمانا ممکن نہ ہو تو یہ خیال کر لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے)

......کے مصداق پوری نماز پڑھی۔ جب میں نے سلام پھیرا تو اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں نے نماز مکمل کر لی ہے۔ سلام پھیرنے کے بعد میں نے دل میں سوچا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری زندگی کی پہلی نمازوں میں سے کوئی ایک نماز بھی نماز کہلانے کے قابل نہیں ہے۔

بعد میں حضرتؒ نے بلا کر پوچھا کہ تم نے نماز کیسے پڑھی۔ میں نے عرض کیا، حضرت! میں نے ایسے نماز پڑھی کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوں، اس کے سوا کوئی خیال ہی نہیں تھا۔ پھر پوچھا کہ نماز کے بعد کیا کیفیت تھی۔ میں نے عرض کیا کہ نماز کے بعد یہ خیال تھا کہ میری پہلی نمازوں میں سے تو کوئی نماز بھی قبول نہیں ہوئی ۔حضرتؒ نے جواب دیا کہ اسی طرح صحابہ کرامؓ کی نماز ہوا کرتی تھی۔ وہ

ایسی ہی نمازیں پڑھتے تھے کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو غیر کا کوئی خیال نہیں آتا تھا اور جب پڑھ لیتے تھے تو یہ کیفیت ہوتی تھی کہ میری نماز تو قبول ہونے کے قابل ہی نہیں ہے۔

اس لئے ہمارے مشائخ کہتے ہیں کہ بیعت ہونے کا اصل مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ سالک اپنے شیخ کی خدمت میں اس نیت کے ساتھ آئے کہ حضرت! مجھے اولیاء اللہ جیسی نماز پڑھنا سکھا دیجئے۔ آج کل تو دم چھو کے لئے بیعت کرتے ہیں۔ کبھی پانی دم کروا لیا کبھی کھجوریں دم کروا لیں اور کبھی کوئی نذرانہ پیش کر دیا، بس یہیں پر پیری مریدی ختم ہو جاتی ہے۔ پیری مریدی کا اصل مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا بندہ جس نے اپنے مشائخ کی صحبت میں رہ کر ایسی نماز پڑھنا سیکھی ہم بھی اس کی خدمت میں جا کر بیٹھیں اور یوں کہیں کہ حضرت ہمیں بھی اولیاء اللہ جیسی نماز پڑھا دیجئے۔ آج تو اصل مقصد کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ نہ سیکھنے والوں کی اور نہ سکھانے والوں کی۔

سائنسدانوں میں توجہ مرکوز کرنے کی قوت

اچھا، یہ بتائیں کہ دنیا میں جو سائنسدان بنتے ہیں وہ کیسے بنتے ہیں؟...... وہ اپنی توجہ کو ایک چیز پر مرکوز کرتے ہیں۔ وہ توجہ کو مرکوز کرتے کرتے اتنی گہرائی تک چلے جاتے ہیں جہاں عام بندہ نہیں جا سکتا۔ اس طرح وہ سائنسدان بن جاتے ہیں اور نئی نئی چیزیں دریافت کرتے رہتے ہیں۔ ہر بندہ تو نئی چیزیں دریافت نہیں کر سکتا۔ وہ اس لئے دریافت نہیں کر پاتا کہ اس کا دماغ وہاں نہیں پہنچ پاتا۔ اور اس کا دماغ وہاں تک اس لئے نہیں پہنچ پاتا کہ وہ اپنی توجہ مرکوز کرنا نہیں جانتا۔ اگر ہم اپنی توجہ کو مرکوز کر لیں تو ہم جو کام بھی شروع کریں گے اس کام میں کامیاب ہو جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا توجہ کو مرکوز کرنا

یہ توجہ کو مرکوز کرنا ہی تو تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جہاد میں اتنا مشغول ہوتا تھا کہ میں نماز میں کھڑے ہو کر بھی جہاد کی صفوں کو درست کر رہا ہوتا تھا۔ اقامت دین کی کوششوں کا ان پر اتنا غلبہ تھا کہ جہاد کرتے ہوئے تو جہاد ہی کر رہے ہوتے تھے لیکن نماز میں بھی ان کا دھیان اسی طرف تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان کا یہ عمل چونکہ اپنے نفس کے لئے نہیں تھا بلکہ اللہ کے لئے تھا اس لئے ان کا نماز کے اندر جہاد کی صفوں کا درست کرنا بھی ان کی نماز ہی تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی یکسوئی عطا فرما دے تو پھر کیا ہی کہنے۔

یکسوئی کی یہ طاقت انسان کو کثرتِ ذکر سے ملتی ہے۔ چنانچہ کثرتِ ذکر کرنے والے...... اگر طلباء ہیں تو تعلیم میں کامیاب...... اگر کاروباری ہیں تو کاروبار میں کامیاب ...... اگر کسی اور کام میں لگے ہوئے ہیں تو اس کام میں کامیاب۔ چونکہ ان کے اندر یکسوئی ہوگی اس لئے وہ جس کام میں بھی لگیں گے اللہ تعالیٰ اسی طرح کے مشورے اور باتیں ان کے ذہن میں ڈالتے جائیں گے۔

طبِ یونانی کے مفقود ہونے کی وجوہات

پہلے وقتوں میں جو طب ہوتی تھی وہ ساری اسی قوتِ ارادی کی وجہ سے ہوتی تھی۔ اب تو جو اصل طبِ یونانی تھی وہ چلی گئی ہے۔ اس میں دو طرح کی غلطیاں ہوئیں۔

(۱) حکومت کی غلطی: حکومت نے یہ غلطی کی کہ اس نے اطباء کی سرپرستی نہ کی۔ اگر حکومت ان کے لئے کالج بناتی، بڑے بڑے طبیبوں کو رکھا جاتا، ریسرچ ورک ہوتا، اس کی ڈاکومینٹس بنتیں اور لوگوں میں نسخے پھیلتے تو یہ علم آج لوگوں میں اس

طرح چل رہا ہوتا جیسے اب ہومیو پیتھک کی لائن چل رہی ہے۔

(۲) اطباء کی غلطی: جب حکومت نے اطباء کی سرپرستی نہ کی تو ہر ایک کو اپنا کھاتہ خود چلانا پڑا۔ اس کی وجہ سے آدھے اطباء نے سوچا کہ نزلہ و زکام کی ادویات چلانے میں تو اتنا فائدہ نہیں ہے اس لئے ہم پوشیدہ بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ سنیاسی بابا بنے۔ دوسری قوموں کے لوگ سائنسدان بنے اور ہماری قوم کے سائنسدان سنیاسی بابا بنے۔ اب انہوں نے جگہ جگہ لکھوا دیا کہ مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا ..... باہر ملک سے آنے والا آدمی جب ہماری دیواروں پر ایسی ایڈورٹائزمنٹ پڑھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہاں کی پوری قوم ہی کمزور ہے...... وہ نت نئے کشتے بناتے رہے اور بادشاہوں سے انعامات پاتے رہے۔ کبھی کشتہ فولاد بناتے، کبھی سونے کا کشتہ بناتے اور کبھی چاندی کا کشتہ بناتے۔ وہ کشتوں میں لگے رہے تاکہ کشتی ہی کرتے رہیں۔ جو قابل لوگ تھے وہ ادھر لگے رہے اور باقی ماندہ اطباء نے فقط نزلہ زکام وغیرہ کا کام سیکھا۔

اطباء کی ایک بہت بڑی غلطی یہ بھی تھی کہ اگر کسی کے تجربے میں کوئی کامیاب نسخہ آ جاتا تو وہ آگے نہیں بتاتے تھے۔ مجھے ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر نے بتایا کہ میری بیوی کو بواسیر کی بیماری تھی۔ میں نے اس کا علاج ہسپتال سے کروانے کی بجائے ایک حکیم صاحب سے کروایا۔ اس نے ایسا اچھا علاج کیا کہ وہ بالکل صحت یاب ہوگئی۔ وہ بتانے لگے کہ ہم اس حکیم صاحب سے نسخہ پوچھتے رہے لیکن اس نے ہر بار یہی کہا کہ میں نہیں بتا سکتا۔ البتہ اس نے یہ کہا کہ میں وہ نسخہ اپنے بیٹے کو بتاؤں گا۔ اس نے اپنی آخری عمر میں اپنے بیٹے کو وہ نسخہ سمجھایا لیکن کم عمری کی وجہ سے وہ سمجھ نہ سکا۔ اس نے اسے لکھ کر بھی دیا لیکن اس نے وہ بھی ضائع کر دیا۔ اس طرح وہ نسخہ ضائع ہو گیا اور امت اس نعمت سے محروم ہوگئی...... حکیموں نے یہ

تماشا کیا......ان کا یہ خیال تھا کہ دنیا ہمیں یاد کرے گی کہ فلاں حکیم کے پاس بڑا اچھا نسخہ تھا اور دنیا میں ہمارا نام رہے گا، حالانکہ اگر وہ اس نسخے کو عام کر دیتے تو اس طرح دنیا میں ان کا نام رہتا۔ مثلاً یہ نسخہ رمضان صاحب کا ہے، یہ نسخہ سلمان صاحب کا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جنہوں نے ہومیو پیتھک میں کام کیا ان کے نام دنیا میں باقی ہیں۔ انہوں نے جو چیزیں بھی پائیں انہوں نے ان کو ڈاکومنٹ کر کے لوگوں کو دے دیا اس لئے آج لوگ ان کو یاد کرتے ہیں۔ جب کہ ہمارے حکیم اپنے صدری نسخے اپنے ساتھ قبر میں لے کر چلے گئے اور ان کی ساتھ علم طب بھی دفن ہو گیا۔

ایک مصنوعی چاند

یہ سلوک صرف طبی نسخوں کے ساتھ ہی نہیں ہوا تھا بلکہ بعض فنی مہارتیں رکھنے والے لوگ اپنے فن کا راز بھی دوسروں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر عباسی دور میں حکیم بن ہاشم نامی آدمی نے ایک مصنوعی چاند بنایا۔ اسے ماہِ نخشب کہتے تھے کیونکہ وہ چاند نخشب نامی کنوئیں سے طلوع ہوتا تھا۔ وہ چاند تقریباً دو سو مربع میل کا علاقہ منور کرتا تھا۔ اس چاند کی خوبی یہ تھی کہ وہ سورج کے غروب ہوتے ہی نکل آتا اور اس کے طلوع ہوتے ہی غروب ہو جاتا تھا۔ حکم نے اس چاند کی حقیقت کسی کو نہ بتائی اور وہ اس کا راز سینے میں لئے تیزاب کے مٹکے میں گرا اور وہیں مر گیا۔

ایک حیرت انگیز واقعہ

ایک کتاب ہے ''اطباء کے حیرت انگیز واقعات''۔ اگر کبھی موقع ملے تو آپ وہ کتاب پڑھیں۔ اس میں واقعی حیرت انگیز واقعات ہیں۔ پہلے دور کے اطباء

نبض دیکھ کر ہی مرض کی تشخیص کر دیتے تھے۔ لیکن آج یہ حالت ہے کہ ڈاکٹر دس ٹیسٹ کروانے کے بعد بھی کہتا ہے کہ میں ابھی تک نہیں بتا سکتا کہ کیا بیماری ہے۔ اسی کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک طبیب تھا۔ وہ اتنا متقی تھا کہ عورتوں کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ لہٰذا وہ عورتوں کی کلائی پر دھاگہ بندھوا کر ان کے مرض کی تشخیص کرتا تھا۔ ایک مرتبہ طبیب کے مخالفین میں سے کسی نے کہا کہ ہم اس کو آزماتے ہیں کہ اسے دھاگے سے کیسے پتا چلتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک عورت کو اس کے مطب پر لے گئے اور اسے پردے کے پیچھے بٹھا دیا۔ طبیب کو عورت کا نام بتا دیا گیا اور اس نے دھاگے کو پکڑ کر نسخہ لکھا کہ اس مریضہ کو کچے گوشت کی ضرورت ہے۔ جب دوائی دینے والے کمپوڈر نے نسخہ پڑھا تو وہ حیران ہو کر طبیب کے پاس آیا اور کہنے لگا، حکیم صاحب! یہ کیا لکھا ہے؟ کیا اس عورت کو کچے گوشت کی ضرورت ہے؟ حکیم صاحب نے کہا، ہاں، دھاگے سے مجھے اس کی مرض کا یہی پتہ چلا ہے۔ جب مریضہ کو بلا کر پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے بلی کی کلائی پر دھاگہ باندھا تھا۔ اصل میں وہ عورت ایک بلی لے کر گئی تھی تاکہ حکیم صاحب کو آزما سکے۔

اطباء کے ارتکاز توجہ کے ثمرات

طب کی ایک کتاب ہے ''القانون''۔ وہ کتاب آج سے سینکڑوں سال پہلے لکھی گئی اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ آج بھی سو فیصد ٹھیک ہے۔ ایک طبیب تھے۔ انہوں نے ''علاماتِ موت'' نامی کتاب لکھی۔ اس نے کہا کہ جب یہ علامات پائی جائیں تو موت یقینی ہو جاتی ہے۔ آج اتنی ترقی کے باوجود ان علامات کو فیٹل علامات کہتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ اگر آج بھی وہ علامات آجائیں تو بندہ موت سے نہیں بچتا۔ ابن سوری کی کتاب میں خشک بوٹیوں کی رنگین تصاویر تھیں۔ اس میں ان بوٹیوں کے خواص وغیرہ لکھے ہوئے تھے۔ ابو

القاسم زہراوی نے مثانہ کی پتھری نکالنے کے لئے جسم کا جو مقام آپریشن کے لئے تجویز کیا تھا، آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ دوران خون کا جدید نظریہ ولیم ہاروے سے منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے بہت پہلے ابن نفیس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا۔

یہ علوم ان کو کیسے حاصل ہوئے؟ وہ اپنی توجہ کو مرکوز کر کے اپنے کام میں لگے رہتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے مطابق ان کے دماغوں میں الہام فرما دیتے تھے۔ لیکن آج وہ کنسنٹریشن ہی نہیں ہے جس کی وجہ سے ریسرچ ورک ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے ہاں تو کسی بھی شعبے میں ریسرچ نہیں ہو رہی۔

سپیشلسٹ بننے کا طریقہ

اپنی قوت کو مرکوز نہ کر سکنے کی وجہ سے یہی نہیں کہ ہماری نمازیں کمزور ہیں بلکہ ہم زندگی کے ہر شعبے میں کمزور ہیں اور کسی شعبے میں بھی آگے نہیں بڑھ رہے جب کہ کافر لوگ ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوتوں کو ایک جگہ مرکوز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سپیشلائزیشن ہے۔ یعنی وہ بچے کی پانچ سات سال کی عمر میں ہی اندازہ لگا لیتے ہیں کہ اس بچے نے کون سا کھیل کھیلنا ہے۔ اس کو وہ وہی کھیل کھلاتے ہیں جس کی طرف اس کا Aptitude (میلان) ہوتا ہے۔ اسی کو Aptitude test (میلانی جائزہ) کہتے ہیں۔ وہ بچہ جب جوان ہوتا ہے تو وہ اس کھیل میں پوری دنیا میں فرسٹ آجاتا ہے۔ مجھے ایک جگہ پر بتایا گیا کہ اگر کسی بچے کو گیارہ بارہ سال کے بعد لے جائیں کہ اسے فلاں کھیل کھلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ تم اسے دیر سے لے آئے ہو لہٰذا اسے واپس لے جاؤ، یہ اب نہیں چل سکتا۔ یعنی وہ گیارہ بارہ سال کی عمر کے بعد بچے کو کھیل میں شامل ہی نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اس کو بچپن میں لانا تھا۔ اس طرح وہ بچپن سے

ہی اس کے مزاج کو سمجھ کر کہ یہ کس کھیل میں دلچسپی لیتا ہے، اس کو اس وقت سے ہی ٹرینڈ کرنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ بچہ وہی کھیل کھیلتا رہتا ہے، پھر کھیلتے کھیلتے وہ ایسا سپیشلسٹ بن جاتا ہے کہ پوری دنیا میں پہلا نمبر حاصل کر لیتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ارتکاز توجہ کے ثمرات

اپنی قوت کو ایک جگہ مرکوز کرنے والی صفت ہمارے فقہائے ائمہ اربعہ کے اندر پائی جاتی تھی۔ جب بھی وہ کسی مسئلہ کے بارے میں سوچتے تھے تو اس کی تہہ تک چلے جاتے تھے۔ عام بندے کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس میدان میں سب سے آگے تھے۔ مثال کے طور پر......

☆ ......ایک مرتبہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ درس دے رہے تھے، اسی اثناء میں ایک عورت مسئلہ پوچھنے کے لئے آئی۔ چونکہ آپ درس دے رہے تھے اس لئے وہ خود دور کھڑی ہو گئی اور اس نے کسی بچے کے ہاتھ ایک سیب دے کر امام صاحبؒ کی طرف بھیجا۔ جب اس بچے نے وہ سیب امام صاحبؒ کو دیا تو انہوں نے سیب کے دو ٹکڑے کر کے واپس بھیج دیا۔ اب ان کے چالیس شاگرد سارا دن سوچتے رہے کہ اس عورت نے کیا کیا اور امام صاحبؒ نے کیا کیا مگر انہیں کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا۔ بالآخر انہوں نے عرض کیا، حضرتؒ! آپ ہی ہمیں بتا دیں کہ وہ پیغام رسانی کا سلسلہ کیا تھا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ مجھ سے فقہ کا مسئلہ پوچھنے آئی تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ سیب بھیج کر فقہ کا کون سا مسئلہ پوچھا جاتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ عورت حالت حیض میں تھی اور یہ مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی کہ مجھ پر غسل کب واجب ہے۔ اس لئے اس نے میری طرف ایک ایسا سیب بھیجا جو ایک طرف سے خون کی طرح بالکل سرخ تھا اور دوسری طرف سے ہلکا سا زرد تھا۔ وہ یہ مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی کہ اگر

عورت کا معاملہ ایک طرف سے دوسری طرف تک آ جائے تو کیا وہ غسل کر سکتی ہے؟ اس لئے میں نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، جس میں پیغام یہ تھا کہ جب تک کپڑا اندر کی سفیدی کی طرح بالکل سفید نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ غسل نہیں کر سکتی۔

☆......ایک مرتبہ ایک بوڑھا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں آیا اور امام صاحبؒ کو مخاطب کر کے کہنے لگا، ......وَاوٗ اَوْ وَاوَیْن ......حضرت کے شاگرد اس بوڑھے کی بات سن کر حیران ہو گئے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا، ......وَاوَیْــنُ ......اس کے بعد وہ جاتے ہوئے کہنے لگا......لَا وَ لَا ......حضرت کے چالیس شاگردوں میں سے اکثر فقیہ اور محدث قسم کے لوگ تھے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ فریقین کے درمیان کیا مکالمہ ہوا۔ وہ پورا دن سوچتے رہے کہ اس معمہ کا کیا حل ہے مگر حل نہ کر سکے۔ بالآخر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی گئی کہ حضرتؒ! آپ ہی بتائیں کہ اس بوڑھے نے کیا کہا اور آپ نے کیا کہا؟

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ بوڑھا مجھ سے فقہ کا مسئلہ پوچھنے آیا تھا۔ انہوں نے کہا، حضرتؒ! یہ ایک عجیب سا مسئلہ ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس نے کہا......واؤ او واوین......دراصل وہ مجھ سے نماز کا مسئلہ پوچھ رہا تھا کہ جب میں التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھوں تو میں اس کو ایک واؤ کے ساتھ پڑھوں یا دو واؤ کے ساتھ پڑھوں۔ میں نے جواب دیا...... واوین ......یہی وجہ ہے کہ ہم حنفی لوگ یوں پڑھتے ہیں۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَ الطَّیِّبَاتُ

اب ظاہر ہے کہ اس میں دو واؤ ہیں۔ دوسرے حضرات اس کو ایک واؤ سے

پڑھتے ہیں۔ پھر شاگردوں نے عرض کیا، حضرتؒ! ہمیں یہ بات تو سمجھ میں آ گئی لیکن جواب میں بوڑھے نے جو...... لاَ وَ لاَ ......کہا تھا اس کا کیا مطلب تھا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ جاتے ہوئے مجھے دعا دے گیا تھا کہ اے ابوحنیفہؒ! تجھے اللہ نے وہ علم دیا ہے کہ اللہ اس کو پوری دنیا کے اندر اپنی رحمت سے پھیلائے اور شجرہ طیبہ کی طرح بنائے،......لا شرقية ولا غربية

کیا عام بندے کا دماغ اتنی زیادہ گہرائی تک سوچ سکتا ہے؟ یہ نعمتیں فقط ان لوگوں کو ملتی ہیں جو اپنی توجہ کو ایک جگہ پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ یہی چیز ہمیں تصوف سکھاتا ہے کہ اپنی توجہات کو اپنے نفس کے اوپر مرکوز کرو، پھر دیکھنا کہ حسد، بغض، کینہ اور دوسرے رذائل کیسے جان نہیں چھوڑتے ہیں۔ اپنی توجہات کو اپنے کام پر مرکوز کرو، پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں اس کے مطابق الہام کیسے نہیں کرتے۔ آج ان دونوں نعمتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہماری زندگی ہر میدان میں ادھوری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کثرتِ ذکر کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم قوتِ ارادی کی بلندی بھی حاصل کر سکیں اور اپنی توجہات کو ایک جگہ پر مرکوز کرنے کی بھی سعادت پا سکیں۔ آمین ثم آمین۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین.

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرۃ: ۱۲۷)

قبولیت کی فکر

یہ بیان مارچ 2005ء کو خانقاہ فضلیہ مسکین پور شریف میں سالانہ نقشبندی اجتماع کے موقع پر ہوا۔ جس میں ہزاروں سالکین طریقت نے شرکت کی۔

اقتباس

......ایک عام سی مثال سمجھ لیں کہ ایک عورت اچھے خاندان سے ہو، بڑی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو، شکل کی بہت ہی خوبصورت ہو، سمجھدار اور سلیقہ مند ہو اور گھر کے ہر کام اور ہنر کو سمجھتی ہو تو یہ تمام چیزیں اس کی ''قابلیت'' کہلاتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے خاوند کو پسند بھی آ جائے تو اس کو ''قبولیت'' کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات خوبصورت عورتوں کو بھی طلاقیں ہو جاتی ہیں۔

...... بالکل اسی طرح اگر لوگ ہمیں مفتی صاحب کہیں، خطیب صاحب کہیں، پیر صاحب کہیں یا صوفی صاحب کہیں تو کیا حاصل؟ دیکھنا تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

قبولیت کی فکر

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرة:۱۲۷)

............و قال الله تعالیٰ فی مقام آخر ....

اِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ج (آل عمران :۳۵)

............و قال الله تعالیٰ فی مقام آخر ....

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (المائدۃ :۲۷)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

قابلیت اور قبولیت کا مفہوم:

دو الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ ایک قابلیت اور دوسرا قبولیت۔ ان کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قابلیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر استعداد ہو، صفات ہوں، کمالات ہوں۔ اچھے خاندان سے ہو، حسن و جمال میں بھی اعلیٰ ہو، فضل وکمال میں بھی اعلیٰ ہو، علم میں بھی اعلیٰ ہو، افہام وتفہیم میں بھی

اعلیٰ ہو، ہر کام میں سلیقہ مندی ہو، اپنے کاموں کو اچھی طرح سمیٹنا جانتا ہو اور اس کے اندر قائدانہ صلاحیتیں ہوں۔ یہ تمام چیزیں قابلیت کہلاتی ہیں۔ اور قبولیت یہ ہوتی ہے کہ یہ بندہ اللہ رب العزت کو پسند بھی آ جائے۔ اس سے پتہ چلا کہ قابلیت اور چیز ہے اور قبولیت اور چیز ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ قابلیت ہونے کے باوجود اس بندے کو قبولیت نہیں ملتی۔ یہ بڑے خطرے کی بات ہوتی ہے۔ اس کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

قابلیت کے باوجود قبولیت نہ ملنے کے واقعات

ابلیس کا راندۂ درگاہ ہونا:

عزازیل (شیطان) نے اللہ رب العزت کی اتنی عبادت کی کہ گویا اس نے زمین کے چپے چپے پہ سجدے کیے۔ حتیٰ کہ اس کو طاؤس الملائکہ کا لقب ملا۔ اتنا عبادت گزار ہونا قابلیت کی بات ہے۔ اس کے پاس علم بھی تھا۔ اسی لئے تو جب اللہ رب العزت نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہ کیا تو وہ آگے سے دلیل پیش کرنے لگا کہ

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (الاعراف :12)

[میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا (جو بلندی کی طرف مائل ہوتی ہے) اور اس (آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا (جس میں پستی ہے)]

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شیطان عابد بھی تھا عالم بھی تھا، بلکہ فرماتے ہیں کہ یہ عارف بھی تھا، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر فرمایا

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ o (الحجر: 34)

(پس تو میرے دربار سے دفع ہو جا، تو مردود ہے)

تو اس کو پتہ تھا کہ عین جلال کے عالم میں بھی اللہ رب العزت کا جمال اس سے جدا نہیں ہوتا، لہٰذا فوراً کہنے لگا،

رَبِّ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ O (الحجر: 36)

(اے پروردگار!، مجھے قیامت تک مہلت دے دیجئے)

اللہ تعالیٰ نے فرمادیا،

اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ O (الحجر: 37)

(تجھے قیامت تک کے لئے مہلت دے دی گئی)۔

تو یہ کمالات کی باتیں ہیں۔ وہ عالم بھی تھا، عابد بھی تھا، عارف بھی تھا، مگر اس کے اندر ایک صفت کی کمی رہ گئی کہ وہ عاشق نہیں تھا۔ اگر عاشق ہوتا تو کبھی حکم محبوب سن کر انکار نہ کرتا۔ جیسے حکم ہوا تھا یہ فوراً سجدے میں جا گرتا۔ لہٰذا ان تمام کمالات کے باوجود اسے پھٹکار دیا گیا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا،

اِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَۃَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

(قیامت تک کے لئے تجھ پر میری لعنتیں برستی رہیں گی)

گویا اس کے اندر قابلیت تو تھی مگر قبولیت نہ پا سکا۔

فرعون کا نشان عبرت بننا:

فرعون بے عون وقت کا بڑا ظالم اور جابر بادشاہ تھا۔ وہ اتنا باغی طاغی بنا ہوا تھا کہ جب اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے دربار میں جانے کا حکم فرمایا تو ارشاد فرمایا

اِذۡهَبۡ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰی (النازعات : 17)

(جائیے فرعون کی طرف بے شک وہ بڑا سرکش ہو رہا ہے)

اس کی حکومت اتنی پاورفل (طاقت ور) تھی کہ وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کر دیتا تھا اور اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ آپ ذرا غور کیجئے کہ آج کا بڑے سے بڑا حاکم کسی کے بچے کو ذبح کر ے تو دیکھے، دوسرے دن اس کی کرسی بدلی ہوئی ہوگی۔ اس نے ہزاروں بچوں کو ذبح کروایا اور اس کی حاکمیت پر اس کا کوئی اثر بھی نہ ہوا۔ مفسرین نے لکھا کہ اس نے تقریباً سو سال عمر پائی اور اس کی صحت اتنی اچھی تھی کہ کبھی اس کے سر میں درد بھی نہ ہوا۔ اس کی صحت بھی تھی، خزانے بھی تھے، اختیار بھی تھا اور اس کے پاس نظم ونسق کی صلاحیت بھی تھی۔ چنانچہ وہ ایک مرتبہ اپنی قوم سے کہنے لگا،

اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡكُ مِصۡرَ وَ هٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ (الزخرف : 51)

(کیا یہ ملک مصر میرا نہیں، اور کیا یہ نہریں میرے تحت نہیں بہہ رہیں)

اس کو اپنے نظام آبپاشی پر اتنا فخر تھا۔ لیکن ان تمام صلاحیتوں کے باوجود اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت نہ ہوئی۔ چنانچہ اسے ایمان قبول کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ڈوبتے ڈوبتے اور مرتے مرتے کہنے بھی لگا،

اٰمَنۡتُ بِرَبِّ مُوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ

(میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آیا)

مگر فرمایا، آٰلۡـٰٔنَ (اب ایمان لائے ہو)

(اب بہت دیر ہوگئی) It,s too late...!!!

اس کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن کو محفوظ فرما دیا تا کہ بعد

میں آنے والوں کے لئے عبرت کی نشانی بنی رہے۔

عمر ابن ہشام کی ایمان سے محرومی:

عمر ابن ہشام کا شمار مکہ کے انتہائی دانا لوگوں میں ہوتا تھا۔ اس کو اپنے آپ پہ اتنا ناز تھا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام بھی عمر تھا، مگر وہ کہتا تھا کہ مجھے عمر کہنا چاہیے اور آپ کو اسم تصغیر کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایمان لانے سے پہلے عُمیر کہا جاتا تھا۔ وہ انہیں عمر نہیں کہلوانے دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ عمر میں ہوں۔ وہ اتنا دانا تھا کہ جو معاملات لوگوں سے نہیں سمٹتے تھے انہیں وہ اکیلا سمیٹ دیتا تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس کا نام، اَبَا الْحِکَمْ (داناؤں کا باپ) رکھا۔ اور جب اس نے دین کو قبول نہ کیا تو نبی علیہ السلام نے اس کا نام ابو جہل رکھ دیا۔ یعنی تو جاہلوں کا باپ ہے۔ دیکھیں کہ قابلیت اتنی کہ وہ قریش کا سردار ہے اس کی پرسنیلٹی (شخصیت) کتنی خوبصورت ہے، اس کے پاس مال و دولت ہے، لوگ اس کے اشارے پر ناچنے کو تیار ہیں مگر اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت حاصل نہ ہوئی اور وہ اس دنیا سے ایمان کے بغیر رخصت ہو گیا۔

ولید کو اس کا تکبر لے ڈوبا:

ایک اور سردار کا نام ولید پلید تھا۔ اس کے بارہ بیٹے تھے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب وہ اس کے گرد بیٹھتے تھے تو اس کو بڑا فخر ہوتا تھا اور وہ کہتا تھا کہ اس وقت پوری دنیا میں میرے جیسا کوئی اور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا،

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا (المدثر:11)

(مجھے اور اسے چھوڑ دیجئے جو اپنے آپ کو وحید الزمان سمجھتا ہے)

وَ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ٥ وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا ٥ وَ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ٥ (المدثر: 14-13-12)

[اور اسے مال دیا بڑھنے والا اور بیٹے دیے حاضر رہنے والے اور اس کیلئے ہر طرح کا سامان تیار کر دیا]

اب دیکھیں کہ یہ ساری چیزیں اس کے پاس تھیں لیکن اللہ رب العزت کے ہاں اس کی قبولیت نہ ہوئی اور ایمان سے محروم رہ گیا۔ حالانکہ ایک دفعہ اس نے سرداران قریش کے پاس ایک محفل یہ کہا بھی کہ میں خود شاعر ہوں اور کلام و بیان کو سمجھنے والا ہوں مجھے یہ قرآن شاعری نہیں لگتی نہ کسی دیوانے بات لگتی ہے۔ لیکن جب لوگوں نے پوچھا کہ قرآن مجید کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس نے برادری اور لوگوں کو خوش کرنے کیلئے کہا، میں سوچ کر بتاتا ہوں۔ پھر تھوڑی دیر سوچنے کا سا انداز بنا کر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہو کر آیا ہے۔ تو اسی بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے کہ

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ٥ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ٥ (المدثر: 18.20)

[بے شک اس نے سوچا اور اندازہ لگایا، پھر اسے اللہ کی مار، کیسا اس نے اندازہ لگایا]

دیکھئے کہ کیا ہی شاہانہ انداز میں اللہ تعالیٰ اس کا حال بیان کر رہے ہیں ...... چنانچہ وہ ولید پلید بھی بالآخر اللہ رب العزت کے دربار سے دھتکار دیا گیا۔

ابوالفضل اور فیضی کی محرومی:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں دو بھائی تھے ایک کا نام تھا ابوالفضل اور دوسرے کا نام تھا فیضی۔ وہ دونوں اپنے وقت کے

بڑے بھاری عالم تھے۔ان کے علم کا یہ حال تھا کہ انہوں نے عربی زبان میں قرآن مجید کی ایک بے نقطہ تفسیر لکھی۔یعنی اس تفسیر میں با، تا، ثا، جیم، خا، ذال، زا، شین، غین، نون وغیرہ میں سے کوئی حرف بھی کہیں استعمال نہیں ہوا۔انہوں نے اس تفسیر کا نام ''سواطع الالہام'' رکھا۔اس نام میں بھی نقطہ نہیں ہے۔ مجھے ایک لائبریری میں وہ تفسیر دیکھنے کا موقع ملا، میں حیران تھا کہ انہوں نے ایسے الفاظ کہاں سے ڈھونڈے ہوں گے۔ پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھنا ہی کتنا بڑا کام ہے، اور پھر ایسے الفاظ سے لکھنا جن میں کوئی نقطہ ہی نہ ہو، بہت مشکل کام ہے۔ ظاہری طور پر دیکھئے کہ کتنی قابلیت ہے۔ بلا کے ذہین تھے، دونوں کے پاس فوٹو گرافک میموری تھی۔

ابوالفضل بڑا تھا۔اس کے سامنے اگر کوئی چیز دو مرتبہ پڑھ دی جاتی تھی تو اسے زبانی یاد ہو جاتی تھی۔اور فیضی چھوٹا تھا۔اس کے سامنے اگر کوئی چیز ایک مرتبہ پڑھ دی جاتی تھی تو اسے زبانی یاد ہو جاتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت کے شعراء کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ جب کوئی شاعر بادشاہ کی منقبت لکھ کر لاتا تو بادشاہ اسے دربار میں کہتا کہ اپنا کلام پیش کرو۔وہ کھڑے ہو کر پڑھتا تو فیضی کو وہ منقبت یاد ہو جاتی اور وہ اٹھ کر کہتا، بادشاہ سلامت! یہ تو میرا کلام ہے۔بادشاہ کہتا کہ اگر یہ تیرا کلام ہے تو پھر سناؤ۔وہ کھڑے ہو کر پوری منقبت سنا دیتا۔اب جب یہ سناتا تو دو دفعہ ہو جاتا۔اس کے بعد بڑا بھائی بھی کھڑے ہو کر کہتا، بادشاہ سلامت! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ میرے بھائی کا کلام ہے اور پھر وہ بھی سنا دیتا تھا۔اندازہ کریں کہ وہ اتنے ذہین تھے اور ان کے پاس اتنا علم تھا مگر اللہ رب العزت کے ہاں ان کی قبولیت نہ ہوئی اور فقط درباری ملا بن کر رہ گئے۔یہی دو بھائی تھے جنہوں نے وقت کے بادشاہ کو فتویٰ دیا تھا کہ اس کے لئے تعظیمی سجدہ

کرنا جائز ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت انہی دونوں نے کی اور ان کو جیل میں بھی انہی دونوں نے پہنچایا۔ یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ دونوں وقت کے مجدد کے دشمن بن گئے تھے۔

ایک عام سی مثال:

ایک عام سی مثال سمجھ لیں کہ ایک عورت اچھے خاندان سے ہو، بڑی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو، شکل کی بہت ہی خوبصورت ہو، سمجھدار اور سلیقہ مند ہو اور گھر کے ہر کام اور ہنر کو سمجھتی ہو تو یہ تمام چیزیں اس کی ''قابلیت'' کہلاتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے خاوند کو پسند بھی آ جائے تو اس کو ''قبولیت'' کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات خوبصورت عورتوں کو بھی طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ طلاق کوئی بندہ خوش ہو کر تو نہیں دیتا، ہمیشہ ناپسند کر کے بیوی کو اپنے سے جدا کیا جاتا ہے۔

ہمارے ایک دوست کہنے لگے کہ میری پانچ بہنیں ہیں۔ ان میں سے چار کی شکل وصورت اور تعلیم اوسط درجے کی تھی۔ ان میں سے ایک بہن ایسی تھی کہ ہم بھی اس کی ذہانت اور اس کے حسن و جمال پر حیران ہوتے تھے۔ جب کوئی عورت ہمارے گھر رشتہ دیکھنے آتی تو میری امی اس بہن کو الماری کے پیچھے چھپا دیتی تھی تاکہ کسی کی نظر نہ پڑ جائے ورنہ وہ اسی کا رشتہ مانگے گی۔ وہ کہنے لگے کہ حیرت کی بات ہے کہ پانچوں بہنوں کی شادیاں ہوئیں، ان میں سے باقی چاروں بہنوں کو اپنے خاوندوں کی محبتوں بھری زندگی نصیب ہوئی اور اس خوبصورت بہن کو طلاق ہوگئی اور وہ گھر واپس آ گئی۔ اس سے پتہ چلا کہ قابلیت الگ چیز ہے اور قبولیت الگ چیز ہے۔

قبولیت پانے والوں کی مثالیں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قبولیت:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو قبولیت کی فکر لگی ہوئی تھی۔انہوں نے اللہ کا گھر بنایا اور فوراً دعا مانگی۔قرآن مجید نے اس دعا کو بیان کیا،فرمایا،

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (البقرة:۱۲۷)

(اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اللہ کے گھر کی بنیادیں کھڑی کر رہے تھے،(اس وقت کہا) اے ہمارے پروردگار! اس کو ہم سے قبول فرما لیجئے)

جو قبول ہوتے ہیں ان کو یوں فکر لگی ہوتی ہے۔ابھی کام کی ابتدا کر رہے ہیں اور ابھی سے فکر ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں یہ قبول ہو جائے۔......سبحان اللہ...... چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کو قبول فرمایا،اور ساتھ ہی فرما دیا،

وَ اِذِابْتَلٰی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرة:124)

(اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا،وہ اس میں سو فیصد کامیاب ہو گئے،فرمایا،ابراہیم! میں تجھے انسانوں کا امام بناؤں گا)

یہ قبولیت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسانوں کا امام بنا دیا اور قرآن مجید میں اتنے پیارے انداز سے ان کا تذکرہ کیا کہ جب کبھی یہ آیتیں پڑھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ اِبۡرَاهِیۡمَ كَانَ اُمَّةً (النحل: 120)

(بے شک ابراہیم علیہ السلام ایک امت تھا)

بعض اوقات ایک فرد اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ فرد واحد تھے لیکن اللہ رب العزت کے ہاں ان کا مرتبہ اتنا تھا کہ ان کو ایک امت قرار دیا۔ آگے فرمایا،

قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِیۡفًا ؕ وَلَمۡ یَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ ؕ اِجۡتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۝ وَاٰتَیۡنٰهُ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝ ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ (النحل: 120-123)

(وہ سب سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور نہ تھے شرک کرنے والوں میں سے، اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پسند فرما لیا، اور ان کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرما دی اور ہم نے ان کو دنیا میں بھلائی عطا کی اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہیں۔ (اے محبوب!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ بھی ملت ابراہیم کی پیروی فرمائیے)

یہ قبولیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو بھی پیغام دے رہے ہیں۔ سبحان اللہ!!!۔

بی بی مریم علیہا سلام کی قبولیت:

حضرت عمران علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر گزرے ہیں۔ ان کی بیوی حاملہ تھیں۔ انہوں نے اپنی ہونے والی اولاد کے بارے میں اللہ رب العزت سے

دعا مانگی۔ دیکھیں قبولیت کہاں ہوتی ہے؟ جہاں شروع سے ہی فکر لگی ہوتی ہے۔ ادھر گھر کی بنیادیں رکھی جارہی تھیں اور قبولیت کی دعائیں مانگی جارہی تھیں۔ اور ادھر ابھی بچہ پیٹ میں ہے، ابھی ولادت نہیں ہوئی اور ماں اس وقت سے فکر مند ہے...... قرآن مجید نے وہ صورت حال بھی بیان کر دی۔ فرمایا،

وَ اِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّی (آل عمران :35)

[جب عمران علیہ السلام کی بیوی نے کہا، اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے اسے تیرے لیے خاص کر دیا، پس آپ اسے مجھ سے قبول فرمالیجئے]

دیکھیں کہ ہم تو اب بوڑھے ہونے کی عمر کو آگئے ہیں اور قبولیت کی باتیں سمجھ سکتے ہیں لیکن جن کو قبولیت ملتی ہے ان کے لئے ان کی ماں اس وقت سے قبولیت کی دعائیں مانگنا شروع کر دیتی ہے جب وہ ابھی اس کے پیٹ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا،

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (آل عمران :37)

[پھر اس کے رب نے اسے اچھی طرح سے قبول کیا اور اچھی طرح سے بڑھایا]

اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمالیا۔ جب قبول فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو کیا عزت دی...... سنیئے قرآن عظیم الشان...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰکِ وَطَهَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ○ (آلِ عمران :42)

(اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے لیے چن لیا اور تجھے پاکیزہ کر دیا اور تجھے دونوں جہانوں میں عورتوں پر ایک مقام عطا کر دیا)

بخاری شریف کی قبولیت:

صحاح ستہ احادیث کی ایسی کتابیں ہیں جن کے بارے میں امت کے محدثین کا اجماع ہے کہ ان کے اندر جو احادیث لکھی گئیں ان کا ایک بڑا مقام ہے۔ لہٰذا علماء درس نظامی کے آخری سال میں انہی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ ان میں سے ''موطا امام مالک'' بھی ایک کتاب ہے۔ اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے اعتبار سے ایسی پکی حدیثیں لکھی ہیں کہ اس کے رواۃ بڑے پکے ہیں۔ نبی علیہ السلام سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے غلام امام نافع رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی اور ان سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی۔ اس کو'' سلسلۃ الذہب'' کہتے ہیں۔ یہ تینوں ایسی پکی ہستیاں تھیں کہ یہ سونے کی کڑیوں کی مانند تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب کے اندر ایسی احادیث لکھیں اور وہ صحاح ستہ میں شامل ہوئی۔ لیکن ان تمام چھ کتابوں میں سے ایک کتاب جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کی اس کو اللہ رب العزت کی طرف سے ایسی قبولیت نصیب ہوگئی کہ آج قرآن مجید کے بعد احادیث کی کتب میں سے سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری شریف کو کہا جاتا ہے۔ اس کو ایسی قبولیت ملی کہ اگر آپ کسی جگہ پر کوئی حدیث بیان کریں تو دوسرا بندہ پوچھتا ہے کہ کیا یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ حالانکہ صحت حدیث کے درجے کو دیکھیں تو مسلم شریف کم درجے کی نہیں ہے۔ بلکہ اہل فن کے نزدیک مسلم شریف بخاری شریف کی نسبت زیادہ قوی ہے، مگر قبولیت بخاری شریف کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ''امیر المومنین فی الحدیث'' کہا جاتا ہے۔ وہ حدیث کی دنیا کے امیر المومنین بن گئے۔ حالانکہ اس دنیا میں لاکھوں محدثین گزرے ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ نے بخارا میں پیدا ہونے والے ایک نوجوان کو

ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ جب اس نے وفات پائی تو اس کی قبر کی مٹی سے بھی لوگوں کو خوشبو آتی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کی قبولیت:

اس وقت پوری دنیا میں ہزاروں درس گاہیں اور دارالعلوم ہوں گے۔ ایک مدرسہ ہمارے ایشیا میں بھی بنا جس کو ہم دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے اس کو ایسی قبولیت عطا فرمادی کہ اس دارالعلوم سے ایسا فیض پھیلا کہ پوری دنیا کے ایک ایک چپے پر اس کا علمی فیض پھیلا ہوا ہے۔

اس عاجز کو اللہ رب العزت نے اس دین کی دعوت کے سلسلے میں درجنوں ممالک میں جانے کی توفیق عطا فرمائی...... افریقہ بھی دیکھا امریکہ بھی دیکھا...... ایشیا بھی دیکھا یورپ بھی دیکھا...... وہ جنگلات بھی دیکھے جہاں آدم خور درخت ہوتے ہیں۔ ان درختوں کے ایسے پتے ہیں جو بندے کو اپنی لپیٹ میں لے کر ایسا جکڑ لیتے ہیں کہ بندے کا دم گھٹتا ہے اور وہ مر جاتا ہے...... ایسے ایسے درخت بھی دیکھے جن کے تنے کے سوراخ سے ڈبل ڈیکر بسیں گزر جاتی ہیں۔ اندازہ لگائیں کہ وہ کتنا بڑا تنا ہوگا۔ اس تنے کے اندر باقاعدہ سڑک بنی ہوئی ہے۔ اور اس میں سے بسیں گزرتی ہیں...... سائبیریا کا علاقہ بھی دیکھا۔ وہاں آپ سینکڑوں میل تک بھی چلے جائیں تو آپ کو برف کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ایک مرتبہ ہمیں برف پر نماز پڑھنی پڑی...... اللہ اکبر!!!...... وضو کے لئے پانی بھی نہیں تھا۔ چنانچہ ہم نے برف توڑ کر اندر سے پانی نکالا اور اس سے وضو کیا۔ وہ پانی جس عضو پر پڑتا تھا وہ خون جمنے کی وجہ سے سرخ نظر آتا تھا۔ برف اتنی ٹھنڈی تھی کہ ہم نے اس پر نماز پڑھی، دعا مانگی اور کھڑے رہے مگر جو چادر بچھائی تھی وہ چادر گیلی بھی نہ ہوئی۔ وہ اسی طرح خشک تھی جیسے بچھائی تھی۔ میرے ساتھی پوچھنے لگے، حضرت! چادر تو گیلی

بھی نہیں ہوئی ۔ میں نے کہا ، چادر تو اس وقت گیلی ہوتی جب برف پگھلتی ۔ ہمارے وہاں بیٹھنے اور نماز پڑھنے سے اتنا فرق بھی نہ پڑا کہ وہ برف تھوڑی سی پگھل جاتی اور چادر گیلی ہو جاتی ...... ایسی جگہ بھی دیکھی جہاں برف کے مکانات بنے ہوتے ہیں ۔ چھت بھی برف کی ، ستون بھی برف کے ، دیواریں بھی برف کی ، دروازے بھی برف کے ۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہاں پر ایک ہوٹل بنا ہوا ہے اور وہاں جس ٹرے میں کھانا لاتے ہیں وہ بھی برف کی بنی ہوئی ہوتی ہے ۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ وہاں پر ٹمپریچر اتنا ڈاؤن ہوتا ہے ...... ایسا علاقہ بھی دیکھا جس میں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے ...... وہ جگہ بھی دیکھی جہاں لوگوں نے لکھ کر لگایا ہوا ہے کہ یہ End of the world ہے ۔ یعنی یہ دنیا کا آخری کنارہ ہے ، سائنسدان اس بات پر متفق ہیں ۔ عین اس جگہ پر بھی اللہ رب العزت نے اس سفر میں پہنچنے کی توفیق دی ۔ یہ تمام باتیں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ یہ عاجز جہاں بھی اپنی زندگی میں دین کی نسبت سے گیا ، اس عاجز نے اپنے سے پہلے علمائے دیوبند کے کسی نہ کسی روحانی فرزند کو دین کا کام کرتے دیکھا ۔ یہ ہوتی ہے قبولیت ۔

یہ علم و ہنر کا گہوارا تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
عابد کے یقین سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل
کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

سبحان اللہ ، یہ اللہ رب العزت کے ہاں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ادارے کی کھلی قبولیت کی نشانیاں ہیں ۔

ذبح عظیم کی قبولیت:

ایک اصول یاد رکھیں کہ جب قبولیت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فیض کو آنے والے لوگوں میں جاری فرما دیا کرتے ہیں۔ اس بات کی دلیل قرآن مجید سے دی جا سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے نام پر قربان کیا۔ یہ قربانی کا عمل کوئی چھوٹا عمل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ (الصٰفٰت: 106)

(بے شک یہ بہت بڑی آزمائش تھی)

بھئی! امتحان دینے والے طلباء تو کہتے ہی ہیں کہ پیپر بڑا مشکل تھا۔ مزہ تو یہ ہے کہ امتحان لینے والا کہے کہ میں نے پیپر بڑا مشکل بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ یہ ایک بڑی آزمائش تھی۔

یہ قربانی اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ فرمایا،

وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ (الصٰفٰت: 108)

(اور ہم نے آنے والوں میں اس عمل کو جاری کر دیا)

نہ صرف یہی کام کیا بلکہ آگے فرمایا،

سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ۝ (الصٰفٰت: 109)

(اے ابراہیم! تجھ پر سلامتی ہو)

سبحان اللہ، امتحان لینے کے بعد خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے ابراہیم! تجھ پر سلامتی ہو۔ ہم اپنی زبان میں اس کا مفہوم یوں بیان کریں گے کہ اے ابراہیم! تجھے شاباش ہو، تو نے کیسی اچھی قربانی دی۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ

قبول کر لیتے ہیں تو پھر اس بندے کے فیض کو یا اس ادارے کے فیض کو آنے والے لوگوں کے اندر جاری وساری فرما دیتے ہیں۔ یہ قبولیت کی نشانی ہوتی ہے۔

سعی بین الصفا والمروہ کی قبولیت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی رفیقہء حیات ہاجرہ صابرہ کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ کر جانے لگے تو پوچھتی ہیں کہ آپ کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری مرتبہ پوچھا تو پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ پھر تیسری مرتبہ پوچھا کہ کیا آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ فرمایا' ہاں میں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگیں، اگر آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے بعد بیٹے کے لئے پانی کی خاطر صفا ومروہ پر دوڑیں۔ اللہ رب العزت کو ان کا دوڑنا اتنا پسند آیا کہ اس نے اس عمل کو آنے والے لوگوں میں جاری کر دیا۔ جب تک حاجی سعی کا یہ عمل نہ کرے اس وقت تک اس کا حج مکمل نہیں ہوتا۔

ایک چیونٹی کی قبولیت:

ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ہمراہ جا رہے تھے راستے میں چیونٹیاں پھر رہی تھیں۔ ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا،

يَآ يُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ج (النمل: 18)

(اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو)

اللہ تعالیٰ کو چیونٹی کی خیر خواہی اتنی پسند آئی کہ نہ صرف اس کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا بلکہ ایک سورت کا نام النمل رکھ کر چیونٹی کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

عزت بخشی۔ اس کے ذکر کو قیامت تک بلکہ قیامت کے بعد تک دوام مل گیا کیونکہ جنت میں بھی قرآن مجید پڑھا جائے گا۔

بھوک برداشت کرنے پر قبولیت:

ایک مرتبہ حسنین کریمینؓ بیمار ہو گئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے منت مانی کہ دونوں بیٹوں کو صحت حاصل ہو گئی تو ہم تین روزے رکھیں گے۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے دونوں شہزادے صحت یاب ہو گئے۔ پہلے دن روزہ رکھا تو افطاری کے لئے حضرت فاطمہؓ نے کھانا تیار کیا۔ افطاری سے پہلے ایک مسکین نے دروازے پر دستک دی۔ انہوں نے اس مسکین کو اپنے اوپر ترجیح دی اور کھانا اٹھا کر اسے دے دیا اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیا۔ رات بھی ایسے ہی گزر گئی۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیا۔ شام ہوئی تو گزشتہ دن کی طرح کھانا پکا کر سامنے رکھا ہی تھا کہ ایک یتیم آ گیا۔ انہوں نے سارا کھانا اٹھا کر اس کو دے دیا اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیا۔ تیسرے دن بھی روزہ رکھا اور افطاری کے وقت ایک قیدی دروازے پر آ گیا۔ انہوں نے تیسرے دن بھی کھانا اٹھا کر قیدی کو دے دیا اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کو یہ عمل اتنا پسند آیا کہ ان کی شان میں اپنے محبوب ﷺ کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا،

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا○ (الدھر:9-8)

[اور وہ اس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) بے شک ہم اللہ کی رضا کیلئے کھلاتے ہیں ہمیں اس سے کوئی بدلہ اور شکر گزاری مقصود نہیں]

سبحان اللہ، انہوں نے اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین دن کے لئے بھوک برداشت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ قرآن مجید میں فرما دیا۔ اس طرح قیامت کے بعد تک ان کے تذکرے کو دوام مل گیا۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کی قبولیت:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو حرم شریف میں حاضری کا بہت شوق تھا۔ ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں ان کا جسم تو یہاں ہوتا مگر دل وہاں ہوتا۔ ان دنوں میں وہ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے ''معلوم نہیں کہ عشاق کیا کر رہے ہوں گے''۔ وہ حجاج کرام کو عشاق کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ وہ قربانی کے لئے گائے یا بکری خود گھر میں پالتے تھے۔ وہ خود اسے پانی پلاتے اور چارہ ڈالتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شوق کو ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ جب وہ مدینہ منورہ گئے تو اٹھارہ سال تک مواجہہ شریف کے سامنے بیٹھ کر حدیث پاک پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔ وہاں ان کے پاس عرب وعجم کے مشائخ سبق لینے کے لئے آتے تھے...... سبحان اللہ...... کیسا دوام ملا!!!

شاطبیہ رسالہ کی قبولیت:

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے شاطبیہ رسالہ لکھا تو اس کو ہاتھ میں لے کر بارہ ہزار طواف کیے۔ یعنی 84 ہزار مرتبہ بیت اللہ شریف کا چکر لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسالے کو ایسا دوام بخشا کہ اب کوئی شخص بھی شاطبیہ رسالہ پڑھے بغیر قاری نہیں بن سکتا۔ یاد رکھیں کہ قبولیت کا تعلق اس محبت کے ساتھ ہوتا ہے جو بندے کو اللہ رب العزت سے ہوتی ہے۔ وہاں تھوڑی سی بھی میل نہیں چلتی۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے ناکارہ عملوں کو بھی قبول فرمالے تو یہ اس مالک کی شان ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی قبولیت:

خواجہ غلام حسن سواک رحمۃ اللہ علیہ خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ وہ بڑے صاحب تصرف بزرگ تھے۔ وہ جس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھتے تھے وہ مسلمان ہو جاتا تھا۔ ہندوؤں نے انگریز کی عدالت میں مقدمہ درج کروا دیا کہ یہ ہمیں زبردستی مسلمان کرتے ہیں۔ انگریز جج نے ان کو عدالت میں طلب کر لیا۔ جج نے پوچھا، جی آپ ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کیوں کرتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ نہیں میں نے تو ان کو مسلمان نہیں کیا یہ تو خود مسلمان ہوئے ہیں۔ جج نے اصرار کیا کہ نہیں تو نے مسلمان کیا ہے۔ آخر حضرت نے ہندو تھانیدار کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا، کیا اس کو بھی میں نے مسلمان کیا ہے۔ وہ تھانیدار فوراً کلمہ پڑھنے لگا۔ اب دوسرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ بھی کلمہ پڑھنے لگا۔ اس طرح وہاں کھڑے ہوئے پانچ ہندوؤں نے کلمہ پڑھ لیا۔ اب انگریز جج کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں میری طرف اشارہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے مقدمہ خارج کر دیا۔

وہ صاحب تصرف بزرگ تو ضرور تھے مگر ان کو وہ قبولیت نہ مل سکی جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو ملی۔ ان کی وجہ سے سات لاکھ افراد مسلمان ہوئے اور نوے لاکھ افراد ان کے مرید بنے۔ آج انہیں ''سلطان الہند'' کہا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز ہندوستان آیا۔ جب وہ واپس گیا تو اس سے کسی نے پوچھا کہ تو نے ہندوستان میں کیا عجیب چیز دیکھی۔ اس نے کہا کہ ایک آدمی قبر میں لیٹے ہوئے بھی لوگوں پر حکومت کر رہا ہے۔

رابعہ بصریہؒ کی قبولیت:

کیا رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے علاوہ کوئی نیک عورت نہیں گزری۔ بہت سی

عارفہ، عابدہ اور عفیفہ عورتیں گزری ہیں مگر رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کو بہت قبولیت ملی۔ انہیں اللہ رب العزت سے بہت محبت تھی۔ وفات کے بعد کسی کو خواب میں ملیں۔ پوچھا، اماں! آگے کیا بنا؟ کہنے لگیں، میرے پاس منکر نکیر آئے اور کہنے لگے، من ربک تیرا رب کون ہے؟ میں نے ان کو جواب دیا کہ اللہ رب العزت سے جا کر کہو، اے اللہ! تیری اٹھارہ ہزار قسم کی مخلوق ہے اور تو مجھ بڑھیا کو نہیں بھولا اور میرا تو تیرے سوا کوئی ہے ہی نہیں، بھلا میں تجھے کیسے بھول جاؤں گی۔ سبحان اللہ۔

فقہ حنفی کی قبولیت:

اس امت میں سولہ فقہیں رائج ہوئیں اور ان کی خوب تقلید ہوتی رہی۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کے پیروکار کم ہوتے گئے۔ بالآخر چار فقہیں رہ گئیں اور وہی مشہور ہوئیں۔ گویا رحمت کی بارش ہوئی اور پانی کئی نالیوں میں بہنے لگا۔ بعد میں سمٹتے سمٹتے چار نہروں کی شکل میں بہنے لگا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر فقہ پر عمل کرنا ہی ہے تو پھر چار کیوں ہیں۔ اس کے جواب کے لئے ایک مثال پر غور کریں کہ ایک آدمی کے دس بچے ہوں اور ایک ایک کر کے مرتے رہیں اور باقی چار بچ جائیں۔ پھر بعد میں وہ آدمی خود بھی مر جائے تو جائیداد چار میں ہی تقسیم کیوں ہوگی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے بیٹے تو دس تھے اور جائیداد صرف چار میں کیوں تقسیم ہوگی، تو یہی جواب آئے گا کہ ''جی اللہ کی مرضی''......اسی طرح ''فقہیں چار ہی کیوں'' کا جواب بھی یہ ہے کہ جی اللہ کی مرضی۔

اللہ نے ان چار فقہوں میں سے فقہ حنفی کو زیادہ قبولیت عطا فرمائی۔ یہ ایسی فقہ ہے جس کو مسلمان ممالک کے اندر قانون کی حیثیت سے لاگو ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ جب خلافت عثمانیہ کا دور تھا تو ملک کا قانون فقہ حنفی کے مطابق

اسلامی شریعت تھا اور جب برصغیر پاک و ہند میں مغل بادشاہوں کا دور آیا، اس وقت برصغیر میں بھی حکومت کی طرف سے فقہ حنفیہ نافذ تھی۔ یہ اعزاز صرف فقہ حنفی کو حاصل ہے۔ الحمد للہ، آج آپ دیکھیئے کہ پاکستان، ہندوستان، افغانستان، بنگلہ دیش، ترکی، ازبکستان، ترکمانستان، آذر بائی جان، تاتارستان، رشیا، یوکرائن، عراق، شام اور ترکی میں فقہ حنفیہ پر عمل کرنے والوں کی اکثریت ہے۔ غور کیجئے کہ یہ آدھی دنیا سے زیادہ علاقہ بنتا ہے۔ یہ ہوتی ہے قبولیت۔

ایک دلہن کو قبولیت کی فکر:

ایک دلہن کو اس کے قریب کی عورتیں بنا سنوار رہی تھیں۔ اس کی ایک سہیلی نے اسے کہا، تجھے تو زیور بہت اچھے لگ رہے اور یہ سوٹ بھی بڑا سج رہا ہے اور تو بہت ہی خوبصورت لگ رہی ہے۔ جب اس نے اس طرح دلہن کی تعریف کی تو اس کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے۔ وہ تعریف کرنے والی لڑکی گھبرا کر پوچھنے لگی، کیا مجھ سے کوئی خطا ہو گئی ہے، آپ کیوں رو رہی ہیں؟ وہ جواب میں کہنے لگی۔ آپ تو میرے حسن و جمال کی اتنی تعریفیں کر رہی ہیں، مگر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آپ نے تو اتنی تعریفیں کر ڈالیں، لیکن جس خاوند کے لئے آپ مجھے تیار کر رہی ہیں، اگر میں اس کے پاس گئی اور اسے پسند نہ آئی تو آپ کی تعریفیں میرے کس کام آئیں گی...... بالکل اسی طرح اگر لوگ ہمیں مفتی صاحب کہیں، خطیب صاحب کہیں، پیر صاحب کہیں یا صوفی صاحب کہیں تو کیا حاصل، دیکھنا تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سفر سے واپس آئے تو کسی نے پوچھا، حضرت! کیسے رہے؟ آپ شاعر تھے۔ چنانچہ شعر میں جواب دیا، فرمایا،

ے یہاں ایسے رہے کہ ویسے رہے
دیکھنا ہے کہ وہاں کیسے رہے

یعنی اصل بات تو یہ دیکھنے کی ہے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے ہمارا حشر کیسے ہوگا۔ کیا ان کی نظر میں ہم قبولیت پائیں گے یا نہیں۔ اگر دنیا نے تعریفیں کر دیں اور اس پر ہم خوش ہو گئے تو پھر تو ہمیں اس کا کچھ بدلہ نہ ملا۔ اسی طرح کتنے ہی لوگ ہوں گے جو دنیا کے اندر مدرسے بنائیں گے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! میں نے دین کی بڑی خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، ہاں تم نے سب کچھ اس لئے کیا کہ تجھے بڑا عالم کہا جائے...... **فقد قیل** تجھے کہا جا چکا، اب ہمارے پاس تمہارے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔

قبولیت کے لئے فکر مند رہا کریں:

قبولیت کے لئے فکر مند ہو کر دعائیں مانگنی پڑتی ہیں کیونکہ بعض اوقات بندے کے اندر کمالات تو ہوتے ہیں مگر قبولیت حاصل نہیں ہوتی ...... اس کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے ...... آپ بازار سے پھل خریدنے کے لئے جاتے ہیں۔ آپ دکاندار سے کہتے ہیں کہ مجھے سیب دے دو۔ وہ آپ کو سیب دے دیتا ہے۔ اس کے پاس اور بھی پھل ہوتے ہیں لہٰذا وہ سیب تولنے کے بعد آپ سے کہتا ہے، جی یہ کیلے بھی لے لیجئے۔ اب کیلے خوبصورت بھی ہیں، خوشبودار بھی ہیں، بڑے اچھے سائز کے بھی ہیں اور موٹے بھی ہیں، مگر ان خوبیوں کے باوجود آپ ان کیلوں پر نظر ڈال کر کہتے ہیں کہ جی مجھے نہیں چاہئیں۔ اسی طرح آپ قندھاری انار بھی نہیں خریدتے۔ اگرچہ پھلوں کے اندر صفات اور کمالات بھی

ہوتے ہیں مگر آپ ان کو نہیں چاہتے تو وہ دکاندار آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔ گویا کمالات کے باوجود وہ پھل آپ کی نظر میں قبولیت نہیں پا سکتے۔ اسی طرح اگر ایک آدمی کے پاس کچھ موجود ہو لیکن اللہ رب العزت کی رحمت کی نظر ہی اس کی طرف نہ اٹھے تو پھر کیا بنے گا۔ اس لئے دنیا کا کوئی بندہ بھی اپنی خوبیوں پر ناز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناز نہیں چلتا بلکہ اس کی بارگاہ میں نیاز چلتی ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے جھک جائے اور اللہ تعالیٰ سے مانگے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں۔ اور جس کے اندر انا آجائے، نمود آجائے اور نمائش آجائے، پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت نہیں ملا کرتی۔ اس لئے ہمارے اکابر بہت زیادہ فکر مند رہتے تھے۔

آج ہم استغفار کرتے ہیں۔ ہمارا استغفار گناہوں پر ہوتا ہے کہ اے اللہ ہم نے جو خطائیں کیں آپ ان پر ہمیں سزا نہ دیجئے۔ لیکن اللہ والوں کا استغفار یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ ہم نے جو اچھے اعمال کئے وہ اعمال ابھی بھی آپ کی شان کے مطابق نہیں ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انسان کتنا ہی خشوع وخضوع سے عبادت کیوں نہ کر لے...... کتنا ہی بنا سنوار کے نماز کیوں نہ پڑھ لے...... ہماری ساری کی ساری نمازیں اللہ تعالیٰ کی شان کے پردوں سے نیچے رہ جاتی ہیں...... اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بھی بلند ہے، اس سے بھی بلند ہے، اس سے بھی بلند ہے۔ یعنی ہم کبھی ایسی نماز نہیں پڑھ سکتے جس کے بارے میں یہ کہہ سکیں کہ یہ بالکل للہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہے۔ اس لئے ہمارے بڑوں نے چالیس چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نمازیں پڑھیں اور پھر حرم شریف میں حاضری کے وقت مقام ابراھیم پر دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا مانگی کہ اے اللہ

مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَمَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ

جب ہمارے بڑے یہ کہہ رہے ہیں تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں کہ ہم اپنی عبادات پر فریفتہ ہوتے پھریں کہ میں اتنا ورد کرتا ہوں، اتنا کلمہ پڑھتا ہوں اور اتنا مراقبہ کرتا ہوں۔ سچی بات یہی ہے کہ ہم جتنی مرضی عبادات کرتے پھریں ہماری عبادتیں اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہوسکتیں۔

ہماری مثال تو ایسے بچے کی مانند ہے جسے باپ پہلے دن سکول بھیجتا ہے۔ وہ بچہ اسکول سے واپس آ کر باپ سے کہتا ہے جی ٹیچر نے مجھے لکھنا سکھایا ہے۔ والد پوچھتا ہے بیٹا مجھے دکھاؤ کیا لکھا ہے؟ وہ ایک کاپی آگے کر دیتا ہے جس پر اس نے ٹیڑھی سی لکیریں لگائی ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اسکول میں اس کا پہلا دن تھا اور اس کو تو لکھنا ہی نہیں آتا تھا لیکن چونکہ اس کا والد اس پر مہربان ہے اس لئے وہ اس کی حوصلہ افزائی کے لئے اس کی ٹیڑھی سی لکیروں پر بھی انعام دے دیتا ہے۔ یہ اس کی خوشخطی کا انعام نہیں ہوتا بلکہ یہ انعام اس کے والد کی اس پر شفقت کی بنا پر ہوتا ہے۔ یونہی سمجھ لیجئے کہ ہم جتنی نمازیں پڑھتے ہیں یا جتنی عبادتیں کرتے ہیں اگر ان پر ہمیں اجر ملے گا تو یہ اس لئے نہیں کہ ساری عبادتیں بڑی شان والی تھیں۔ نہیں ہم ایسی عبادتیں کر ہی نہیں سکتے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہوں۔ البتہ چونکہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر رؤوف اور رحیم ہیں اس لئے انہیں ٹوٹی پھوٹی عبادتوں پر اپنی کمال شفقت اور مہربانی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اجر عطا فرما دیتے ہیں۔ اس لئے کوئی بندہ دل میں یہ مت سوچے کہ میں نے بڑی عبادت کر لی۔ اللہ رب العزت کے حضور اس لئے نیکی کا ہر کام کرنے کے بعد یہ دعا ضرور مانگنی چاہیے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

[اے ہمارے پروردگار اسے ہماری طرف سے (نماز) قبول فرما لے، بے شک تو سننے والا ہے جاننے والا ہے۔

مغفرت طلب کرنے کی تعلیم:

یہ بات اچھی سمجھ لیں کہ ہمیں اکثر عبادات کے بعد مغفرت طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے مثال کے طور پر......

☆......وضو ایک عبادت ہے۔ حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ وضو کے پانی کے جو قطرے گرتے ہیں ان کے ساتھ آدمی کے گناہ بھی جھڑ رہے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے

اَلْوُضُوْءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ (وضو مومن کا اسلحہ ہے)

یہ ایک ایسا اسلحہ ہے جس سے وہ شیطان کا مقابلہ کرتا ہے۔ چونکہ یہ ایک عبادت ہے اس لیے وضو کے دوران دنیا کی باتیں کرنے سے منع کر دیا ہے کہ تم دعائیں پڑھتے ہوئے توجہ الی اللہ کے ساتھ وضو کرو۔ دیکھئے کہ وضو ایک عبادت ہے اور اس عبادت کو کر کے اٹھنے کے بعد کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے،

سُبْحٰنَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ

[اے اللہ! تو پاک ہے اور تیری ہی حمد و ثنا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں]

غور کیجئے کہ وضو ایک عبادت ہے اس کے باوجود اس کو کرنے کے بعد استغفار کرنے اور توبہ کرنے کی تعلیم دی گئی۔

☆......نماز مکمل ہونے کے بعد سلام پھیرتے ہی ایک مرتبہ اللہ اکبر اور تین مرتبہ

استغفر اللہ پڑھنا مسنون ہے۔اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نماز میں اگر کوئی کمی کوتاہی ہو چکی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتے ہیں۔

☆......تہجد کے وقت اٹھ کر عبادت کرنا کتنی فضیلت کی بات ہے۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس وقت منادی یہ اعلان کرتا ہے کہ

هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَ لَهُ (ہے کوئی سوال کرنے والا کہ اس کو عطا کیا جائے)

یہ وقت اللہ کے مقبول بندوں کے اٹھنے اور دعائیں کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ جو اس وقت میں عبادت کرتا ہے وہ بہت بڑا کام کرتا ہے۔لیکن اس عبادت کے بعد بھی بندے کو استغفار کی تعلیم دی گئی۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ o وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ o(الذریت:17-18)

[وہ ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور سحری کے وقت (اللہ کے حضور) استغفار کیا کرتے تھے۔]

☆......انسان زندگی میں عموماً ایک بار حج کرتا ہے۔کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جن کو بار بار حج کرنے کی توفیق ملتی ہے۔حج کا اتنا بڑا اجر ہے کہ فرمایا کہ جس بندے کو حج مبرور نصیب ہو جائے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹتا ہے کہ جیسے اس دن پاک تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔اس حج میں وقوف عرفہ رکن اعظم ہے۔میدان عرفات کی حاضری کے وقت اللہ رب العزت کی اتنی رحمتیں برستی ہیں کہ شیطان ذلیل و خوار ہوتا ہے۔نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے شیطان کو یا تو بدر کے دن ذلیل وخوار ہوتے دیکھا تھا یا پھر میں نے اسے وقوف عرفہ کے دن ذلیل و خوار ہوتے دیکھا۔یہ اپنے سر میں مٹی ڈال کر کہتا ہے کہ میری سالوں کی محنت ضائع ہوگئی ہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ اتنے

لوگوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ حتی کہ ایک جگہ فرمایا گیا کہ جو بندہ وقوف عرفہ کرے اور پھر دل میں سوچے کہ میری دعائیں قبول نہیں ہوئیں تو اللہ رب العزت کو اس بندے پر بہت زیادہ غصہ آتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی سخی کے دروازے سے ہو کر واپس لوٹے اور کہے کہ مجھے وہاں سے کچھ نہیں ملا۔ اگر وہ سخی یہ سن لے تو اسے کتنا غصہ آئے گا کہ تم میرے دروازے پر آ کے کہہ رہے ہو کہ مجھے یہاں آ کر کچھ نہیں ملا۔ اسی طرح اللہ تعالی کو بھی جلال آتا ہے کہ تم میرے در پر آئے ہو اور پھر کہتے ہو کہ کچھ نہیں ملا، نہیں میں بہت زیادہ عطا کرنے والا ہوں۔ چنانچہ انسان وہاں سے مغفرت لے کر واپس آتا ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا الحج العرفة (حج وقوف عرفات کا دوسرا نام ہے)۔ چونکہ وقوف عرفہ کرنے سے حج کا رکن اعظم ادا ہو جاتا ہے اس لیے جب انسان وہاں سے لوٹتا ہے تو گویا وہ بڑی خیر کثیر حاصل کر چکا ہوتا ہے۔

میرے دوستو! اگر ہم پر منحصر ہوتا کہ ہم حج پر جا کر دعائیں مانگیں تو ہمیں اپنے عیبوں کا بخوبی علم ہے۔ ہماری زبانیں جھوٹی، نگاہیں میلی، ہمارے بدن کا گوشت مشکوک غذا سے بنا ہوا اور لباس مشکوک مال سے بنا ہوا۔ پتہ نہیں ہماری دعائیں قبول ہوتیں یا نہ ہوتیں، لیکن اللہ رب العزت کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی دعا کر دی جس نے ہر حاجی کی دعا پر قبولیت کی مہر لگا دی۔

چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حج کے موقع پر یہ دعا کی

"اے اللہ تو حاجی کی بھی مغفرت فرما اور جس کی مغفرت کی حاجی دعا کرے اس کی بھی مغفرت فرما"

تو دیکھئے کہ اگر آج بھی کوئی بندہ حج کرنے جاتا ہے تو اس کی دعاؤں پر نبی علیہ السلام کی دعا کا سایہ ہے۔ ہم جیسے کیسے سہی مگر وہاں پہنچ گئے تو محبوب ﷺ کی

دعا نے سایہ دے دیا۔لہٰذا انسان اس جگہ سے دل میں پکا یقین کر کے نکلے کہ اللہ رب العزت نے پچھلے گناہوں کی مغفرت کر دی ہے اور اب میں نے ایک نئی زندگی شروع کرنی ہے۔

غور کیجئے کہ وقوف عرفات کر کے آنے والا جو گناہوں کو بخشوا چکا ہوتا ہے، مزدلفہ میں آتا ہے تو وہاں پھر دعائیں مانگتا ہے۔اب اس کو ان دعاؤں کے بعد اللہ رب العزت پھر بھی استغفار کا حکم فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ (البقرة:۱۹۹)

[پھر جہاں سے لوگ واپس ہوتے ہیں تم بھی وہیں سے واپس ہو اور اللہ سے مغفرت مانگو]

یا میرے اللہ! حج کر رہے ہیں ......ایسا قبولیت والا عمل ......مگر آپ کا حکم ہے کہ اس کے بعد بھی ہم استغفار کریں......اللہ اکبر کبیرا۔

☆......اس سے بھی ایک بڑی مثال سن لیجئے۔نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی ...... تقویٰ بھری زندگی ......خشیت الٰہی بھری زندگی ......اور اللہ تعالیٰ کی محبت والی معصوم زندگی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی زندگی گزاری کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، اے میرے صحابہ! کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔تو ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ نے گواہی دی کہ ادیت الامانت (اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے امانت کا حق ادا کر دیا)۔اس وقت نبی علیہ السلام نے فرمایا، اے اللہ! اس پر گواہ رہنا۔

دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو کہے کہ میں نے اپنی زندگی گزارنے کا حق ادا کر دیا۔ایک ہستی ایسی ہے جس کی تصدیق ایک لاکھ سے زائد لوگ کر رہے ہیں

کہ اے محبوب ﷺ آپ نے واقعی اللہ تعالی کا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا جب محبوب ﷺ یہ حج کر کے واپس لوٹتے ہیں تو اللہ رب العزت کی طرف سے ان کو بھی پیغام آ جاتا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ o وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا o فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ (النصر: ۳،۱)

دیکھئے تو سہی کہ ایسی پاکیزہ زندگی کے باوجود اللہ تعالی اپنے محبوب ﷺ کو براہ راست فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب! آپ استغفار فرمائیے

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اللہ کے محبوب ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو یہ دعا کرتے تھے،

سُبْحٰنَکَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ

جب اللہ تعالی کے محبوب ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ آپ عمل کر کے استغفار فرماتے تھے تو ہمیں تو بڑھ چڑھ کر اللہ رب العزت سے معافی مانگنی چاہیے۔ جس طرح ہم گلے سڑے پھلوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتے ممکن ہے کہ ہماری یہ بے حضوری کی نمازیں اور غفلت بھرے اعمال کو اللہ تعالیٰ بھی دیکھنا پسند نہ فرمائیں۔ پھر ہمارا کیا بنے گا؟ اس لیے آج اس بات کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ہر حال میں قبولیت کی دعائیں مانگنی ہیں۔

قبولیت اعمال کیلئے تقوٰی ضروری ہے:

کوئی بندہ اپنے کی عمل پر ناز نہیں کر سکتا کیونکہ

''ہر چہ گیرد علتی علت شود''

ہم جو اعمال کرتے پھرتے ہیں وہ بھی ہماری طرح ناقص ہیں کیونکہ ناقص

جو عمل کرتا ہے وہ ناقص ہوا کرتا ہے۔ اگر ہم ان ناقص عملوں پر فریفتہ ہوئے پھریں اور اپنے آپ کو کچھ سمجھتے پھریں کہ جی میں مدرسے میں حدیث پاک کا سبق پڑھا رہا ہوں، میں تو خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں اللہ اللہ سکھا رہا ہوں میں تو اللہ تعالی کے راستے دعوت کا کام کر رہا ہوں اور میں اقامت دین کے لیے بڑی کوششیں کر رہا ہوں۔ ان اعمال پر فریفتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں ہم کر تو رہے ہیں مگر یہ اللہ رب لعزت کی شان کے مطابق نہیں کر پا رہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم یہ سب کچھ کر کے بھی اللہ رب العزت کے سامنے قبولیت کے لئے معافی مانگیں اور دعائیں مانگیں کیونکہ جب نیک اعمال کریں گے اور پھر ڈریں گے تب اللہ رب العزت بندے کو قبولیت عطا فرمائیں گے۔ اس لئے فرمایا:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (المآئدہ: 270)

(اللہ تعالی متقیوں کے عمل قبول کرتا ہے)

متقی کون ہوتا ہے؟...... ڈرنے والے کو متقی کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں کہہ دیا گیا کہ اللہ تعالی ڈرنے ولواں کے ہی عملوں کو قبول فرماتا ہے۔ یہ صفت ہمارے اکابر میں بدرجۂ اتم موجود تھی

سیدنا صدیق اکبرؓ کے دل میں اللہ کا ڈر:

سیدنا صدیق اکبرؓ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سرخیل امام ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ نسبت ان کو عطا فرمائی اور ان سے پھر یہ نسبت آگے چلی۔ نبی علیہ اسلام نے ارشاد فرمایا:

مَا صَبَّ اللّٰهُ فِيْ صَدْرِيْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُهٗ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍ

[اللہ رب العزت نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا ہے میں نے اسے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا ہے]

سبحان اللہ کیا ہی نور ملا ہوگا......!!!......کیا ہی نعمت ملی ہوگی۔

☆......ایک حدیث پاک میں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مَیِّتٍ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اِبْنِ اَبِیْ قَحَافَةَ

[جو شخص چاہے کہ وہ زمین کے اوپر کسی لاش کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ وہ ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکر کو دیکھ لے]

سبحان اللہ ان کی فنائیت کے کمال پر اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی گواہی موجود ہے۔

☆......ایک حدیث پاک سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب میں لائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَوِاتَّزَنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ اُمَّتِیْ لَوَجَهَ

[اگر میری پوری امت کے ایمان کو ابوبکر کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر کا ایمان سب سے زیادہ ہو جائے]

☆......نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا، مگر ابوبکر! تیرے احسان کا بدلہ قیامت کے دن اللہ رب العزت عطا فرمائیں گے۔ غور کیجئے کہ احسان کا بدلہ دینا مکارم اخلاق میں سے ہے اور جو یہ تعلیم دینے کے لئے دنیا میں تشریف لائے کہ احسان کا بدلہ دینا چاہیے، انہوں نے خود لوگوں کے احسانات کے بدلے چکانے کا کیسے حق ادا کر دیا ہوگا۔ ابوبکر! تیری عظمت پہ قربان جائیں تو نے کیسی پیاری زندگی گزاری، تو نے محبوب ﷺ

پر ایسے ایسے احسانات کیے کہ آقا نے خود ارشاد فرمایا کہ میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا ابوبکر! تیرے احسانات کا بدلہ تجھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

☆...... اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، کوئی بندہ کسی دروازے سے داخل ہوگا کوئی کسی دروازے سے داخل ہوگا، لیکن ایک ایسا شخص ہوگا کہ جس کو جنت کے آٹھوں دروازوں سے پکارا جائے گا اور وہ شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

ایسی مبارک زندگی گزارنے والی ہستی کے بارے میں آیا ہے کہ جب وہ بیٹھتے تھے تو اللہ رب العزت کے عظمت اور بے نیازی کو سوچتے تھے تو پھر ڈر کر کہا کرتے تھے،

اے کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا،

اے کاش! میں کسی مؤمن کے بدن کا بال ہوتا،

اے کاش! میں کوئی پرندہ ہوتا،

اے کاش! میں کوئی گھاس کا تنکا ہوتا،

وہ یہ الفاظ کس لیے کہتے تھے؟...... اس لئے کہ وہ اللہ رب العزت کی عظمت شان کو سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ ہم جو مرضی کر لیں، اللہ رب العزت بے نیاز ہے، وہ بغیر وجہ کے بھی ٹھکرا دے تو اس کو اس بات کا اختیار حاصل ہے۔ اس لیے اتنی عظمت رکھنے والے بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اللہ کا ڈر:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ بَعْدِىْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرًا (اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو وہ عمر ہوتا)

یعنی ان کے اندر ایسی صفات تھیں کہ اگر نبی علیہ السلام کے بعد کسی نے نبی بننا ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وقت کے نبی ہوتے۔ یہاں پر کئی دفعہ ایک طالبعلمانہ اشکال پیش ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کیوں نہ کہا کہ میرے بعد نبی ابوبکر ہوتے۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہی سوال پوچھا تو حضرت نے بڑا پیارا جواب دیا۔ ارشاد فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام اور تھا۔ ان کو نبی علیہ السلام کے ساتھ معیت کبریٰ حاصل تھی۔ اس کیلئے معنا کا لفظ آتا ہے۔ جب ان کو نبی علیہ السلام کے ساتھ معیت حاصل تھی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا لَوْ کَانَ بَعْدِی ......تو بعد میں کون آتا تھا؟ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ تھا۔ اس لیے فرمایا...... لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرًا ......تو عمر کو نبوت کا مقام حاصل ہو جاتا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان تو بلند تھی ان کو تو...... اِذْھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ...... والی آیت کے مصداق معیت کبریٰ حاصل تھی۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ان کی معیت پر عجیب مضمون لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر اسلام میں معیت دی، غار میں معیت دی اور مزار میں معیت دی۔ جنت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کو دو منزلہ مکان دیں گے۔ اوپر والی منزل پر اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام فرمائیں گے اور نیچے کی منزل پر ابوبکر ہوں گے۔ اسی وجہ سے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے مکتوب میں ہم خانہء رسول کہا ہے ......سبحان اللہ...... یہ معیت صرف دنیا تک محدود نہیں رہی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں بھی ہم خانہء رسول بنا کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت عطا فرما دیں گے۔

☆ ......ایک دفعہ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ نبی

علیہ السلام نے پوچھا، حمیرا! آپ کیا دیکھ رہی ہیں، عرض کیا اے اللہ کے محبوب ﷺ میں دیکھ رہی ہوں کہ آسمان پر اتنے ستارے ہیں، کیا کسی بندے کی اتنی نیکیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا' ہاں عمر رضی اللہ عنہ کی اتنی نیکیاں ہوں گی۔

☆...... نبی علیہ السلام نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں خوشخبری دی تھی کہ عمر جس راستے سے گزرتا ہے شیطان اس راستے کو چھوڑ جاتا ہے۔

☆...... قرآن مجید میں کتنے مقامات ایسے ہیں جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اللہ رب العزت کی منشاء کے مطابق نکل آئی۔ ان کو ایسی عقل سلیم نصیب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا فہم عطا کر دیا تھا کہ انہوں نے اِدھر رائے دی اور وہ واقعی اللہ رب العزت کی منشا کے مطابق نکلی۔

جن کا یہ مقام تھا ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت سے اتنا ڈرتے تھے کہ وہ اپنے بارے میں ہر وقت ڈر کر روتے تھے حتیٰ کہ ان کے رخساروں پر آنسوؤں کے بہنے کی وجہ سے لکیروں کے نشان پڑ گئے تھے۔ انہوں نے کبھی ایسا شربت نہیں پیا جس میں ان کے آنسوؤں کی ملاوٹ نہ ہوتی ہو۔ وہ شربت پینے لگتے تھے اور اوپر ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگتے تھے۔ ان کو خوف دامن گیر رہتا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے سارے عملوں کا اجر اس شکل میں مجھے دنیا میں ہی دیا جا رہا ہو۔

انہوں نے اپنے دور خلافت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا حذیفہ رضی اللہ عنہ مجھے پتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے آپ کو منافقین کے نام بتلا دیئے اور یہ بھی پتہ ہے کہ آپ کو کسی اور کو نام بتانے سے منع بھی کر دیا تھا، لہٰذا میں آپ سے ان کے نام نہیں پوچھتا لیکن آپ مجھے اتنا تو بتا دیں کہ کہیں ان میں عمر کا نام تو شامل نہیں ہے۔

جب حضرت عمرؓ کی شہادت کا وقت قریب ہوا تو آپ نے بیٹے کو بلایا اور فرمایا، بیٹا! مجھے جلدی نہلانا، جلدی کفن دینا اور جلدی دفن کر دینا۔ انہوں نے عرض کیا، اے امیر المومنین! ہم جلدی تو کریں گے مگر آپ اتنی تاکید کیوں فرما رہے ہیں؟ جواب میں حضرت عمرؓ نے عجیب الفاظ ارشاد فرمائے، فرمایا، میں اتنی جلدی کی تاکید اس لئے کر رہا ہوں کہ اگر اللہ رب العزت مجھ سے راضی ہوئے تو تم لوگ مجھے جلدی اللہ سے ملا دینا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے خفا ہوئے تو میرا بوجھ اپنے کندھوں سے جلدی اتار دینا، اور عمر کے انجام کو تو اللہ بہتر جانتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور خوف خدا

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے مقرب اولیاء میں سے تھے۔ وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ وہ ان کی چالیس افراد پر مشتمل تدوین فقہ کی مشاورتی کونسل کے ممبر تھے۔ وہ بہت بڑے محدث تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا مقام عطا کیا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ اسماء الرجال کی کتب میں ان کے بارے لکھا ہے کہ محدثین میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی اجتماعی طور پر اتنے تعریفی الفاظ استعمال نہیں ہوئے جتنے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کیلئے استعمال کئے گئے۔ وہ ایک وقت میں چالیس ہزار لوگوں کو حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں سپیکر نہیں ہوا کرتے تھے۔ لہٰذا جب وہ حدیث پاک کی تلاوت کرتے تو لوگ سن کر مکبر کی طرح آگے سناتے تھے۔ ایک دفعہ ان مکبر لوگوں کی تعداد گنی گئی تو ان کی تعداد بارہ سو (۱۲۰۰) نکلی۔ اب بتائیے کہ جب مکبر بارہ سو ہوں تو پھر مجمع کتنا بڑا ہوگا۔

ان کے بارے میں ایک محدث نے عجیب بات کہی کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو کئی سال قریب سے دیکھا۔ میں نے ان کی زندگی

میں اور صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ایک فرق دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کو نبی ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل تھا لیکن عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو وہ شرف حاصل نہیں، باقی اِن کی زندگی میں اور اُن کی زندگیوں میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آیا۔

جب عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت ہوا تو وہ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے شاگرد کو حکم دیا کہ مجھے زمین پر لٹادو۔ شاگرد حیران ہوا کہ حضرت کیا کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے دوبارہ حکم دیا۔ چنانچہ اس نے اٹھا کر نیچے زمین پر لٹا دیا۔ اس وقت زمین پر کوئی قالین وغیرہ نہیں تھے۔ سب طلباء کی چیخیں نکل گئیں، کیونکہ جب انہوں نے اپنے استاد کو زمین پر لٹایا تو دیکھا کہ عبداللہ بن مبارک اپنے رخسار کو زمین پر رگڑنے لگے اور داڑھی کے بالوں کو پکڑ کر روتے ہوئے کہنے لگے ...... اللہ! عبداللہ بن مبارک کے بڑھاپے پر رحم فرما...... انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں محدث ہوں، نہیں کہا کہ میرے وعظ سے لوگوں کی زندگیاں بدلی ہیں، نہیں کہا کہ میں نے تقویٰ کی زندگی گزاری، نہیں کہا کہ میں نے راتوں کو عبادتیں کیں، انہوں نے اپنا کوئی عمل اللہ کے سامنے پیش نہیں کیا، بلکہ اپنے آخری وقت میں اپنی داڑھی کو پکڑ کر صرف یہ عاجزی کر رہے ہیں، اللہ! عبداللہ بن مبارک کے بڑھاپے پر رحم فرما۔

جب ایسے پیارے اعمال کرنے والے ہمارے بڑوں کے خوف خدا کا یہ عالم تھا تو میرے دوستو! ہم اپنے اعمال پر کیسے فریفتہ ہو سکتے ہیں۔ ہم کیسے مان سکتے ہیں کہ ہم بڑے ذاکر مشاغل بن گئے اور شب زندہ دار بن گئے۔ یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اپنے گناہوں پر تو رونا ہی ہے، ہمیں جو اپنی نیکیوں پر فخر ہے اس پر اس سے بھی بڑھ کر رونے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اللہ رب العزت سے یہ دعا مانگنی ہے کہ اے اللہ! ہمارے ان ٹوٹے پھوٹے عملوں

کو قبول کر لیجئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قبولیت کے قابل نہیں ہیں...... بے ذوق سجدے بے سرور نمازیں...... ہم مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں اور گلی کوچہ بازار کی سیر کر رہے ہوتے ہیں۔

اپنی قابلیت پر نظر نہ رکھیں

آج کی اس محفل میں اس نکتے کو سمجھنے کی کوشش کرنی ہے کہ ہم اپنی قابلیت کو مت دیکھا کریں بلکہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول کروانے کے لئے ہر وقت فکر مند رہا کریں۔ اس لئے کہ جب کبھی اس پروردگار کی نگاہ ناز پڑ جاتی ہے تو پھر بڑے بڑے بھی کانپ جاتے ہیں۔

~ عدل کریں تے کمبدے جاون اچیاں شاناں والے
تے فضل کریں تے بخشے جاون میں جئے وی منہ کالے

اگر اس کے عدل کا معاملہ ہوا پھر ہمارے لیے مشکل بن جائے گی اور اس کا فضل ہوگا تو ہم جیسے منہ کالے بھی بخشے جائیں گے۔ اس دنیا میں بہت سے ایسے لوگ گزرے جنہوں نے بڑی عبادتیں کیں مگر پھر بھی قبول نہ ہو سکے۔ نبی اسرائیل میں ایک عابد گزرا۔ اس نے چار سو سال عبادت کی۔ ہماری تو عمر بھی سو سال نہیں ہو پائی مگر اس نے چار سو سال عبادت کی۔ حتیٰ کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس بندے کو مستجاب الدعوات ہونے کا مقام عطا فرمایا گیا۔ وہ جو بھی دعا کرتا تھا قبول ہوتی تھی۔ وہ چار سو سال تک عبادت کرنے والا اور قبولیت دعا کے مرتبے تک پہنچنے والا بندہ بن گیا۔ مگر وہ ایک خطا کر بیٹھا جس کی وجہ سے اللہ رب العزت کو جلال آ گیا اور رب کریم نے اس کی چار سو سال کی عبادتوں کو ٹھکرا کے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (الاعراف:172)

[اس کی مثال کتے کی مانند ہے]

اللہ! جو بندہ آپ کے سامنے چار سو سال تک سجدے کرتا رہا اس کے بارے میں آپ نے قرآن مجید میں فرما دیا کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں۔ ہمارے پلے کیا ہے کہ ہم اپنی ادنیٰ سی عبادتوں پہ ناز کرتے پھریں۔ میرے دوستو! ہمیں اپنے رب سے قبولیت مانگنی ہے کہ اے اللہ! ہم اپنے کھوٹے سکوں پہ فریفتہ ہوئے پھر رہے ہیں مگر آپ اپنے فضل سے ان کو قبول فرما لیجئے۔

ایک چشم کشا واقعہ

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں حضرت عبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے۔ حافظ قرآن اور حافظ حدیث بھی تھے۔ ان کو ایک لاکھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں اور لاکھوں انسانوں کے روحانی پیشوا تھے۔ ایک مرتبہ ان کے اندر تھوڑی سی عجب کی کیفیت آگئی۔ ہوا یہ کہ انہوں نے ایک مرتبہ عیسائیوں کی بستی کے قریب سے گزرتے ہوئے صلیب کا نشان دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ یہ کتنے کم عقل ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں۔ اتنی سی بات پہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈال دیا، گویا یہ فرما دیا کہ اگر تم ہدایت پر ہو تو کیا یہ تمہارا کمال ہے یا ہمارا کمال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی آزمائش میں ڈالا کہ وہ سؤر چرانے لگ گئے۔ شاگردوں سے کہہ دیا کہ تم چلے جاؤ کیونکہ میرے اندر سے سب کچھ چلا گیا ہے۔ لوگ پریشان ہو کر واپس چلے گئے۔

ایک سال کے بعد حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کا حال معلوم کرنے کیلئے

واپس آئے۔ لوگوں سے پوچھا کہ ہمارے شیخ کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا، کہیں جنگل میں عیسائیوں کے سؤر چراتے پھر رہے ہوں گے۔ چنانچہ وہ وہاں سے جنگل میں گئے اور دیکھا کہ وہی جبہ، وہی عمامہ اور وہی عصا جس کو لے کر کبھی وہ جمعہ کا خطبہ دیا کرتے اور قال اللہ اور قال الرسول پڑھا کرتے تھے، آج اسی حلیے میں سؤر چراتے پھر رہے ہیں۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ قریب ہو کر کہتے ہیں، حضرت آپ قرآن مجید کے حافظ تھے، کیا ابھی تک حفظ یاد ہے یا بھول گئے؟ کہنے لگے، میں سب بھول گیا۔ انہوں نے کہا، حضرت! کوئی ایک آیت بھی یاد نہیں؟ حضرت نے ذہن پر زور دیا تو کہنے لگے، ہاں ایک آیت یاد ہے وہ آیت یہ ہے۔

مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ (الحج:18)

(جسے اللہ ذلیل کرے پھر اسے عزت دینے والا کوئی نہیں ہوتا)

پورا قرآن بھول گئے صرف یہ ایک آیت یاد رہی......اللہ اکبر...... پھر پوچھا، حضرت آپ کو کوئی حدیث یاد ہے؟ فرمایا' میں سب بھول گیا ہوں۔ عرض کیا کوئی ایک حدیث بھی یاد نہیں؟ کہنے لگے ہاں ایک حدیث یاد ہے،

مَنْ بَدَلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ

(جو دین کو بدل دے اسے قتل کر دو)

اس پر حضرت شبلی کو بڑا دکھ ہوا اور رونے لگ گئے۔ جب وہ رونے لگے تو ان کے شیخ پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نظر ہوئی اور انہوں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ انہوں نے روتے ہوئے یہ الفاظ کہے، اے اللہ! میں آپ سے یہ امید تو نہیں کرتا تھا کہ مجھے اس حال میں پہنچا دیا جائے گا۔ جب انہوں نے عاجزی کے یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ کو رحم آ گیا اور اللہ رب العزت نے ان کو وہ سب نعمتیں واپس لوٹا کر پھر وقت کا عظیم شیخ بنا دیا۔

تڑپا دینے والی آیات:

قرآن پاک میں کچھ آیتیں ایسی ہیں جو بندے کو تڑپا کے رکھ دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر......

(۱)......اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ o(الاعراف:182)

(ہم ان کو درجہ بہ درجہ اس طرح نیچے اتاریں گے کہ انہیں اس کا پتہ ہی نہیں چلے گا)

ذرا غور کیجئے کہ بعض علماء ایسے ہیں جو طالب علمی کے زمانے میں تہجد بھی پڑھتے تھے، اشراق چاشت اور اوّابین بھی پڑھتے تھے، لیکن جب وہ پڑھ کر گھر واپس آئے اور شادی ہوگئی تو ان کی زندگی کی وہ ترتیب بدل گئی۔ وہ اپنے آپ کو عالم ہی سمجھتے رہتے ہیں۔ اگر انہیں عمل کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو وہ خود کہتے ہیں کہ طالب علمی کی زندگی بڑی اچھی زندگی تھی۔ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم بھی اس آیت کا مصداق بن گئے ہوں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ پہلے تو بڑی تقویٰ بھری زندگی ہوتی ہے لیکن جب اس کا کوئی بول یا کوئی حرکت اللہ تعالیٰ کو ناپسند آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو فوراً نہیں گراتے بلکہ آہستہ آہستہ نیچے لے کر آتے ہیں،

......پہلے تہجد کی نماز کا اہتمام تھا، اب وہ چھوٹنا شروع ہو جاتی ہے،

......پھر اس کے بعد اشراق کا بھی اہتمام نہیں رہتا،

......پھر چاشت اور اوّابین کا اہتمام بھی ختم ہو جاتا ہے،

......پھر تکبیر اولیٰ کا اہتمام جاتا رہتا ہے،

......پھر اس کے بعد مسواک کی سنت کا اہتمام بھی ختم ہو جاتا ہے،

......پھر فرائض بھی چھوٹنا شروع ہو جاتے،

......حتیٰ کہ انسان حرام کا مرتکب ہونے لگ جاتا ہے،

یہ وہ بندہ تھا جو متقی تھا، لیکن اس نے تکبر اور غرور کی وجہ سے کسی کو نیچی نظر سے دیکھا اور میرے مالک کو یہ بات ناپسند آ گئی۔ لہٰذا اس نے اس کو آہستہ آہستہ نیچے اتارا کہ اس کو اترنے کا پتہ بھی نہ چل سکا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (الاعراف:182)

یہ آیت پڑھتے ہیں تو دل کو کچھ ہوتا ہے کہ یا اللہ! کہیں ہمارے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہو جائے۔

(۲)......ایک اور آیت بھی ایسی ہی ہے جس کو پڑھ کر بندے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ آیت سننے سے پہلے یہ بات سنیں کہ ایک مرتبہ ہم مدینہ طیبہ سے حج کے لئے جا رہے تھے۔ ہماری گاڑی میں ایک ایسا آدمی بھی آ کر بیٹھ گیا جو وہاں کام کرتا تھا اور اسے قانونی طور پر پانچ سال میں ایک بار حج کرنے اجازت تھی مگر محبت اسے کھینچ کے لے جا رہی تھی۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ میں چیک پوسٹ تک جاؤں گا، اگر انہوں نے آگے جانے دیا تو میرا حج ہو جائے گا اور اگر روک لیا تو واپس آ جاؤں گا۔ جب چیک پوسٹ کے قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں اور اس کا چہرہ پیلا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیفیت کیوں ہے؟ وہ کہنے لگا جی وہ چیک پوسٹ سامنے آ گئی ہے، وہ کسی گاڑی کو دیکھ کر اشارہ کرتے ہیں کہ جاؤ اور کسی گاڑی کو اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ رک جاؤ۔ اگر انہوں نے ہمیں کہہ دیا کہ رک جاؤ تو میرا کیا بنے گا، یہ کہہ کر اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس عاجز نے قرآن پاک پر نظر ڈالی تو ایک آیت سامنے آئی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو دیکھ کر

فرشتوں کو حکم دیں گے،

وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ o (الصفت: 24)

(اوران کوروک لیجئے ان سے ہم سوال کریں گے)

انہوں نے بڑے بول بولے تھے...... یہ اپنے آپ کو بڑی شے سمجھتے تھے...... من آنم کہ من دانم...... دوسروں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ تو فاسق و فاجر ہیں اور خود یہ دوسروں کی غیبت کیا کرتے تھے...... یہ دوسرں کو ایذا پہنچاتے تھے...... یہ دوسروں کے حقوق غصب کیا کرتے...... یہ دوسروں کی عیب گوئی اور عیب جوئی کیا کرتے تھے...... دوسروں کی عزتوں پہ ڈاکہ ڈالا کرتے تھے...... وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ...... ان کو روک لیجئے ہم ان سے تفتیش کریں گے، ہم ان کے اعمال کا جائزہ لیں گے کہ یہ کیسی زندگی گزار کے آئے ہیں اور حدیث پاک میں آیا ہے۔

مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ فَقَدْعُذِّبَ

(جس کے حساب کی تفتیش شروع ہوگئی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب دیا جائے گا)

ہمیں بھی اپنے بارے میں سوچنا ہے کہ ہم کیسی زندگی گزارتے پھر رہے ہیں۔ میرے دوستو! یہ مت سوچئے کہ میں یہ کرر ہا ہوں اور میں وہ کر رہا ہوں۔ نہیں بلکہ یہ سوچئے کہ میں جو کر رہا ہوں پتا نہیں کہ وہ اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، اصل چیز قبولیت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ قبولیت کا سوال کیجئے۔

ایک عبرت ناک واقعہ

صید الخاطر کتاب میں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا۔ جب میں

اس واقعہ کو پڑھتا ہوں تو روئے بغیر آگے نہیں گزر سکتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مصر کی جامع مسجد میں ایک مؤذن تھا۔ اس نے مینار پر چڑھ کر سالہا سال تک اللہ اکبر کی صدائیں بلند کیں۔ ظاہر میں وہ دین کا کام والا تھا لیکن اس کے دل سے خوف خدا رخصت ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں فسق و فجور بھر چکا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اذان دینے کے لئے مینار پر چڑھا۔ مینار کے آس پاس مکانات تھے۔ اس کی نظر عیسائیوں کے ایک مکان میں پڑی۔ وہاں اسے ایک خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ لڑکی پر نظر پڑتے ہی اس کے اندر کی کیفیت ختم ہوگئی۔ چنانچہ وہ اذان دینے کی بجائے مینار سے نیچے اترا اور اس لڑکی کے باپ سے ملا۔ اس نے کہا، جی آپ اپنی بیٹی سے میری شادی کر دیجئے۔ وہ کہنے لگا، اس کام کے لئے تمہیں عیسائی ہونا پڑے گا۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے میں عیسائی ہونے کے لئے تیار ہوں، آپ اس سے میری شادی کر دیں چنانچہ وہ عیسائی ہوگیا۔ لڑکی کے باپ نے کہا، تم اوپر والی منزل میں آؤ ہم اس سے تمہارا نکاح کر دیتے ہیں۔ جب وہ اوپر چڑھنے لگا تو اس کا پاؤں سیڑھیوں سے پھسل گیا۔ وہ وہیں گردن کے بل گرا اور اسے موت آ گئی۔

؎ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

یہ واقعہ پڑھنے کے بعد سوچتا ہوں کہ اے اللہ! اس نے سالہا سال تیرا نام بلند کیا ہوگا۔ پتہ نہیں کہ آپ کو اس کی کونسی بات ناپسند آ گئی کہ اتنے بڑے عمل کے باوجود آپ نے اس کو آخری وقت میں ایمان سے بھی محروم کر دیا...... اس واقعہ کو ذہن میں رکھ کر ہمیں بہت زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔ یہ مت سوچنا کہ ہم مسجد میں بیٹھتے ہیں، ذکر کی محفلوں میں جاتے، ہم بیعت ہو کر بڑے درجے کو پہنچ گئے۔ اس کو اجازت و خلافت مل گئی، یہ سب باتیں معمولی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے

اللہ کے ہاں اپنی قبولیت کروانی ہے اور قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنی ہے۔

قبولیت پانے کا انمول نسخہ:

میرے دوستو! ہم عیبوں والے ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے عیبوں کو تسلیم کرلیں۔ ہماری غلطی یہ کہ اگر کوئی ہمارے بارے میں ذرا سی بات کردے تو ہمیں غصہ آجاتا ہے۔ یہ غصہ اس لئے آتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو غلطی سے برتر سمجھتے ہیں۔ جبکہ ہمارے اکابر نے کہا کہ سالک کی پہچان یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ اس کی غیبت کرے تو یہ سن کر بجائے غصہ ہونے کے اپنے دل میں اتنا کہہ دے کہ واقعی میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں ایسا ہی ہوں۔ ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ کسی نے ان کے سامنے بڑھ چڑھ کے کہا کہ آپ میں یہ عیب بھی ہیں یہ عیب بھی ہیں۔ وہ سنتے رہے بالآخر فرمانے لگے، بھئی اگر آپ نے اور بھی ناراض ہونا ہے تو ہولیں کیونکہ آپ کو میرے تھوڑے عیبوں کا پتا ہے اور مجھے اپنے زیادہ عیبوں کا پتا ہے۔ ہمارے اکابر کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے آپ پر نظر رکھتے تھے۔ اگر ہم بھی اس طرح اپنے آپ پر نظر رکھیں گے تو اللہ رب العزت کی طرف سے قبولیت پالیں گے۔

اک عجیب دعا:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(التوبہ ۔111)

(بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمن بندوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال

جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں)

اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ کر کے ایک شاعر نے فارسی میں بڑا عجیب مضمون باندھا ہے،

تو بہ علم ازل مرا دیدی
دیدی آنگہ بعیب بخریدی
تو بعلم آں ومن بعیب ہماں
رد مکن آنچہ خود پسندیدی

(اے اللہ! تو نے اپنے ازلی علم کے ساتھ مجھے دیکھا۔ اس وقت عیب کے ساتھ دیکھنے کے باوجود تو نے مجھے خریدا ہے۔ تو علم کے ساتھ وہی ہے اور میں عیب کے ساتھ وہی ہوں۔ جس چیز کو تو نے پسند کیا اسے رد نہ فرما،)

اگر اس طرح ہم اللہ سے عاجزی کے ساتھ دعائیں مانگیں گے تو پھر اللہ رب العزت کی طرف سے ہم پر رحمتیں ہوں گی۔

آخری لمحے تک ڈرنے کی ضرورت:

میرے دوستو! یاد رکھیں کہ زندگی کے آخری لمحے تک کوئی بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے امن میں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کیا پتا کہ کس وقت کیا معاملہ پیش آجائے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ آخری وقت میں ان کے شاگردوں نے ان کے سامنے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ امام صاحبؒ فقط لا ۔ لا کہہ رہے تھے، پورا کلمہ نہیں پڑھ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد جب ان کی طبیعت بحال ہوئی تو شاگردوں نے پوچھا، حضرت کیا بنا تھا۔ فرمایا' شیطان میرے سامنے آکر کہنے لگا۔ احمد بن حنبل تو تو ایمان بچا کر دنیا سے چلا گیا اور میں کہہ رہا

تھا، لا ابھی نہیں، او مردود! جب تک میرا آخری سانس نہیں نکل جاتا اس وقت تک میں تیرے مکر سے امن میں نہیں ہوں ...... جب ہمارے بڑوں کا یہ حال تھا تو پھر ہم اپنی زندگی میں کیسے اس سے امن میں آسکتے ہیں۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہمیشہ ڈرتے رہیں اور کانپتے رہیں اور جو ٹوٹے پھوٹے عمل کرتے پھرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ اے اللہ! ان کو قبول فرما لیجیے۔ قبولیت کا اصل اعلان تو قیامت کے دن اللہ رب العزت کے حضور پہنچ کر ہو گا۔ دنیا میں پتا نہیں چل سکتا کہ کون کس حال میں ہے،

؎ کون مقبول ہے کون مردود ہے بے خبر کیا خبر تجھ کو کیا کون ہے
جب تلیں گے عمل سب کے میزان پر تب کھلے گا کہ کھوٹا کھرا کون ہے

یہ تو قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ کون کس درجے کا تھا۔ آج ہم اپنے شیخ کو اونچا درجہ دیتے ہیں۔ ان کے درمیان موازنہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سب بے ادبی کی باتیں ہیں۔ ہمیں سب مشائخ کی عزت کرنی چاہیے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے سمجھنا چاہیے اور اپنے آپ کو دنیا میں سب سے کم درجے کا کم عمل بندہ سمجھنا چاہیے۔

اے اللہ! ہمارے ان کھوٹے عملوں کو قبول فرما لیجیے گا اور قیامت کے دن ہمیں اپنے دربار میں سرخرو فرما لیجیے گا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا

(ھود:6)

رزق کی تقسیم

یہ بیان ۱۵ شعبان ۱۴۲۳ھ مطابق 11 اکتوبر 2002ء کو جامع مسجد مدینہ جھنگ میں شب برأت کے موقع پر بعد از عشاء ہوا۔ حاضرین میں سالکین اور عوام الناس کی کثیر تعداد موجود تھی۔

اقتباس

جن کا اللہ پر توکل ہوتا ہے انہیں ہمیشہ رزق ملتا ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بلی اور چوہے تو کھائیں اور جو اللہ رب العزت کا نائب اور خلیفہ ہے وہ بھوکا رہے۔ اس لیے یہ تنگی اور پریشانی اکثر و بیشتر ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ورنہ جو پروردگار عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو من و سلوٰی کھلا سکتا ہے کیا وہ امت محمدیہ کو من و سلوٰی نہیں کھلا سکتا۔ رزق کے بارے میں ہمیشہ یہ گمان رکھیں کہ میرا رزق بندوں کے ذمے نہیں بلکہ پروردگار کے ذمے ہے۔ بندے بھول سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نہیں بھول سکتے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

رزق کی تقسیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَ لَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَo(المنفقون:9)

............و قال اللہ تعالیٰ فی مقام اٰخر............

وَ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (ھود:6)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

دنیاوی زندگی میں مال کی اہمیت:

ارشاد باری تعالی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَ لَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَo (المنافقون : 9)

(اے ایمان والو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد کہیں تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کر دے، اور جن لوگوں نے ایسا کیا وہ خسارہ اٹھانے والے ہوں گے)

اللہ تعالیٰ کی یاد میں دو چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں۔ایک مال اور دوسری چیز

اولاد۔ یہ دونوں چیزیں انسان کے رزق میں شامل ہیں۔ مال اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے بشرطیکہ اس کا استعمال ٹھیک طریقے سے کیا جائے اور اگر اس کا استعمال ٹھیک نہ کیا جائے تو یہ مال انسان کے لیے وبال بن جاتا ہے۔ اس کی مثال چھری کی سی ہے۔ اگر ایک انسان چھری سے پھل اور سبزی کاٹے تو یہ بہت اچھی بات ہے اور اگر وہ اسی چھری سے کسی انسان کا بازو کاٹ ڈالے تو یقیناً یہ بری بات۔ یعنی چھری کا استعمال ہی اس کو اچھا یا برا بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر مال کا استعمال اچھا ہو تو یہ بہت اچھا ہوتا ہے اور اگر اس کا استعمال برا ہوگا تو یہ مال بھی انسان کے لیے بہت برا ہوگا۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر بھی انسان کا گزارہ نہیں اور اس کے ساتھ نباہ کرنا بھی آسان کام نہیں ہے۔ ہمارے مشائخ نے اس کی مثال پانی اور مرغابی کی سی دی ہے۔ مرغابی کی یہ صفت ہے کہ جب وہ پانی پر آ کر بیٹھتی ہے تو اسے اگر ذرا سا بھی خطرہ محسوس ہو کہ کوئی شکاری مجھے شکار کرنا چاہتا ہے تو وہ پانی کے اوپر سے ہی اڑ جاتی ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ اس کے پر اتنے چکنے ہوتے ہیں کہ وہ پانی کے اندر بھیگتے نہیں ہیں۔ اگر اس مرغابی کو پانی میں اچھی طرح ڈبو دیا جائے اور اس کے سارے پر بھیگ جائیں تو پھر اس کے لیے اڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو ہمارے مشائخ نے یہ فرمایا کہ اے انسان! تو مال کے ساتھ اس طرح تعلق رکھ جس طرح مرغابی پانی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ وہ پانی کی سطح پر بیٹھتی ہے اور جب اسے اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے تو وہیں سے سیدھا پرواز کر جاتی ہے۔ انسان کا مال کے ساتھ تعلق بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ جب تک مال اس کی ضروریات کے تابع رہے اس وقت تک بہت اچھا ہے اور جہاں یہ انسان کے من کو میلا کرنا شروع کر دے تو انسان اس کو چھوڑ کر سیدھا اللہ رب العزت کی طرف پرواز کر جائے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کشتی پانی میں چلتی ہے۔اگر کوئی آدمی اسے ریت پر چلانا چاہے تو وہ ہرگز نہیں چلے گی۔ کیونکہ وہ بنتی ہی اسی لیے ہے کہ وہ پانی میں چلے۔لیکن وہ تب چلتی ہے جب وہ پانی کے اوپر رہے اور پانی کشتی کے نیچے ہو۔ اگر بالفرض پانی کشتی کے نیچے رہنے کی بجائے کشتی کے اندر بھر جائے تو وہ پانی اس کشتی کے ڈوبنے کا سبب بن جاتا ہے۔اسی طرح جب تک مال انسان کے تابع رہے تو یہ کشتی تیرتی رہتی ہے اور جب یہ انسان کے دل میں آ جائے تو اس کے ایمان کی کشتی بھی ڈوب جاتی ہے۔

اسی لیے کہا گیا کہ مال انسان کا بہترین خادم ہے اور بدترین آقا ہے۔ جو انسان اسے خادم بنا کے رکھتا ہے اس کی زندگی میں بھی آسانی ہوتی ہے اور اس کی آخرت میں بھی آسانی ہوگی۔اگر اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا جائے تو اسے بڑا مقام مل جاتا ہے۔اور جو انسان مال کو اپنا آقا بنا لے اور اس کی پوجا کرنا شروع کردے تو یہ بدترین آقا ہے۔اسی لیے کچھ لوگ تو مالدار ہوتے ہیں اور کچھ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں۔ مالدار وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خوب دیا ہو اور وہ دونوں ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کے دین کے کاموں میں لگائے اور جس نے اسے سمیٹ کر اپنے پاس جمع کرلیا اور روزانہ اٹھ کر اپنا بنک بیلنس دیکھتا ہے کہ آج اتنا ہے، کل اتنا تھا، پرسوں اتنا تھا، ایسا بندہ مال کا چوکیدار ہوتا ہے۔ جب وہ مر جائے گا تو اس کی اولاد عیش و آرام کرے گی مگر اس مال کا حساب اس بندے سے لیا جائے گا۔

مال...... باعث خیر بھی اور باعث شر بھی:

مال میں خیر بھی ہے اور شر بھی ہے۔قرآن مجید میں اس کے خیر ہونے کا ذکر آیا ہے۔مثال کے طور پر......

☆......اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

اِنْ تَرَکَ خَیْرَا ﷷ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ (البقرة :180)

[اگر وہ مال چھوڑے تو والدین اور عزیز رشتہ داروں کیلئے مناسب طور پر وصیت کرے]

☆......ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا،

وِ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْد o(عدیت: 8)

[بے شک وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے]

یہاں اس خیر سے مراد مال ہے۔

☆...... مال کا ایک فائدہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

وَ لَا تُؤتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَلَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ قِیَامًا (النساء:5)

[اور تم یہ مال ان بے وقوفوں کے ہاتھوں میں نہ دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے قیام کا سبب بنایا ہے۔]

یہاں اللہ رب العزت نے مال کو انسان کے قیام کا سبب قرار دیا اور ایک اور مقام پر بیت اللہ شریف کو بھی انسان کے لئے قیام کا سبب کہا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ (المائدة: 97)

[اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ بزرگی والا گھر ہے، لوگوں کے قیام کا باعث بنا دیا ہے]

یہاں علماء نے نکتہ لکھا ہے کہ بیت اللہ شریف انسان کی روحانی زندگی کے قیام کا سبب ہے اور مال انسان کی جسمانی زندگی کے قیام کا سبب ہے۔

مال انسان کے لیے شر کا باعث بھی ہے۔ وہ اس لحاظ سے کہ جب مال آتا

ہے تو انسان کے لئے گناہ کرنے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جب مال آتا ہے تو انسان کی آواز میں مال کی جھنکار بھی شامل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے بولنے سے ہی پتا چل جاتا ہے کہ اس کے پلے کچھ ہے۔ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کا بندہ بھی نہیں سمجھتا۔ اسی مال کی وجہ سے انسان کے اندر عجب اور تکبر آتا ہے۔ قارون اپنے زمانے کا بڑا امیر آدمی تھا۔ جب اس کی قوم کے لوگ اس کو دیکھتے تھے تو وہ اس جیسا بننے کی تمنا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ جب لوگ اس کو دیکھتے تھے تو ان کی آنکھیں پھٹی رہ جاتی تھیں اور وہ کہتے تھے۔

يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ (القصص: 79)

[اے کاش! ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا جتنا قارون کے پاس ہے بے شک اس کی تو بڑی قسمت ہے]

اور آج کے دور میں بھی اس وقت کی بڑی مصیبت یہی ہے۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ میری تمناؤں سے زیادہ میرے پاس مال ہونا چاہیے۔

مالی پریشانیاں

اگر آپ مسلمان ملکوں میں پھر کر دیکھیں تو آپکو بہت سارے لوگ ایسے ملیں گے جو مالی دشواریوں کی وجہ سے پریشانیوں کا شکار ہیں۔ اگر آپ وہاں کے باشندوں سے بات کریں تو

......کوئی کہے گا کہ میرے بیٹے کو نوکری نہیں ملی،

......کوئی کہے گا کہ میرا کاروبار نہیں چل رہا،

......کوئی کہے گا کہ مجھے اتنا نقصان ہو گیا،

......کوئی کہے گا کہ بیٹی کی شادی کے لئے وسائل نہیں ہیں،

......کوئی کہے گا کہ بیٹے کی شادی کرنی ہے۔ اس کے لئے گھر بنانے کی جگہ

نہیں ہے۔

گویا ان کی پریشانیاں ایسی ہیں کہ ان کا رشتہ کہیں نہ کہیں مال کے ساتھ آکر جڑتا ہے۔اس لیے اس نکتہ کو کھولنا کچھ زیادہ فائدہ مند نظر آرہا ہے۔

پریشانیوں کا حل:

ایک ہے مال کی کثرت اور ایک ہے مال کی برکت۔ اگر آپ غور کریں تو پتہ چلے گا کہ آج کا انسان مال کی کثرت مانگتا ہے، مال کی برکت نہیں مانگتا۔ کوئی کہتا ہے کہ میں اب گریڈ سترہ میں ہوں، اگر میں گریڈ اٹھارہ میں پہنچ گیا تو میرے مسائل حل ہو جائیں گے...... کوئی کہتا ہے کہ میں نے اب بزنس شروع کیا ہے، اگر یہ چل گیا تو میرے مسئلے ختم ہو جائیں گے...... کوئی کہتا ہے کہ میرا بیٹا ایم ایس سی کر رہا ہے، اگر اس نے کوئی جاب اختیار کر لی تو میرے مسئلے حل ہو جائیں گے...... یعنی اس کو اپنے مسائل کا حل اس وقت نظر آتا ہے جب مال زیادہ ہو جائے گا، حالانکہ مال کی کثرت میں ہمارے مسائل کا حل نہیں بلکہ مال کی برکت میں مسائل کا حل موجود ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو کروڑوں پتی ہیں لیکن ان کے مال میں برکت ہی نہیں ہے، جس کی وجہ سے ان کی پریشانیاں ختم ہی نہیں ہوتیں۔ ہزاروں لوگ کارخانہ دار ہیں، صنعتکار ہیں اور بزنس مین ہیں لیکن دوسرا کوئی بندہ ان کی طرح پریشان نہیں ہوتا۔

ایک جنرل منیجر رو پڑے:

اس عاجز کے پاس ٹیکسٹائل مل کے ایک جنرل منیجر آئے۔ وہ دو ملوں کے منیجر تھے۔ ایک مل کے منیجر بھی اس کے ماتحت تھے اور دوسری مل کے منیجر بھی۔ تقریباً بیس سال پہلے ان کی تنخواہ ایک لاکھ روپیہ تھی...... آج کا لاکھ نہیں بلکہ بیس

سال پہلے کا لاکھ۔ آج ڈالر کا ریٹ ساٹھ روپے ہے اور اس وقت ریٹ اٹھارہ روپے ہوتا تھا...... وہ کہنے لگے،

...... میرے گھر کا کرایہ کمپنی دیتی ہے،

...... میرے گھر کا کوئی بندہ بیمار ہو جائے تو میڈیکل کا خرچہ کمپنی اٹھاتی ہے،

...... میرے گھر میں جتنے نوکر چاکر یعنی ڈرائیور، خانساماں اور سیکورٹی گارڈ وغیرہ ہیں ان سب کی تنخواہ کمپنی کے ذمے ہے،

...... حتی کہ میرا انکم ٹیکس بھی کمپنی ادا کرتی ہے اور میں صاف ایک لاکھ روپیہ لے کر گھر آتا ہوں۔

اس نے بتایا کہ میرے تین بچے ہیں، ایک میں اور ایک میری بیوی۔ یعنی گھر کے کل پانچ افراد ہیں۔ اس کے بعد وہ آنسوؤں سے رونے بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا، بھئی مسئلہ کیا ہے؟ کہنے لگے، ہمارے خرچے پورے نہیں ہوتے۔ میں نے پوچھا، اتنی معقول آمدنی کے باوجود آپ کے خرچے پورے نہیں ہوتے، آخر اس مصیبت کی وجہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے،

''میں نے پچھتر لاکھ روپے لگا کر فلاں جگہ مکان بنایا۔ پتہ نہیں کہ کنٹریکٹر نے اس کے ڈیزائن میں کوئی غلطی کر دی ہے یا کیا ہے، بننے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کا کالم (ستون) بیٹھ گیا اور پورے کا پورا کنکریٹ نیچے آ گیا۔ یوں پچھتر لاکھ روپے گئے...... اس کے علاوہ تئیس لاکھ روپے کی زیرو میٹر گاڑی خرید کر لایا۔ ایک جگہ کھڑی کر کے بنک کے اندر گیا تو ایک کار موٹر سائیکل کو بچاتے ہوئے میری گاڑی میں اس طرح آ کر لگی کہ یہ مکمل طور پر زیرو ہو گئی۔''

جب میں نے اس کی یہ روداد سنی تو مجھے احساس ہوا کہ انسان کے مسائل کا حل مال کی کثرت میں نہیں بلکہ مال کی برکت میں ہے۔

ایک محنت کش کی پرسکون نیند:

ہم نے پچھلے دنوں مسجد کی چھت ڈالی تھی۔ جولائی کا مہینہ تھا، دوپہر کو ایک گھنٹہ کے لئے چھٹی کی گئی تا کہ مزدور کھانا کھالیں، نماز پڑھ لیں اور آرام کر لیں۔ اس وقت ہم نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ کنکریٹ کے ڈھیر پر دن کے ایک بجے، جولائی کے مہینہ میں دھوپ کے اندر آرام سے سو رہا ہے۔ ہوا یہ کہ جب چھٹی ہوئی تو وہ وہیں لیٹا اور اسے نیند آ گئی۔ ہم اس کو دیکھ کر حیران ہوئے کہ دنیا میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو گرمیوں کے موسم میں دوپہر کے ایک بجے گرم کنکریٹ پر بھی نیند آ جاتی ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کو ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں نرم گدوں کے اوپر بھی نیند نہیں آتی۔ وہ نیند کی گولیاں بھی کھاتے ہیں مگر پھر بھی نیند نہیں آتی۔ وہ کروٹیں بدل بدل کر نیند کی منتیں کرتے رہتے ہیں مگر نیند نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا ''من'' پریشان ہوتا ہے۔

بوئے ہلاکت اور بوئے کفر:

اللہ تعالیٰ سے مال میں برکت مانگنے کی ضرورت ہے۔ برکت اسے کہتے ہیں کہ انسان کے پاس جتنا مال ہو وہ اس کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے یہ دعا بہت کم لوگ مانگتے ہوں گے۔ البتہ یہ دعا سب مانگتے ہیں کہ مال زیادہ ہو جائے۔ اسی لئے مسائل حل نہیں ہوتے۔ یاد رکھیں کہ اگر مال زیادہ ہو تو اس میں ''بوئے ہلاکت'' ہے اور اگر مال کم ہو تو اس میں ''بوئے کفر'' ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا

(قریب ہے کہ تنگدستی تمہیں کفر تک پہنچا دے)

اس لیے کہ جب کھانے کو کچھ نہیں ملے گا، فاقہ ہوگا، اور بچوں کی ضروریات پوری نہیں ہوں گی تو پھر شکوے کی باتیں زبان پر آئیں گی کہ وہ تو ہماری سنتا ہی نہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی شکوے کی باتیں انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔ اس لیے اگر یہ زیادہ ہو تو اس میں ''بوئے ہلاکت'' ہے اور اگر کم ہو تو اس میں ''بوئے کفر'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ آج کے دور میں مال انسان کے ایمان کے لئے ڈھال ہے۔ البتہ اس مال کو اللہ رب العزت کی رضا کے لیے استعمال کرنا چاہیے تا کہ انسان کی آخرت سنور جائے۔

خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی بے نفسی:

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا نام خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ وہ سمرقند میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا مال دیا کہ ان کے ساتھ ایک قافلہ چلتا تھا اور ان کے گھوڑوں کو باندھنے کے کھونٹے سونے اور چاندی کے بنے ہوتے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود ان میں بے نفسی عروج پر تھی۔

ایک مرتبہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملنے کے لیے گئے۔ جب انہوں نے وہاں جا کر دیکھا کہ وہاں تو گھوڑوں کے کھونٹے بھی سونے اور چاندی کے بنے ہوئے ہیں تو بڑے حیران ہوئے اور دور سے ہی ایک مصرعہ پڑھا

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

(وہ مردِ خدا نہیں ہوتا جو دنیا کو دوست رکھے)

یہ مصرعہ کہہ کر وہ واپس آ گئے۔ راستے میں دوپہر کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے ایک مسجد میں تھوڑی دیر کے لیے آرام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان پر غنودگی طاری ہوئی تو دیکھا کہ محشر کا میدان ہے اور نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ایسے وقت میں کچھ

لوگ ایسے ہیں جو ان سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اب مولانا پھنس گئے۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگے کہ میرا کیا بنے گا۔ اتنے میں انہوں نے خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہیں اور ان کے پیچھے بڑی تعداد میں ان کے عقیدت مند ہیں۔ جب وہ قریب سے گزرے تو انہوں نے پوچھا، مولانا! کیا ہوا؟ کہنے لگے، جی مجھے تو حساب لینے والے گھیر کے کھڑے ہیں اور میں اب بہت پریشان ہوں کہ ان کے حقوق کی ادائیگی کیسے کروں۔ انہوں نے کہا، اچھا اگر تمہارے پاس کمی ہے تو ہمارے حساب سے ان کا حق ادا کر دیا جائے۔ یہ بات کہہ کر وہ چلے گئے اور مولانا کی آنکھ کھل گئی۔

اب مولانا کے دل میں خیال آیا کہ لگتا ہے کہ وہ حضرت دنیا کے ساتھ محبت کرنے والے نہیں ہیں۔ اس میں ضرور کچھ راز کی بات ہے لہٰذا مجھے دوبارہ واپس جانا چاہیے، ان شاء اللہ مجھے ضرور فائدہ ہوگا۔ چنانچہ وہ حضرت کے پاس واپس آ گئے۔ جب وہ آ کر ان سے ملے تو اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کے دل میں وہ بات ڈال دی جو یہ کہہ کر گئے تھے۔ لہٰذا حضرت نے انہیں اپنے پاس بلایا اور فرمایا، مولانا! آپ جو بات کہہ کر گئے تھے وہ ہمیں سنا دو۔ عرض کیا، حضرت! نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ حضرت نے اصرار کرتے ہوئے فرمایا کہ نہیں آپ وہ بات سنا دیں۔ اس پر انہوں نے عرض کیا، حضرت! میں نے یہ کہا تھا

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

حضرتؒ نے یہ مصرعہ سن کر شعر مکمل کر دیا اور فرمایا

اگر دارد برائے دوست دارد

(اگر یہ دنیا ہو تو اللہ رب العزت کی رضا کے لیے ہونی چاہیے)

اس لیے قیامت کے دن کتنے ہی لوگ ایسے ہوں گے جو فقیر ہوں گے مگر اللہ

تعالیٰ ان کا حشر قارون کے ساتھ کریں گے۔ اس لیے کہ ان کے دلوں کی تمنائیں ویسی ہی تھیں جیسی قارون کی تھی۔ اور کتنے ہی ایسے لوگ ہوں گے جو وقت کے بادشاہ ہوں گے اور نرم گدوں کے اوپر پلے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا حشر انبیائے کرام کے غلاموں میں فرمادیں گے۔

مال کے معاملہ میں زبردست احتیاط:

قیامت کے دن انسان سے پوچھا جائے گا کہ تو نے مال کہاں سے کمایا اور کہاں پہ خرچ کیا۔ اس لیے دین اسلام نے کمانے میں بھی احتیاط سکھائی ہے اور اسے خرچ کرنے کے لیے بھی حدود و قیود مقرر کیے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سیکھ لیا تھا کہ دنیا میں مال کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرنا ہے۔ چنانچہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت مال آتا تھا اور وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روزے سے تھیں۔ ان کو مال غنیمت میں سے بارہ ہزار درھم ملے۔ انہوں نے اسی وقت اپنی خادمہ کو بلایا اور فرمایا کہ مدینہ کی بیواؤں اور یتیم بچوں کو بلاؤ اور یہ رقم ان پر خرچ کر دو۔ اس نے ساری رقم خرچ کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب افطاری کا وقت قریب ہوا تو خادمہ کہنے لگی، جی مجھے آپ کچھ پیسے دیں تاکہ افطاری کے لیے کوئی چیز لاؤں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کے پاس پیسے تو تھے۔ عرض کیا کہ وہ تو ختم ہو گئے ہیں۔ فرمایا کہ آپ مجھے پہلے بتا دیتیں، مجھے تو اپنے لیے کچھ رکھنا یاد ہی نہیں رہا...... سبحان اللہ! بارہ ہزار روپے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیئے لیکن اپنی افطاری کے لیے کچھ لینا یاد نہ رہا۔

دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو سانپوں کا منتر آتا ہے۔ وہ سانپوں کو پکڑ بھی لیں تو سانپ ان کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ صحابہ کرامؓ نے نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں رہ کر دنیا کا منتر سیکھ لیا تھا اس لیے یہ دنیا ان کو نقصان نہ دے سکی۔ چنانچہ عام لوگوں کے نزدیک تو صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی کرامت یہ ہے کہ جب ایک دفعہ راستے میں ان کے سامنے دریا آیا تو وہ پورا لشکر دریا میں سے گزر گیا اور ان میں سے کوئی شخص بھی دریا میں نہ ڈوبا۔ مگر محققین علماء کے نزدیک صحابہ کرامؓ کی بڑی کرامت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فتوحات کے دروازے کھولے اور ان کے قدموں میں دنیا کے دریا بہنے لگے تو وہ اس دنیا کے دریا میں سے اپنے ایمان کی کشتی کو سلامت لے کر نکل گئے۔

زر پرستی سے بچنے کی دعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے ایک دعا مانگی جسے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں بھی ارشاد فرمایا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

وَ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ o (ابراھیم: 35)

(اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچالینا)

اصنام صنم کی جمع ہے۔ اور صنم کا معنی بت ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے اصنام سے سونا اور چاندی مراد لیے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو زر پرستی سے بچا لینا۔

پانچ چیزیں لازم وملزوم ہیں:

احادیث میں آیا ہے کہ پانچ چیزیں لازم وملزوم ہیں۔ ان میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں ایک چیز ہوگی وہاں دوسری لازمی ہوگی۔

(۱)......جس قوم میں بے حیائی زیادہ ہو گی وہاں پر بیماریاں بھی بہت زیادہ ہوں گی۔ چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ جہاں پر بے حیائی بہت زیادہ ہے وہاں پر ایسی ایسی بیماریاں ہیں جو پہلے نہ دیکھی تھیں نہ سنی تھیں۔ وہ اتنا ڈرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو سلام کرنے سے بھی گھبراتے ہیں۔ چنانچہ کئی جگہوں پر ڈاک لینے دینے والے لوگ ہاتھوں پر دستانے پہنتے ہیں۔ ٹکٹ لینے دینے والے ہاتھوں پر دستانے چڑھا کے رکھتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ جی آپ یہ دستانے کیوں چڑھا کے رکھتے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس لیے دستانے چڑھا کے رکھتے ہیں تاکہ کسی کو ہمارا ہاتھ نہ لگ جائے اور کہیں اس کے جسم سے بیماری ہمارے اندر نہ آ جائے۔ ان کے اندر واقعی ایسی بیماریاں آ چکی ہیں کہ ان کو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانا بھی مصیبت بن جاتا ہے۔

(۲)......جس قوم میں ناپ تول میں کمی آتی ہے اللہ رب العزت اس قوم پر ظالم حکمران مسلط فرما دیتے ہیں۔

(۳)......جو قوم زکوٰۃ ادا نہیں کرتی اللہ رب العزت ان کو قحط سے دو چار کر دیا کرتے ہیں۔ بارشیں رک جاتی ہیں۔ نیچے زمین میں پانی کم ہو جاتا ہے۔ فصلیں اور پھل نہیں ہوتے اور یوں قحط سالی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

(۴)......جو قوم وعدہ خلافی کرنا شروع کر دیتی ہے اللہ رب العزت ان کے اوپر دشمن کو مسلط کر دیتے ہیں۔

(۵)......جو قوم احکام الٰہی کو ہلکا، بے وزن اور بے وقعت سمجھنا شروع کر دیتی ہے اللہ رب العزت ان کو نا اتفاقی کا شکار کر دیا کرتے ہیں۔

متوکل اور زاہد کون ہے؟

ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ حضرت! اگر

کوئی بندہ یہ وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میری جائیداد متوکل بندوں میں تقسیم کر دی جائے تو کن لوگوں میں تقسیم کی جائے گی؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ جائیداد زراعت پیشہ کسانوں میں تقسیم کی جائے گی کیونکہ جب وہ زمین میں دانہ ڈال دیتے ہیں تو پانی دے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا، اس دانے کو اگانا اور اس پر پھل پھول لگانا، اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ (الواقعہ: 64)

[کیا تم اس دانے کو اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں]

پنجابی کا شعر ہے،

ے
مالی دا کم پانی دینا تے بھر بھر مشکاں پاوے
تے مالک دا کم پھل پھُل لانا لاوے یا نہ لاوے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی کو یہ جواب اسی لیے دیا کہ وہ جائیداد زراعت پیشہ لوگوں میں تقسیم کی جائے گی کیونکہ ان لوگوں میں توکل ہوتی ہے اور ان کی نظر اللہ رب العزت کی ذات پر ہوتی ہے۔

اس آدمی نے پھر پوچھا کہ اگر اس آدمی نے یہ وصیت کی ہو کہ میرا مال عقل مندوں میں تقسیم کر دیا جائے تو پھر کن لوگوں میں تقسیم کیا جائے گا؟ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں اس آدمی کا مال زاہدین (یعنی وہ لوگ جو اللہ رب العزت کی رضا کے لیے دنیا کو چھوڑ چکے ہوں) میں تقسیم کریں گے کیونکہ انہوں نے آخرت یعنی بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیز کو قربان کر دیا ہوتا ہے۔ وہ دائمی چیز کو اختیار کر چکے ہوتے ہیں اور فانی چیز کو قربان کر چکے ہوتے ہیں۔ یہی عقلمندی کی نشانی ہے۔

ہوشیار آدمی کون ہوتا ہے؟

شریعت کی نظر میں ہوشیار آدمی کون ہے؟......علمائے کرام اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ہوشیار آدمی وہ ہوتا ہے جو کسی سے دھوکہ نہ کھائے۔ حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ مومن نہ دھوکہ دیتا ہے نہ دھوکہ کھاتا ہے۔ عوام الناس میں تو وہ آدمی ہوشیار سمجھا جاتا ہے جو جھوٹ بول دے، مکر کرے یا فریب دے دے، مگر شریعت کی اصطلاح میں ہوشیار اسے کہتے ہیں جو دوسروں سے دھوکہ نہ کھائے۔

فقیہ کسے کہتے ہیں؟

لغت میں تو فقیہ سمجھ بوجھ رکھنے والے اور سمجھدار کو کہتے ہیں۔ مگر شریعت کی اصطلاح میں فقیہ اس کو کہتے ہیں جو اپنے سوال کو ضرورت تک محدود رکھے اور ضرورت سے زیادہ کا طلبگار نہ ہو۔

بخیل کسے کہتے ہیں؟

جو زکوٰۃ کو تاوان سمجھے اسے بخیل کہتے ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے اور اب یہ اللہ کے نام پر نہیں دے رہا۔ اس عاجز کو ایک دہریہ ملا۔ وہ کہنے لگا! یہ جو زکوٰۃ کا حکم ہے میں اس پر کیوں عمل کروں اور کیوں زکوٰۃ دوں؟ مال خود میں نے کمایا اور پھر دوسروں کو دے دوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس عاجز نے کہا، جی آپ کو یہ مال اللہ نے دیا ہے اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے۔ کہنے لگا، جی میں نے خود محنت کی اور پسینہ بہایا اور اب یہ دوسرے کیسے میرے مال میں حقدار بن گئے؟ میں نے کہا، آپ نے پسینہ بہایا اور محنت کی، اس کا مطلب یہ ہے

کہ آپ نے کچھ استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے آپ کو پیسہ ملا۔ وہ کہنے لگا، جی ہاں میں نے عقل استعمال کی۔ میں نے کہا، اب بتاؤ کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ عقل نہ دیتے تو کیا یہ مال کما سکتے تھے؟ کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے عقل دی، اصل میں مال بھی اسی نے دیا۔ بالآخر وہ کہنے لگا، جی اب میری سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے کہ دینے والا اللہ ہی ہے۔

غنی کسے کہتے ہیں؟

اردو میں تو غنی اس کو کہتے ہیں جو بہت مالدار ہو لیکن شریعت کی نظر میں غنی اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہو جائے۔ یعنی وہ یہ کہے کہ جو کچھ مجھے مالک نے دیا ہے میں اس پر راضی ہوں۔ جس کے پاس زیادہ مال ہو اسے دیکھ کر کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زیادہ دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو نصیب کرے اور جو مجھے دیا ہے اللہ اس میں برکت دے۔

سبق آموز نصیحتیں

چونکہ پہلے زمانے میں ماں باپ بھی دین کا علم رکھتے تھے اس لیے وہ اپنے تجربات کی روشنی میں اپنے بچوں کو نصیحتیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت لقمان علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹے کو قیمتی نصیحتیں فرمائیں۔ وہ افریقہ میں رہتے تھے۔ رنگ کے کالے تھے مگر دل کے بڑے منور تھے...... افریقہ کے ملکوں میں دو ہستیاں ایسی گزری ہیں جنہوں نے آسمان کے تاروں کی طرح چمکتی ہوئی زندگی گزاری ہے۔ ایک لقمان علیہ السلام اور دوسرے بلال حبشی رضی اللہ عنہ۔ اس لیے افریقہ میں رہنے والے لوگ ان دو حضرات کا اکثر تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک کو اللہ رب العزت نے حکمت سے نوازا اور دوسرے کو اللہ رب العزت نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نوازا

......حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحتیں کرتے ہوئے فرمایا،

(۱)...... بیٹا! دنیا کیلئے اتنی محنت کر جتنا تو نے دنیا میں رہنا ہے ...... دنیا میں تو انسان سو پچاس سال رہتا ہے اور آخرت میں اربوں کھربوں سال بلکہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

(۲)...... بیٹا! تو اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کر جتنا تو اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔......اب خود اندازہ کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کتنے محتاج ہیں۔ سو فیصد محتاج ہیں، ہر کام اور ہر معاملے میں ہم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم خوب ڈٹ کر عبادت کریں۔

(۳)...... بیٹا! گناہوں پر اتنی جرأت کرنا جتنا تم میں عذاب سہنے کی طاقت ہو ہم کیا عذاب سہہ سکتے ہیں؟ ہم بالکل عذاب نہیں سہہ سکتے۔ ہم تو دھوپ کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے بھلا جہنم کی گرمی کیا برداشت کریں گے۔ اگر ہمیں کوئی ایک بندے کے سامنے جھڑک دے تو اسی وقت حالت بدل جاتی ہے لیکن قیامت کے دن اللہ رب العزت ساری مخلوق کے سامنے اس بندے کو شرمندہ فرمائیں گے۔ کبھی جلتی ہوئی آگ کے قریب ہاتھ لے جائیں تو سمجھ آجائے گی کہ جہنم کی آگ میں جا کر کیا بنے گا۔

(۴)...... بیٹا! دوزخ سے بچنے کی اس وقت تک کوشش کرنا جب تک اس سے بچنے کا یقین نہ ہو جائے۔

(۵)...... بیٹا! اگر تم نے گناہ کرنا ہو تو پھر اس کے لیے ایسی جگہ ڈھونڈنا جہاں پر پروردگار نہ دیکھتا ہو۔

مقدر کا رزق ضرور ملتا ہے:

اللہ رب العزت اپنے سب بندوں کو رزق دیتے ہیں۔ مسلمان کو بھی دیتے

ہیں اور کافر کو بھی دیتے ہیں ۔ نیک کو بھی دیتے ہیں اور فاسق و فاجر کو بھی دیتے ہیں۔ یہ ایک پکی بات ہے کہ

اَلنَّصِیْبُ یَصِیْبُ [جو نصیب میں ہے وہ پہنچ کر رہے گا]

یاد رکھیں کہ انسان کی قسمت کا رزق خواہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہو یا سمندروں کی گہرائیوں میں ہو وہ اسے مل کر رہے گا...... جس طرح موت کا آنا یقینی امر ہے اسی طرح موت سے پہلے پہلے اپنی قسمت کا رزق کھانا بھی یقینی امر ہے ۔ جس طرح موت آئے بغیر نہیں رہتی اسی طرح رزق بھی ملے بغیر نہیں رہتا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر کسی انسان کا رزق پہاڑوں کے دامن میں ہے تو جب تک وہ پانی کا آخری قطرہ نہیں پی لے گا اس وقت تک اس کو موت نہیں آئے گی۔

کتا اپنے رزق تک کیسے پہنچا؟

ایک مرتبہ ہمیں لاہور سے خانیوال جانا تھا۔ ہم وہاں سے صبح کے وقت روانہ ہوئے ۔ گرمیوں کے موسم میں صبح کے وقت نیند زیادہ آتی ہے۔ ہم نے گاڑی کے ڈرائیور سے کہا کہ وہاں ہم نے ایک میٹنگ میں پہنچنا ہے اس لیے گاڑی ذرا تیز چلانا اور احتیاط بھی کرنا۔ اس نے کہا، جی آپ فکر نہ کریں ۔ یہ عاجز پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر میٹنگ سے متعلقہ کتاب کا مطالعہ کرنے لگا ۔ وہ گاڑی کو تیز بھگانے لگا کیونکہ سڑک بھی خالی تھی ۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ اس نے ایک جگہ پر اچانک زور سے بریک لگائی ۔ جب اس نے بریک لگائی تو ٹھاہ کی سی آواز آئی ۔ مجھے محسوس ہوا کہ گاڑی کسی چیز میں لگی ہے ۔ چنانچہ میں نے ڈرائیور سے پوچھا، بھئی ! کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا، جی اچانک ایک کتا آگے آ گیا تھا، میں نے بچانے کے لیے بڑی تیز بریک

لگائی مگر لگتا ہے کہ وہ نیچے آگیا ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو مجھے کتا نظر نہ آیا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ ممکن ہے کہ نیچے آگیا ہو۔

اس کے بعد گاڑی آگے بھاگتی رہی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے کہ گاڑی کے ڈرائیور کو نیند آرہی ہو۔ چنانچہ اس عاجز نے اس سے کہا کہ اگر راستے میں چائے کا کوئی ریسٹورنٹ نظر آئے تو گاڑی روک لینا میں آپ کو ''ڈرائیور چائے'' کا ایک کپ پلاؤں گا تاکہ باقی سفر اچھا گزرے۔ تقریباً پچیس کلومیٹر کے بعد جا کر اس نے گاڑی روکی۔ جب اس نے گاڑی روکی تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں ذرا دیکھوں تو سہی کہ کتا کہاں لگا تھا۔ چنانچہ میں گاڑی سے اترا اور آگے کی طرف آ کر دیکھا تو وہ کتا گاڑی کے بونٹ پر بالکل آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے جب اسے دیکھا تو وہ بھی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پہلے تو وہ سہما ہوا تھا پھر وہ نیچے اتر آیا۔ قریب ہی ریسٹورنٹ والوں نے ہڈیوں کا ڈھیر لگایا ہوا تھا۔ اس کتے نے وہاں جا کر ہڈیاں چبانا شروع کر دیں ...... اس وقت مجھے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا رزق وہاں رکھا ہوا تھا اور پچیس کلومیٹر کا سفر اس کے لیے طے کرنا بہت مشکل تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے سواری کا بندوبست کر دیا۔

ہوا یہ تھا کہ جب ڈرائیور نے گاڑی کو بریک لگائی اور کتے نے چھلانگ لگائی تو وہ بونٹ کے اوپر بیٹھ گیا۔ اتنے میں گاڑی چلنا شروع ہو گئی۔ چنانچہ یہ وہیں بیٹھا رہا اور اللہ تعالیٰ نے اسے پچیس کلومیٹر کا سفر طے کروا دیا۔

جسے اللہ رکھے:

ایک دفعہ ہم ایک بڑی گاڑی پر چنیوٹ روڈ سے جھنگ کی طرف آ رہے تھے۔ دن کا وقت تھا۔ سڑک بھی اچھی تھی اس لیے ڈرائیور صاحب بھی گاڑی

خوب تیز چلا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ جب ہم ایک جگہ کے قریب آئے تو وہاں پر دو کتے ایک دوسرے کے ساتھ سڑک پر کشتی کرتے نظر آئے۔ وہ ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ اب ڈرائیور نے بریک تو لگائی اور ایک طرف سے گاڑی نکالنے کی کوشش کی لیکن وہ بھی اچھلتے ہوئے ادھر ہی آ گئے۔ جب وہ بھی ادھر آئے تو ہماری بڑی گاڑی ان کتوں کے اوپر سے یوں پاس ہوئی جیسے سپیڈ بریکر کے اوپر سے گزر جاتی ہے۔ جب کتوں کے اوپر سے پاس ہوئی تو میں نے سمجھا کہ کتے مر گئے۔ کیونکہ گاڑی بہت بڑی تھی اور اندر چار پانچ بندے بھی تھے۔ اس کے علاوہ میرا سامان بھی ماشاء اللہ بہت سارا ہوتا ہے اور گاڑی کا اپنا وزن بھی تھا۔ میں نے ڈرائیور صاحب سے کہا کہ لگتا ہے کہ آپ گاڑی میں بیٹھتے وقت کی دعا نہیں پڑھتے، اگر سٹیرنگ پر بیٹھتے وقت دعا پڑھا کریں تو ایسے کام نہ ہوا کریں۔ وہ کہنے لگے، حضرت! میں نے تو بڑی احتیاط کی تھی۔ واقعی انہوں نے احتیاط بھی بہت کی تھی اور بریک بھی لگائی تھی۔ جب میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو ان میں سے ایک کتا مجھے بھاگتا ہوا نظر آیا۔ وہ گاڑی کے نیچے سے نکل کر بھاگ گیا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو کہا کہ ان میں سے ایک تو بچ گیا ہے۔ جب ایک کے بچنے کا پتہ چلا تو ہم سب کا افسوس کچھ کم ہو گیا کہ ان میں سے ایک تو بچ گیا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے پھر گاڑی تیز بھگا دی۔ چلتے چلتے جب کچھ میل آگے چلے تو ایک جگہ پر لوگ ہمارے پہیے کی طرف اشارہ کرنے لگے۔ ڈرائیور صاحب بھی سمجھ گئے۔ انہوں نے لوگوں سے اشارہ کر کے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ لوگ پھر پہیے کی طرف اشارہ کرنے لگے۔ ہم نے ان سے کہا کہ گاڑی روک کر دیکھو کہ کیا مسئلہ ہے۔ انہوں نے گاڑی روک کر دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔ میں

نے ان سے کہا کہ گاڑی کو بیک کر کے دیکھو۔ جب وہ بیک کرنے لگے تو پھر بریکر کے اوپر سے گاڑی ٹھاہ کر کے نیچے گری۔ میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ ساتھ ایک بندہ کھڑا تھا۔ اس نے بھی اشارہ کیا۔ میں نے کہا کہ لگتا ہے کہ پھر کوئی کتا نیچے آ گیا ہے۔ جب ہم نے گاڑی پیچھے کی تو ہم نے دیکھا کہ دوسرا کتا بھی اٹھ کر بھاگا جا رہا تھا...... آج تک ہمیں یہ سمجھ نہیں آئی کہ نہ تو پہلے کتے کو زخم آیا اور نہ ہی دوسرے کو آیا، حالانکہ پہلے کتے کے اوپر سے بھی گاڑی گزری اور دوسرے کتے کے اوپر سے بھی گاڑی گزری۔ یہ بھی پتہ نہ چلا کہ وہ دوسرا کتا چند میل تک گاڑی میں کہاں چپکا رہا اور اللہ نے اسے کیسے بچایا۔ میں نے کہا، میرے مولا! واقعی جس کی تو حفاظت کرنا چاہے اس کو تو محفوظ کر ہی لیا کرتا ہے۔

مرغی کا رزق:

ایک صاحب گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ وہ بزنس کے سلسلے میں کوئٹہ میں رہتے تھے۔ ایک دن اس کا بچہ چنے کھا رہا تھا...... بچے بہت شرارتی ہوتے ہیں۔ خواہ بندے کا بچہ ہو، خواہ بکری کا بچہ ہو، خواہ نر کا بچہ ہو۔ یہ کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں...... وہ چنے آرام سے کھانے کی بجائے ایک دانہ لیتا، اسے منہ کی طرف اچھالتا اور پھر منہ کے ساتھ کیچ کرتا۔ وہ اسی طرح گیم بنا کر کھاتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ ایک دانہ اس کی ناک میں چلا گیا۔ اس نے دانہ نکالنے کیلئے ناک میں انگلی ڈالی تو وہ اور آگے چلا گیا۔ وہ بھاگ کر اپنی امی کے پاس آیا۔ اب اس نے نکالنے کی کوشش کی تو وہ اور آگے چلا گیا۔ جب دانہ اچھی طرح آگے چلا گیا تو اب اس نے رونا شروع کر دیا۔

انہوں نے اسی دن تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ایک شادی میں شرکت کیلئے گوجرانوالہ آنا تھا۔ کوئٹہ سے لاہور کی فلائیٹ پر آنا تھا۔ جب میاں گھر آئے تو

بیوی نے کہا کہ بچے کی ناک میں ایک دانہ پھنس گیا ہے یہ رو رہا ہے، اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ اس نے کہا کہ اس نے شرارت کی ہے، لہٰذا اب یہ مزہ بھی چکھ لے۔ اگر میں اسے یہاں کسی ڈاکٹر کے پاس لے گیا تو فلائیٹ لیٹ ہو جائے گی۔ آپ اس سے کہیں کہ ا گ تا وقت پہلے گزار لیا ہے تو دو گھنٹے اور صبر کر لے، میں اسے گوجرانوالہ میں فلاں کزن کے پاس لے جاؤں گا اور وہاں سے یہ نکلوا دوں گا۔ چنانچہ وہ سب ایئر پورٹ پر پہنچے۔ وہ کوئٹہ سے لاہور گئے اور لاہور سے ایک گھنٹہ کے بعد گوجرانوالہ پہنچ گئے۔

اب وہ اپنے بچے کو لے کر اپنے کزن کے پاس گیا۔ اس کی بیوی نے دروازہ کھولا اور اسے بٹھا کر کہنے لگی کہ وہ باتھ روم گئے ہیں آپ چند منٹ انتظار کریں، وہ ابھی آجاتے ہیں۔ یہ وہاں ابھی انتظار کر رہے تھے کہ اتنے میں اس بچے کو ایسی زوردار چھینک آئی کہ وہ دانہ باہر آ گرا۔ اس ڈاکٹر صاحب کے گھر میں ایک مرغی پھر رہی تھی، اس نے لپک کر وہ دانہ کھا لیا...... وہ دانہ دراصل اس مرغی کا رزق تھا اور کوئٹہ میں پڑا ہوا تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ دانہ وہاں پہنچانا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے کارگو کے طور پر استعمال فرمالیا۔

خواجہ بایزید بسطامیؒ کا بھرپور اعتماد:

تو یہ سو فیصد پکی بات ہے کہ جو رزق بندے کو ملنا ہوتا ہے وہ مل کر رہے گا۔ وہ رزق اگر پہاڑ کے نیچے بھی ہو گا تو اس کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ اسے استعمال نہیں کر لے گا۔ رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد ہونا چاہیے۔ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ خواجہ بایز بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ مجھے رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ پر اتنا بھروسہ ہے کہ اگر ساری زمین تانبے کی بنا دی جائے اور ساری مخلوق کو میرا کنبہ بنا

دیا جائے اور آسمان سے ایک قطرہ بھی بارش نہ ہو تو بھی مجھے کوئی غم نہیں کہ یہ کہاں سے کھائیں گے، کیونکہ جس پروردگار نے رزق کا ذمہ لیا ہے وہ کہیں نہ کہیں سے ضرور ان کو رزق پہنچا دے گا۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا،

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا

(اور زمین میں جو بھی ذی روح چیز ہے اس کے رزق کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے)

پردۂ غیب سے کھانے کا انتظام

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب قبیلہ اشعریین کے لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو ان کا زادراہ ختم ہو چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ ان کے کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام فرما دیں۔ وہ آدمی جب نبی علیہ السلام کے در اقدس پر پہنچا تو اندر سے نبی علیہ السلام کی تلاوت کی آواز آئی۔ آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود: 6)

یہ آیت سنتے ہی اس کے دل میں خیال آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح شے کا رزق اپنے ذمے لیا ہے تو پھر ہم بھی اللہ کے نزدیک دوسرے جانوروں سے گئے گزرے نہیں ہیں، وہ ضرور ہمارے لیے بھی رزق کا بندوبست فرما دیں گے۔ چنانچہ وہ وہیں سے واپس چلا گیا اور نبی علیہ السلام کو کچھ نہ بتایا۔ لیکن واپس جا کر اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ خوش ہو جاؤ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد آ رہی ہے۔ اس کے ساتھیوں نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ اس نے اپنی حاجت نبی ﷺ کو بیان کر دی ہے اور اللہ کے محبوب ﷺ نے انتظام کرنے کا وعدہ فرما لیا

ہے۔ وہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے۔

وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ دو آدمی ایک بڑا سا برتن لے کر آئے جو گوشت اور روٹیوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ دونوں آدمی کھانا دے کر چلے گئے۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ لیکن ابھی بہت سا کھانا بچ گیا۔ انہوں نے سوچا کہ یہ بچا ہوا کھانا نبی ﷺ کی خدمت میں واپس بھیج دیا جائے تا کہ ضرورت کے وقت استعمال ہو سکے۔ چنانچہ دو آدمی کھانا لے کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہ سب حضرات نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کا بھیجا ہوا کھانا بہت مزیدار تھا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو کوئی کھانا نہیں بھیجا۔ تب انہوں نے تفصیل بتائی کہ ہم نے اپنے فلاں ساتھی کو آپ کی طرف بھیجا تھا اور اس نے ہمیں آ کر یہ بتایا تھا۔ چنانچہ ہم یہی سمجھے کہ آپ نے کھانا بھیجا ہے۔ یہ سن کر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ میں نے نہیں بلکہ اس پروردگار نے آپ کا رزق بھیجا ہے جس نے ہر ذی روح شے کا رزق اپنے ذمے لیا ہے...... اللہ اکبر!!!

پودے کی خوراک:

ہم نے ایک ملک میں پھول دیکھا۔ اس کے اندر شہد کی مانند بہت ہی میٹھا رس تھا۔ وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ یہ اسی طرح کھلا رہتا ہے اور جب کوئی چڑیا یا کوئی اور پرندہ اس کے رس کو اندر سے کھانے لگتا ہے تو اس کی پتیاں بند ہو جاتی ہیں اور وہ پرندہ وہیں پر قابو میں آ جاتا ہے، پھر گل سڑ جاتا ہے اور اس پرندے سے خوراک لے کر یہ پودا زندہ رہتا ہے...... اللہ اکبر...... تو رب کریم جہاں سے چاہیں بندے کو رزق پہنچاتے ہیں۔ بندے کو پتہ نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ پہنچا دیتے ہیں۔ جب کہ بندے کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی نافرمانی کر

رہا ہوتا ہے۔

گناہوں کے باوجود چار نعمتیں جاری رہتی ہیں

دیکھیں، اگر ہم نے کسی کا ماہانہ وظیفہ لگایا ہوا ہو اور وہ ہماری نافرمانی کرنا شروع کر دے تو ہمارا فیصلہ یہ ہوگا کہ ہم اس کا وظیفہ بند کر دیں گے۔ یا ہم اس سے یہ کہیں کہ آپ نے یہ کام نہیں کرنا اور وہ وہی کام کر رہا ہو اور ہم اسے دیکھ لیں تو ہمارا پہلا فیصلہ یہ ہوگا کہ اب آج سے اس کی امداد بند ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ وہ حلیم ہیں یعنی حوصلے والے ہیں۔ وہ ہماری کوتاہیوں کے باوجود ستاری کا معاملہ فرماتے ہیں۔

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اتنے حلیم ہیں کہ بندہ گناہ کرتا ہے مگر اس کے باوجود وہ اسے چار نعمتوں سے محروم نہیں کرتے۔

(۱) کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کا رزق بند نہیں کرتے۔

(۲)......کبیرہ گناہ کرنے کے باوجود اللہ رب العزت اس سے صحت فوراً نہیں چھینتے۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ اِدھر بندہ چوری کرتا اور اُدھر اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کو شل کر دیتے۔

(۳)...... بندہ کبیرہ گناہ کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے فوراً رسوا نہیں فرماتے بلکہ اس کی پردہ پوشی فرما دیتے ہیں۔

(۴)......اللہ رب العزت اس گنہگار آدمی کی فوری طور پر پکڑ نہیں فرماتے۔اس کو مہلت دیتے ہیں کہ شاید میرا بندہ توبہ کر لے۔

تو گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ بندے کے لیے یہ چار نعمتیں جاری رکھتے ہیں۔ یہ اس کی رحمت نہیں تو اور کیا ہے۔

اللہ کو ناراض کرنے والی باتیں

تین باتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ ناراض کرتی ہیں۔

(۱) احکام الٰہی میں کوتاہی کرنا

جو بندہ احکام الہی کو کو ہلکا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے سے سخت ناراض ہوتے ہیں۔ ایسا بندہ احکام الٰہی کو آرام سے توڑ دیتا ہے۔ اس کو اتنا بھی احساس نہیں ہوتا کہ میں کس خالق و مالک کی حکم عدولی کرر ہا ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا (البقرة: 187)

(یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ)

(۲) اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنا

دوسرا وہ بندہ ہے جو دعا تو مانگے مگر ساتھ ہی یہ کہنا شروع کر دے کہ وہ تو ہماری سنتا ہی نہیں۔ ہماری دعائیں تو قبول ہی نہیں ہوتیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے سخت ناراض ہوتے ہیں کہ مانگتا بھی ہم سے ہے اور پھر کہتا ہے کہ ہماری تمنا پوری نہیں ہوتی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا یہ شکوہ کرنا قطعاً ناپسند فرماتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہ ہونا

ایسے بندے پر بھی اللہ تعالی سخت ناراض ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا۔ قرآن عظیم الشان میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ (الزخرف: 32)

[ہم نے ان کے درمیان معیشت (روزی) کو خود تقسیم فرمایا ہے]

جب اللہ تعالیٰ تقسیم کریں تو بندوں کو چاہیے کہ اس پر راضی ہو جائیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر ناراض ہوتا ہے پھر اللہ رب العزت اس بندے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ جب بندہ حسد کرتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر ناراضگی کی وجہ سے کرتا ہے۔ اللہ رب العزت کسی کو زیادہ رزق دے دیتے ہیں تو وہ اندر ہی اندر جل رہا ہوتا ہے۔ اس کا اندر ہی اندر آگ میں جلنا گویا اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ ناپسند ہے...... گھر میں اگر باپ کوئی چیز لائے اور اپنی مرضی سے بچوں میں تقسیم کر دے تو وہ امید کرتا ہے کہ بچے میری تقسیم پر خوش ہو جاہیں گے اور اگر کوئی بچہ باتیں بنانے لگے تو باپ کا دل کرتا ہے کہ آئندہ اس کو کچھ بھی نہیں دینا حاسد بندہ اللہ رب العزت کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا اس لیے حسد کر رہا ہوتا ہے۔ اور جس کو اللہ رب العزت کی تقسیم پر رضا نصیب ہو وہ کسی پر حسد نہیں کرتا...... کسی کو رزق ملے...... کسی کو عزت ملے...... کسی کو صحت ملے...... کسی کو شان ملے...... تو وہ اس سے حسد نہیں کرتا بلکہ اس سے خوش ہوتا ہے۔

رزق میں دو طرح کی مہربانی

تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ حضرت جعفر بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی بندوں پر دو طرح کی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک ذی روح کو اس کے مناسب حال غذا اور ضروریات عطا فرماتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ کسی کو اس کا عمر بھر کا پورا رزق ایک ہی وقت میں نہیں دے دیتے۔ اگر بیک وقت دے بھی دیتے تو اوّل تو اس کیلئے اس کی حفاظت کرنا بھی مشکل ہو جاتی اور دوسرا یہ کہ وہ جتنی بھی حفاظت کر لیتا وہ پھر

بھی سڑنے اور خراب ہونے سے نہ بچ پاتا۔

رزق ملنے کے اسباب

جہاں تک رزق کا تعلق ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ دے ہی دیتے ہیں۔ ضروری نہیں ہوتا کہ بڑے بڑے کاروبار کرنے والوں کو ہی اللہ تعالیٰ رزق دیں۔ رزق کا معاملہ جدا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ان پڑھ لوگوں کو بھی وافر مقدار میں رزق دے دیتا ہے۔ مجھے ایک صاحب حج کے موقع پر ملے۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے ہسپتال بنانے کیلئے کروڑوں روپے مختص کیے ہیں۔ یہ سن کر ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ یہ فلاحی کام کر رہا ہے۔ پھر اس نے اپنے کاروبار کی تفصیل بھی بتائی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں سارے گروپ کے لیے ایک ورق بنوانا پڑا۔ چونکہ وہ ہمارے ہی گروپ میں تھا اس لیے میں نے اسے کہا کہ آپ ہی لے لیں۔ وہ کہنے لگا، جی یہاں میرے انگوٹھے پر سیاہی لگا لیں۔ میں نے اس سے پوچھا، کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا، مجھے سائن کرنے نہیں آتے۔ چنانچہ اس کروڑوں پتی آدمی نے وہاں انگوٹھے کا ٹھپہ لگایا اور کاغذ وصول کیا۔

☆ کسی کو چاہتا ہے تو حلیم چاول کے ذریعے رزق دے دیتا ہے۔

☆ کسی کو چاہتا ہے تو مرغ پلاؤ کے ذریعے رزق دے دیتا ہے۔

☆ کسی کو چاہتا ہے تو قلفی کے ذریعے رزق دے دیتا ہے۔

☆ ہم نے ایک ایسے بندے کو دیکھا جس کو اللہ تعالیٰ نے لسی کے ذریعے رزق دیا ہوا ہے۔ اس نے لسی کے ٹینک بنائے ہوئے تھے۔ مشینوں کے ذریعے لسی بن رہی تھی اور ٹینکوں میں آ رہی تھی۔ گھر میں پانی کا جو پمپ لگایا جاتا ہے وہ اس نے لگایا ہوا تھا اور اس سے آگے اس نے دس پندرہ ٹوٹیاں لگائی ہوئی تھیں۔ وہ ٹوٹی کھولتا اور گلاس میں لسی بھر کر دے دیتا۔ وہاں لائن لگی ہوتی تھی۔ ہم نے وہاں تقریبا

اڑھائی سو بندوں کی لائن دیکھی ...... اللہ تعالیٰ اس کو لسی کے ذریعے رزق دے رہا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ کیا کاروبار کرتے ہو تو کہتا ہے کہ لسی کا کاروبار کرتا ہوں۔

☆ اس عاجز سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب ہیں۔ ان کا چائے کا کھوکھا ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ کھوکھے سے روزانہ سو دو سو روپے مل جاتے ہوں گے۔ لیکن اس نے ایک مرتبہ اپنے حالات لکھے تو میں حیران ہوا۔ اس نے لکھا کہ چائے کے کھوکھے سے روزانہ کی بکری بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) روپے ہوتی ہے۔ جس کی روزانہ بارہ ہزار روپے کی سیل ہو اس کا منافع کتنا ہوگا۔

یہ سب رزق کے اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنا دیئے ہیں۔ کسی کیلئے کوئی سبب اور کسی کیلئے کوئی سبب۔ ہمیں کسی سے حسد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم رزق کی پریشانی میں مبتلا ہیں تو بجائے اس کے کہ ہم لوگوں پر نظر اٹھائیں ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا دامن پھیلائیں۔ جو پروردگار باقی مخلوق کو روزی دے سکتا ہے وہ یقیناً ہمیں بھی عطا فرما سکتا ہے۔

مقصد زندگی اور ضرورت زندگی

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا،

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ٥

(المؤمنون: 115)

(کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا اور یہ کہ تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذٰریت : 56)

(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے)

ان آیات سے پتہ چلا کہ انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ رب العزت کی عبادت ہے۔ ایک انسان کا مقصد ہوتا ہے اور ایک انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کیسی پیاری تقسیم فرمائی۔ مقصد زندگی کو پورا کرنا انسان کے ذمے کر دیا اور ضرورت زندگی کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا۔ مقصد زندگی کے حصول کیلئے انسان اللہ رب العزت کی عبادت کرتا ہے اور ضروریات زندگی میں انسان کا رزق آتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (هود 6)

(اور زمین میں جو بھی ذی روح چیز ہے اس کے رزق کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے)

انسان جب تک اپنے مقصد کو پورا کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتوں کو پورا کرتے رہتے ہیں اور جب انسان مقصد کو پورا کرنا چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتوں کو پورا کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

رزق ملنے کے دو طریقے

رزق ملنے کے دو طریقے ہیں ......اس کو مثال سے سمجھیں ......بعض اوقات مرغی کا مالک کسی پیالے میں دانے ڈال کر سامنے رکھ دیتا ہے۔ وہ جب چاہتی ہے پیالے سے دانے کھا لیتی ہے۔ اور بعض اوقات مالک اپنے ہاتھ میں گندم کے دانے لے کر ان کو پھینک دیتا ہے اور وہ دانے پھیل جاتے ہیں۔ وہ سارا دن

دانے چگتی رہتی ہے۔ اس طرح مرغی کو رزق تو اتنا ہی ملتا ہے جتنا پیالے میں ملنا تھا لیکن اس طرح اسے سارا دن ایک ایک دانہ چگنا پڑتا ہے اور اس کی خاطر سر جھکانا پڑتا ہے۔ یہی فرق ہے۔ جو انسان نیکی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رزق پیالے میں ڈال کر دے دیتے ہیں اور وہ آسانی کے ساتھ اس رزق سے فائدہ اٹھاتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے اور غفلت کا شکار رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا رزق پھیلا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سارا دن چگتا رہ۔ وہ بیچارہ صبح سے شام تک بازار میں دھکے کھاتا رہتا ہے، دفتروں میں دھکے کھاتا ہے، سائیکل بھگاتا ہے، موٹر سائیکل بھگاتا ہے، کاریں بھگاتا ہے اور شام تک تھک جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ کیا کریں، ہم گھر کے جتنے فرد ہیں سب نوکری کرنے والے ہیں اور خرچے پھر بھی پورے نہیں ہوتے۔ یاد رکھیں کہ پروردگار نے جو رزق دینا ہوتا ہے وہ لکھا گیا ہے۔ اگر انسان اس رزق کو حلال طریقے سے حاصل کرے گا تو وہی ملے گا اور اگر وہ جلد بازی کر کے حرام طریقے سے کمائے گا تو پھر بھی اتنی ہی مقدار ملے گی جو پہلے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔ لیکن ٹھپہ لگ جاتا ہے کہ اس نے حرام کمایا ہے۔

موجودہ دور میں حصول رزق میں آسانیاں

رزق کے معاملے میں جتنی آسانیاں آج ہیں اتنی پہلے کبھی نہیں تھیں۔ آپ پورے محلے میں سے کوئی گھر ایسا نہیں دکھا سکتے جس میں پورا دن چولہے میں آگ نہ جلتی ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تین دفعہ پکنے کی بجائے دو دفعہ پکا ہو، یا با مر مجبوری دو دفعہ کی بجائے ایک دفعہ پکا ہو۔ ایسا گھر شاید ہی کوئی ہوگا جس میں پورا دن چولہے میں آگ جلانے کی نوبت ہی نہ آئے...... الا ماشاءاللہ...... بلکہ ہم لوگ کچھ زیادہ ہی نازونعمت کے پلے ہوئے ہیں۔ آجکل اکثر گھروں میں پسند کے کھانے پکتے

ہیں۔عورتیں مردوں سے پوچھتی ہیں کہ آج کیا پکانا ہے۔ یہ جو پوچھتی ہیں کہ آج کیا پکانا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پسند کے کھانے پکتے ہیں، اس کے سامنے چوائس ہوتا ہے، چاہیں تو یہ پکا لیں گے اور چاہیں تو وہ پکا لیں گے، اسی کو تو پسند کا کھانا کہتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں کیا حالت تھی؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں دو دو مہینے چولہے کے اندر آگ نہیں جلا کرتی تھی حتی کہ چولہے کے اندر گھاس اگ آیا کرتی تھی۔اب بتائیں کہ چولہے کے اندر گھاس کب اگتی ہے؟ جب کئی کئی ماہ آگ نہ جلے تب ہی گھاس اگتی ہے۔آپ فرماتی ہیں کہ دو کالی چیزوں پر ہمارا گزارا ہوتا تھا۔ایک کھجور اور ایک پانی۔آج کے دور میں تو ہم تصور ہی نہیں کر سکتے ۔لیکن جتنے شکوے رزق کے بارے میں آج پروردگار کے ہیں اتنے پہلے کبھی نہیں تھے۔ ہر بندے کی زبان پر شکوہ ہے۔تین ٹائم کھانے والے کی زبان پر بھی اللہ کا شکوہ ہے اور درمیان میں تین دفعہ چائے پینے والے کی زبان پر بھی اللہ کا شکوہ ہے۔وہ تین دفعہ کھانا کھاتا ہے اور تین دفعہ چائے کے نام پر بسکٹ کھاتا ہے اور پھر اس کے بعد شکوے کرتا ہے کہ رزق کی بڑی تنگی ہے۔

ہمارے ذمے حق بندگی ادا کرنا تھا۔ ہم وہ ادا نہیں کرتے اور جو اللہ نے اپنے ذمے لی تھی اس کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ہمیں کوئی کم عقل اور بے وقوف نہ کہے تو اور کیا کہے۔اگر انسان اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے دیتے ہیں اور اگر کوئی خلاف شرع کام کرتا ہے تو رزق کی برکت کو ہٹا لیتے ہیں۔جو انسان اللہ تعالیٰ کو راضی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عافیت والا رزق دیں گے اور جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو الجھا

دیں گے اور پھر وہ رزق کے پیچھے جوتیاں چٹخاتا پھرے گا۔

رزق کے بارے میں انسان کی پریشانی

جب پروردگارِ عالم نے سب کے رزق کا ذمہ لیا ہے تو وہ رزق پہنچاتا ہے لیکن انسان اس کے لیے پریشان ہوتا ہے جبکہ باقی مخلوق پریشان نہیں ہوتی۔ کوئی پرندہ ایسا نہیں جو اپنے رزق کو جمع کر کے رکھے۔

پلے رزق نہیں بنھدے پکھو تے درویش
جنہاں تقیہ رب دا انہاں رزق ہمیش

جن کی اللہ پر توکل ہوتی ہے انہیں ہمیشہ رزق ملتا ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بلی اور چوہے تو کھائیں اور جو اللہ رب العزت کا نائب اور خلیفہ ہے وہ بھوکا رہے۔ اس لیے یہ تنگی اور پریشانی اکثر و بیشتر ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ورنہ جو پروردگار عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو من وسلوٰی کھلا سکتا ہے کیا وہ امت محمدیہ کو من وسلوٰی نہیں کھلا سکتا۔ رزق کے بارے میں ہمیشہ یہ گمان رکھیں کہ میرا رزق بندوں کے ذمے نہیں بلکہ پروردگار کے ذمے ہے۔ بندے بھول سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نہیں بھول سکتے۔ آپ نے ایک اژدھے کے بارے میں سنا ہوگا۔ وہ آنکھوں سے اندھا تھا اور ایک کوا اس کے منہ میں پانی ڈالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو یوں رزق پہنچاتے تھے۔

کوّے کے بچوں کی پرورش

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ کوے کے بچے جب نکلتے ہیں تو ان کے بدن پر بال اور پر سفید ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر کوا ان سے نفرت کر کے بھاگ جاتا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد ان پروں کی رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے۔تب ان کے ماں باپ آتے ہیں اور ان کو دانہ وغیرہ دیتے ہیں۔ان ابتدائی دنوں میں جب ان کے ماں باپ ان چھوٹے بچوں سے متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور ان کے پاس بھی نہیں آتے اس وقت اللہ تعالیٰ چھوٹے چھوٹے مچھر ان کے پاس بھیج دیتے ہیں اور وہی مچھر ان کی غذا بن جاتے ہیں۔

مولوی بن کر کھاؤ گے کہاں سے

کیا آپ میں سے کسی نے کسی ایسے بندے کو دیکھا ہے جو یہ کہے کہ میں نے بڑی مسجدیں اور بڑے مدرسے بنوائے اور میں بینکر پٹ (دیوالیہ) ہو گیا ہوں۔ یقیناً کوئی بندہ بھی ایسا نہیں مل سکتا اور ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ ایسے ہزاروں حضرات ہیں جو کہ کاروبار کرتے رہے اور کاروبار کرتے کرتے بینکر پٹ (دیوالیہ) ہو گئے۔کاروبار کرتے کرتے دیوالیہ ہونے والوں کی مثالیں ہزاروں ہیں لیکن مسجدیں اور مدرسے بنا کر دیوالیہ ہونے کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔تو پھر بتائیں کہ زیادہ رزق کس لائن پر ملتا ہے۔یقیناً نیکی کی لائن میں اللہ تعالیٰ زیادہ رزق عطا فرماتے ہیں۔جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ علم پڑھ کر مولوی بن جاؤ گے اور پھر کہاں سے کھاؤ گے۔یہ آج کا عام فقرہ ہے۔آپ سوچیں کہ اگر رزق کاروباری لوگوں کے گھروں میں زیادہ ہوتا تو پھر حلوہ بھی انہی کے نام سے منسوب ہوتا، حالانکہ حلوہ تو مولویوں کے نام سے منسوب ہے۔الحمدللہ، دین کا کام کرنے والے لوگوں کو اللہ خشک روٹیاں ہی نہیں کھلاتا بلکہ ان کو دیسی گھی کے بنے ہوئے حلوے بھی کھلاتا ہے۔فرق یہ ہے کہ جو سارا دن رزق کے پیچھے دوڑتے بھاگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے عمل کا بدلہ ان کو دنیا کے اندر دے دیتے ہیں اور جو دین کا کام کر رہے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ پہلے ان کی آخرت بناتا ہے، البتہ کچھ تھوڑا سا

حصہ ان کو دنیا میں بھی دے دیتا ہے۔ اس لیے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرتے ہیں اس کو دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں جس طرح لوگ نزلہ زکام کے مریض کو سردی سے بچایا کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ضرورت کے بقدر رزق دیتے ہیں۔ تاہم اتنا رزق ضرور ملتا ہے کہ ان کو غیر کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوشیوں بھری زندگی عطا فرماتے ہیں۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بچہ بہت ہی ذہین تھا۔ وہ ابھی بہت چھوٹا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے اس کو بلوا کر پوچھا کہ آپ کو عربی اچھی لگتی ہے یا انگریزی؟ وہ کہنے لگا، عربی زبان۔ میں نے پوچھا، آپ کو عربی اچھی کیوں لگتی ہے؟ وہ کہنے لگا، اس لیے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے پھر اس سے پوچھا کہ عربی پڑھ کر تو کھائے گا کہاں سے؟ اس نے یہ سوال سن کر بڑے وثوق سے جواب دیا کہ جب بندہ عربی پڑھتا ہے تو وہ خدا کا ہو جاتا ہے اور جب خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ اسے دو، وہ دیتے ہیں اور یہ کھاتے ہیں۔ میں نے کہا، یہ بھی ٹھیک ہے لیکن لوگ ایسے شخص کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ وہ کہنے لگا، ذلت تو تب ہوتی ہے جب وہ کسی سے مانگتا ہو، وہ مانگتا ہی کب ہے، لوگ تو ہاتھ جوڑ کے دیتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں اس کی ذہانت دیکھ کر حیرت سے اس کا منہ تکتا رہا کہ یہ اتنی چھوٹی عمر میں اتنی سمجھ رکھتا ہے۔ اللہ اکبر۔

انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا گمان کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے۔ اس لیے دین کا کام کرنے والوں کو یہ یقین کر لینا چاہیے کہ ہمیں اللہ اسی راستے سے کھلائیں گے۔ جس راستے سے وہ اپنے انبیاء کو کھلایا

کرتے تھے۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا انبیائے کرام نے دنیا میں آکر دکانیں چلائی تھیں یا دفتروں میں کام کرتے تھے؟ وہ اپنے آپ کو سارا دن اللہ کے دین کے کام کے لیے مصروف رکھتے تھے اور اس دین کے کام کے صدقے اللہ تعالیٰ ان کو رزق بھی عطا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

امام رازی بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ اس وقت آپ کو اپنے گھر والوں کی روزی کا خیال آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ بات اچھی نہ لگی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا،

''اے موسیٰ! اس سامنے والے پتھر پر اپنا عصا مارو۔''

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کو عصا مارا تو وہ پتھر ٹوٹ گیا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ آپ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ اس پتھر کے اندر سے ایک اور پتھر نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس پتھر پر بھی عصا کی ضرب لگاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کو ضرب لگائی تو اس میں سے بھی ایک اور پتھر برآمد ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب اس تیسرے پتھر کو بھی توڑیں۔ چنانچہ جب انہوں نے تیسرا پتھر توڑا تو اس میں سے چیونٹی جیسا چھوٹا سا ایک کیڑا نکلا جس کے منہ میں اس کی خوراک یعنی ایک سبز پتہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجاب اٹھا دیا تو آپ نے دیکھا کہ وہ چھوٹا سا کیڑا زبان حال سے یہ تسبیح بیان کر رہا تھا،

سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ وَ یَسْمَعُ کَلَامِیْ وَ یَعْلَمُ مَکَانِیْ وَ یَذْکُرُنِیْ وَلَایَنْسَنِیْ

(پاک ہے وہ ذات جو مجھے دیکھ رہی ہے، میرے کلام کو سن رہی ہے، میرے قیام کی جگہ کو جانتی ہے، مجھے یاد رکھتی ہے اور مجھے بھولتی نہیں)

اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تسلی دینا مقصود تھا کہ جو اللہ پتھر در پتھر میں رہنے والے کیڑے کو روزی پہنچا رہا وہ ان کے گھر والوں سے غافل کیسے ہو سکتا ہے۔

بالواسطہ اور بلا واسطہ رزق

انسان کو دو طرح سے رزق ملتا ہے...... ایک بالواسطہ اور ایک بلا واسطہ ...... جو رزق بالواسطہ ملتا ہے اس میں کبھی دکان واسطہ بن جاتی ہے، کبھی کاروبار واسطہ بن جاتا ہے، کبھی کھیتی واسطہ بن جاتی ہے اور کبھی کوئی جانور واسطہ بن جاتا ہے۔ اور بلا واسطہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بغیر کسی واسطہ کے رزق پہنچا دیتے ہیں۔ مثلاً کھیتی میں برکت دے دی، کاروبار میں برکت دے دی، جتنی امید تھی کہ اتنے پیسے کما لوں گا اس سے کئی گنا زیادہ کما لیے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اسے براہ راست رزق دیتے ہیں۔ جبکہ بندہ ایسا ہے کہ جن ذرائع سے اسے بالواسطہ رزق ملتا ہے وہاں وہ آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دیتا ہے اور جہاں سے بغیر واسطے کے ڈائریکٹ ملتا ہے اس مصلے پر آٹھ منٹ لگانے کی بھی اسے توفیق نہیں ملتی۔

ایک آدمی نے جمعہ کے دن اپنے کھیت میں پانی لگایا ہوا تھا۔ اسی دوران میں جمعہ کی اذان ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اگر پانی کا انتظام کرتا ہوں تو جمعہ جاتا ہے اور اگر جمعہ پڑھنے جاتا ہوں تو پانی کا کام رہ جائے گا۔ بالآخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں جمعہ پڑھنے جاتا ہوں۔ چنانچہ کھیت کا کام چھوڑ کر جمعہ پڑھنے چلا گیا۔ جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس آیا تو دیکھا کہ کھیت پانی سے بھرا ہوا تھا۔ وہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ پڑوسی اس کے پاس آ کر کہنے لگے کہ عجیب بات ہے کہ ہم اپنے کھیتوں میں

پانی دیتے تھے اور ڈول ٹوٹ ٹوٹ کر تمہارے کھیت میں پہنچ جاتا تھا جس کی وجہ سے تمہارا کھیت پانی سے بھرا ہوا ہے۔

یاد رکھنا کہ جب گھر میں آٹا نہ ہو تو پھر ہر بندہ رو رو کے دعائیں مانگتا ہے، مزہ تو تب ہے جب بوری آٹے کی بھی بھری ہوئی ہو اور پھر بھی رو رو کے مانگ رہا ہو کہ اے اللہ! دینے والے تو آپ ہی ہیں، میں نے تو آپ ہی سے مانگنا ہے۔

ایک مرتبہ ابن عطاء سکندریؒ کو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ میں ایسا رزاق ہوں کہ اگر تو دعا کرے کہ رزق نہ ملے تو پھر بھی دوں گا اور اگر رو رو کر مانگے گا تو کیوں نہ دوں گا۔ سچی بات یہ ہے کہ ہماری نظر اپنی جیب پر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر نہیں ہوتی، جبکہ بندہ مومن کی نظر اللہ کے خزانوں پر ہونی چاہیے اپنی جیب پر نہیں ہونی چاہیے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

اَنۡفِقۡ بِلَالًا وَّ لَا تَخۡشَعۡ مِنۡ ذِیۡ الۡعَرۡشِ اِقۡلَالًا

(اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کا ڈر دل میں نہ رکھو)

اس لیے رزق کے معاملے میں مومن کو قطعاً پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ایک کام ہمارے ذمے ہے کہ ہم رزق کے حصول کے لیے قدم آگے بڑھائیں اور رزق پہنچانے کا کام اللہ کے ذمے ہے۔ جب ہم قدم اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے رزق کا بندوبست فرما دیں گے۔

اچھا یہ بتائیں کہ جو بھاگنے والا گھوڑا ہو اور دوڑ میں بڑے بڑے انعامات جیت کر آئے کیا اس کو چارہ ڈالتے ہوئے مالک کو کبھی دکھ ہوتا ہے؟ اس کو چارہ ڈالتے ہوئے کبھی پریشانی نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس کے لیے عزت، شہرت اور آمدنی کا ذریعہ ہوتا ہے بلکہ مالک کا دل چاہتا ہے کہ یہ اور کھائے۔ اسی طرح جو دین کا کام کرنے والے لوگ ہیں ان کو رزق دے کر اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتے

ہیں۔ وہ اپنے بندے کو غیر کے سامنے رسوانہیں کرتے بلکہ عزت کی روزی دیتے ہیں۔ اس کیلئے شرط یہ ہے کہ بندے کی نظر پروردگار پر ہو غیر پر نہ ہو۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، رزق پہنچانے کا کام اللہ کے ذمے ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ رحمت فرمادیں گے۔ ہاں اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے پھر توقع کریں کہ وہ ہمیں حلوہ کھلائیں تو پھر تو یہ نعمتیں نہیں ملتیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ انسان کو مصیبتوں میں الجھا دیتے ہیں۔ بلکہ اس کو رزق دے کر بھی پریشان کر دیتے ہیں۔ اور اگر انسان کی اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اس بندے کی ضرورتوں کو خود پورا فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عزت رکھ لی:

ایک مرتبہ ہم سفر کر رہے تھے۔ موٹروے پر چڑھے تو چند میلوں کے بعد میں نے ڈرائیور کو دیکھا تو وہ بڑا پریشان تھا۔ وہ کبھی ادھر دیکھتا کبھی ادھر۔ میں نے اس سے پوچھا، جی کیا ہوا ہے؟ وہ کہنے لگا، حضرت! بس آپ توجہ فرماتے رہیں، اللہ کرم کرے گا، اللہ عزت رکھے گا۔ میں نے کہا کہ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کی عزت رکھے۔ اس نے گاڑی خوب تیز بھگائی ہوئی تھی۔ پچاس کلومیٹر کے بعد گیس اسٹیشن آیا۔ اس نے گاڑی گیس اسٹیشن کے اندر داخل کی اور کہا، الحمدللہ الحمدللہ۔ میں نے کہا، کیا بنا؟ وہ کہنے لگا، اللہ نے عزت رکھ لی میں نے کہا، پھر بھی بتاؤ تو سہی کہ اللہ نے کیسے عزت رکھی؟ کہنے لگا، حضرت! میں آپ کو بٹھانے سے پہلے جہاں سے آرہا تھا ادھر سے ہی میری گاڑی کو پٹرول ریزرو لگ گیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ میں گھر جاتے ہوئے راستے میں ہی کہیں سے پٹرول ڈلوالوں گا لیکن میں بھول گیا۔ پھر آپ کا سفر تھا۔ آپ کو بھی بٹھالیا اور موٹروے پر آ گیا۔ جب میری نظر میٹر پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ گاڑی ریزرو کے دوران

جتنے میل چلتی ہے اس سے ڈیڑھ دو گنا میل پہلے ہی چل چکی ہے، لہٰذا اب یہ کہیں بھی بند ہو سکتی ہے، اور جب موٹر وے کے درمیان میں گاڑی بند ہو گی تو پیر صاحب ناراض ہوں گے اور کہیں گے کہ تو ایسا بے وقوف اور غافل آدمی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ خیال آتے ہی میں نے اپنے دل میں یہ دعا مانگی "اے اللہ! میں نے تیرے ایک نیک بندے کو آگے بٹھایا ہوا ہے، تو اس کو پریشانی سے بچالے اور میری عزت کو محفوظ فرما لے، مجھے رسوا نہ کرنا، غلطی کر بیٹھا ہوں"۔ میں نے یہ دعا کر کے سپیڈ پر پاؤں رکھ لیا۔ پہلے میں ۷۰۔ ۶۰ کلومیٹر کی سپیڈ پر جا رہا تھا پھر میں ۱۲۰ کلومیٹر کی سپیڈ پر چل پڑا۔ اور ۱۲۰ کلومیٹر کی سپیڈ پر تب چلا جب مجھے پتہ چلا کہ اندر کچھ نہیں ہے اور میرا خیال تھا کہ میں بمشکل پانچ دس کلومیٹر چلوں گا، حتیٰ کہ پچاس کلومیٹر چلنے کے بعد گیس اسٹیشن آیا اور میں نے الحمد للہ کہا...... سبحان اللہ...... جو بندہ اللہ رب العزت کے سامنے یوں عذر پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور سرخرو فرماتے ہیں۔

مہمان کے آنے پر دل چھوٹا نہ کریں:

بعض اوقات انسان کسی مہمان کے آنے پر دل چھوٹا کر لیتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مہمان کے آنے سے پہلے مہمان کا رزق پہنچا دیتے ہیں۔ یاد رکھنا کہ جو رزق مہمان کھاتا ہے، اسے بندہ اپنی طرف سے نہیں کھلاتا۔ اس کو تو صرف آگ جلانے اور دستر خوان پر کھانا چننے کا ہی ثواب ملتا ہے، باقی مہمان اپنا رزق کھا رہا ہوتا ہے۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ یہ مہمان کا احسان ہوتا ہے کہ وہ گھر آ کر کھا جاتا ہے اور اگر مہمان نہ آتا تو شاید پکا کر اس کے پیچھے کھانا لے جانا پڑ جاتا۔ اس لیے ہمیں رزق کے معاملے میں بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آنے والے مہمان کسی وجہ سے نہیں آ سکتے

اوران کے لیے تیار کیا ہوا کھانا کسی دوسرے کا مقدر بن جاتا ہے۔

مسکینوں کا رزق

ایک ڈاکٹر صاحب کو اپنے کسی دوست کے آنے کا انتظار تھا۔ وہ ان کی خاطر تواضع کے لیے ہوٹل سے کھانا لینے گئے۔ انہوں نے مہمان کے اکرام کیلئے ایک مرغی روسٹ کرنے کیلئے کہا اور خود ہوٹل سے ذرا ہٹکر کھڑے ہو گئے۔ قریب ہی کچھ مسکین لوگ بیٹھے آپس میں باتیں کررہے تھے۔ ان میں سے ایک کہنے لگا، یار! بھوک لگی ہے اب کھانے کا انتظام کہاں سے ہوگا۔ دوسرے نے کہا کہ رزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے وہ خود ہی رزق بھیج دے گا۔ ڈاکٹر صاحب ان کی باتیں سن کر مسکرارہے تھے۔ اور سوچ رہے تھے کہ ان غریب مسکین آدمیوں کا اللہ تعالیٰ پر کس قدر پختہ یقین ہے۔ اچانک ان کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے فون سنا تو وہی دوست کہہ رہے تھے کہ جی میں معذرت چاہتا ہوں، میں آج آپ کے پاس نہیں پہنچ سکتا۔ ڈاکٹر صاحب نے وہ روسٹ کی ہوئی مرغی ان مسکینوں کو دے دی اور وہ خوش ہوکر اسے دعائیں دینے لگے۔

بجٹ کی رات

آج کی رات شریعت کے نقطہ نظر سے بجٹ کی رات ہے۔ جیسے بعض ملکوں میں جون کا مہینہ بجٹ کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں بجٹ بن رہا ہوتا ہے کہ آئندہ سال میں کیا کام ہونے ہیں، ان کے لیے کتنی رقم مخصوص کرنی ہے اور کیا لائحہ عمل اختیار کرنا ہے۔ بالکل اسی طرح آج کی رات انسانوں کیلئے بجٹ کی رات ہے۔ آنے والے سال کیلئے رزق کے فیصلے اللہ رب العزت آج کی رات سے فرمانا شروع کردیں گے۔ اس رزق میں...... گھر بھی شامل ہے...... بیوی بھی شامل ہے

...... بچے بھی شامل ہیں...... صحت بھی شامل ہے...... مال بھی شامل ہے...... عزت بھی شامل ہے...... دل کا سکون بھی شامل ہے...... اور ہر وہ چیز جس کی بندے کو ضرورت ہوتی ہے اس رزق میں شامل ہے۔ جب ہم پریشان ہوتے ہیں تو انہی میں سے کوئی ایک وجہ ہوتی ہے۔ کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ جی اتنے سال ہو گئے ہیں اولاد نہیں ہوتی اور کوئی اولاد کے پڑھائی نہ کرنے کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے۔ میرے دوستو! ہماری پریشانی جس نوعیت کی بھی ہے، وہ اگرچہ ہمارے لئے دور کرنی مشکل ہے لیکن اسے ہمارے پروردگار کے لیے دور کرنا آسان ہے۔ جیسے کسی مزدور نے افسر سے سائن کروانے ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اس کی منت سماجت کر لو اس نے تو قلم ہی چلانا ہے۔ اگر افسر کا قلم چلنے سے مزدور کا کام بن جاتا ہے تو پروردگار کی ایک نظر سے بندے کی پوری زندگی کا کام بن جاتا ہے۔ اس لیے آج کی رات عبادت میں گزارتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب رزق کا فیصلہ ہونا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس سے اگلے دن میں روزے کے ساتھ رہوں۔ اس لیے پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا بھی سنت ہے۔

اکثر لوگ مخلوق کے سامنے شکوے کرتے پھرتے ہیں۔ دوست کو بتاتے ہیں کہ جی میری یہ پریشانی ہے، ڈاکٹر کو بتاتے ہیں کہ میری یہ پریشانی ہے، حکیم کو بتاتے ہیں کہ میری یہ پریشانی ہے، مفتی صاحب کو بتاتے ہیں کہ میری یہ پریشانی ہے۔ بھئی! ہم نے جو سارا سال مخلوق کو اپنی پریشانیاں بتانی ہیں کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ آج اپنی ساری پریشانیاں اللہ رب العزت کی حضور ہی پیش کر دی جائیں۔ اللہ رب العزت نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں آج رات پھر اپنے گھر میں جمع ہونے کی توفیق عطا فرما دی۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت

سے مانگ لیں۔ مانگنے کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے۔

ایک پُر لطف دعا

ایک مرتبہ اسی طرح پندرہ شعبان کی رات تھی۔ کسی مسجد میں پروگرام ہوا اور اس کے بعد لوگ مختلف قسم کی عبادات کرنے لگے۔ کوئی نفلیں پڑھ رہا تھا کوئی تلاوت کر رہا تھا اور کوئی مراقبہ کر رہا تھا۔ یہ عاجز بھی ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ اللہ کی شان کہ ایک بڑے میاں اس عاجز کے قریب بیٹھے تسبیح پڑھتے رہے اور اس کے بعد وہ دعا مانگنے لگے۔ میں نے ان کی دعا کا صرف ایک جملہ سنا اور مجھے ایسا مزہ آیا کہ میں اپنی عبادت ہی بھول گیا۔ وہ یہ دعا مانگ رہے تھے۔

اللہ سائیں آ! مانہہ ہک واری جنت اچ وڑن دیویں، اگاں آپے لگا وتساں

(اے اللہ! مجھے ایک مرتبہ جنت میں داخل ہونے دینا، آگے میں خود ہی پھرتا رہوں گا)

سبحان اللہ!...... کیا پتہ اس کی یہی ادا پسند آ گئی ہو۔ ویسے بوڑھوں کی کچھ باتیں بڑے مزے کی ہوتی ہیں۔

ایک بڑے میاں کے دلچسپ اشکالات

کسی گاؤں میں ایک پیر صاحب گئے۔ انہیں مسجد میں بیان فرمانا تھا۔ دیہاتی لوگ اکٹھے ہو گئے۔ بیان شروع ہونے سے پہلے ایک سادہ لوح بڑے میاں کھڑے ہو گئے۔ اس نے پیش بندی کے طور پر پیر صاحب سے پوچھا، پیر صاحب! ہم ان پڑھ بندے ہیں، اگر ہمیں کوئی بات سمجھ نہ آئے تو کیا ہم سوال پوچھ سکتے ہیں؟ پیر صاحب نے کہا، ہاں ہاں، آپ سوال پوچھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد پیر صاحب نے بیان شروع کر دیا۔ بیان کرتے کرتے پیر صاحب نے ایک

بات بتائی کہ قیامت کے دن ہر بندے کو پل صراط سے گزرنا ہوگا۔ احادیث میں اس کا تذکرہ آیا ہے۔ انہوں نے سمجھانے کے لیے اس کو یوں بیان کیا...... وہ پل بہت ہی نازک ہے، بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے...... جب انہوں نے یہ کہا تو وہ بوڑھا کھڑا ہو گیا۔ وہ کہنے لگا، پیر صاحب! لگدا اے ایہہ کوڑا اے (پیر صاحب! مجھے لگتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔)

اب پیر صاحب نے اس کو بات سمجھائی کہ جی پل صراط ہے، اس کا تذکرہ کتابوں میں موجود ہے اور اس پل سے ہر آدمی کو گزرنا پڑے گا۔ لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ بالآخر جب پیر صاحب نے اس کو تسلی دلائی کہ واقعی کتابوں میں لکھا ہوا ہے تو کہنے لگے،

''اچھا، اس پل توں لنگھنا پسی جیہڑی وال توں ڈھیر باریک تے تلوار توں ڈھیر تیز اے۔''

(اچھا ایسی پل سے گزرنا پڑے گا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔)

پیر صاحب نے کہا! ہاں ہاں، بالکل ایسا ہی ہے۔

یہ سن کر وہ کہنے لگا، '' پیر صاحب! اینج چا آکھو ناں، اللہ سائیں دی پار ٹپاون دی نیت کائی نہیں۔''

(پیر صاحب! پھر آپ یوں ہی کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس پل سے آگے گزارنے کی نیت ہی نہیں ہے۔)

اس کے بعد پیر صاحب نے پھر بیان شروع کر دیا۔ بیان کرتے کرتے ایک جگہ پر انہوں نے فرمایا کہ نمازیں پڑھو، اگر نمازیں نہیں پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ حساب لے گا اور جہنم میں ڈالے گا اور جہنم میں عذاب دینے کے بعد پھر جنت میں

بھیجے گا۔

وہ بڑے میاں پھر کھڑے ہو کر کہنے لگے،

پیر صاحب! مینوں لگدا اے ایہہ وی کوڑ اے،،

(پیر صاحب! مجھے لگتا ہے کہ یہ بھی جھوٹ ہے)

پیر صاحب نے کہا، نہیں جی، کتابوں میں لکھا ہے کہ جو آدمی گناہ کرنے کے بعد توبہ نہیں کرے گا اور اسی طرح غفلت میں زندگی گزارے گا تو یہ بندہ پہلے جہنم میں جائے گا، وہاں جب اسے سزا مل جائے گی تب وہ جنت میں جائے گا۔ وہ بڑے میاں اپنی بات پر مصر رہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ جب انہوں نے ان کو سمجھایا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے یہ بتایا ہے تو پھر وہ بڑے میاں کہنے لگے،

''پیر صاحب! اک گل دسو، میرے گھر جوں کوئی پراہنا آوے، تے میں اوہنوں پنج ست لتر ماراں، مڑ آکھاں بھج آ ککڑ کھالے، اوہ کھا لیسی''

(پیر صاحب! آپ مجھے ایک بات بتائیں کہ میرے گھر میں کوئی مہمان آئے اور میں اس مہمان کو پانچ سات جوتے لگا دوں اور پھر اسے کہوں کہ جناب! آیئے مرغا کھا لیجئے، کیا وہ کھا لے گا؟)

پھر وہ بڑے میاں کہنے لگے، پیر صاحب! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے جس کو بخشنا ہوگا اس کو ویسے ہی بخش دیں گے۔

ہر دعا قبول ہوتی ہے

آج کی رات دعا مانگنے کی رات ہے۔ اجتماعی دعا بھی مانگیں اور پھر اپنے گھروں اور مسجدوں میں انفرادی دعا بھی مانگیں۔ اتنا مانگیں جتنا ہمارا جسم ساتھ دے سکتا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ

مَنْ لَمْ یَسْاَلِ اللّٰہُ یَغْضَبْ عَلَیْہِ

(جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں)

دعا مانگتے ہوئے یہ ذہن میں رکھیں کہ بندے کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ البتہ دعا کی قبولیت کی تین مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت سے جو مانگتا اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتے ہیں، جس کو ہم دعا قبول ہونا کہتے ہیں کبھی اللہ تعالیٰ اس دعا کے بدلے آنے والی کوئی مصیبت یا پریشانی دور کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وہ دعا اس کے نامہء اعمال کے اندر ذخیرہ بنا دی جاتی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس بندے کو بلائیں گے اور فرمائیں گے کہ اے میرے بندے! تیرے نامہء اعمال میں دعائیں موجود ہیں، ہم نے تیرے فائدے کی وجہ سے دنیا میں ان کو پورا نہیں کیا تھا آج ہم آپ کو ان کا بدلہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنی شان کے مطابق اتنا اجر دیں گے کہ وہ بندہ یوں کہے گا، اے اللہ! کاش، دنیا میں میری کوئی دعا پوری نہ ہوئی ہوتی اور میری ہر دعا کا بدلہ آج آپ اپنی شان کے مطابق مجھے عطا فرماتے ...... ان تینوں صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں ضرور دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ جیسے کوئی بڑا امیر بندہ ہو، وہ کسی فقیر سے یہ نہیں سننا چاہتا کہ میں نے دس روپے مانگے تھے اور آپ نے نہیں دیئے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی بندے سے یہ سننا گوارا نہیں کرتے کہ اے اللہ! میں نے مانگا تھا اور آپ نے عطا نہیں کیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ کوئی اس کریم پروردگار اور سخی سے مانگے اور پھر قیامت کے دن یہ بات کہے کہ اے اللہ! میں نے مانگا تھا اور آپ نے دیا نہیں۔ قطعاً ایسا نہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً دیتے ہیں۔ البتہ جب بندہ خود کہنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ ہماری سنتا نہیں اور ہماری دعائیں تو قبول نہیں ہوتیں تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو پھٹے پرانے کپڑے کی طرح اس

کے منہ پر مار دیتے ہیں۔

دو خاص نعمتیں

سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس بندے کو دو نعمتیں مل جائیں وہ اللہ رب العزت کا شکر ادا کرے۔

(۱)......ایک تو یہ کہ اس کو حاکم کے دروازے پر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

(۲)......اور دوسرا یہ کہ اس کو طبیب کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

واقعی یہ دونوں نعمتیں اللہ رب العزت کی طرف سے خصوصی ہوتی ہیں۔

تین تجربہ شدہ باتیں

تین باتیں بڑی تجربہ شدہ ہیں۔ان کو آپ اپنا لیجئے۔

(۱)......پہلی بات یہ ہے کہ جو بندہ بہت ہی پریشان حال ہو اور اس کی پریشانیاں ختم نہ ہوتی ہوں تو حدیث پاک میں آیا ہے کہ وہ استغفار کی کثرت کرے۔ استغفار کی کثرت سے اللہ تعالیٰ اس کے دل کا غم اس سے دور فرما دیتے ہیں۔لہٰذا استغفر اللہ کی کثرت رکھیں۔ جو آدمی کسی بھی وجہ سے پریشان ہو، وہ چلتے پھرتے کثرت کے ساتھ زبان سے اس کا ورد کرسکتا ہے۔اگر صبح و شام دو سو مرتبہ تسبیح کرنا چاہے تو وہ بھی کرسکتا ہے۔

(۲)......دوسری بات یہ ہے کہ جس کے اوپر فقر اور تنگدستی مسلط ہے، بڑی کوشش کے باوجود اس کا کاروبار نہیں چلتا اور کوئی اور صورت بھی نظر نہیں آتی تو وہ پڑھے،

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه

یہ ایک ایسا عمل ہے کہ اس کی کثرت سے اللہ تعالیٰ بندے کے لیے رزق کے

دروازے کو کھول دیتے ہیں۔

(۳)...... تیسری بات یہ ہے کہ اگر بندے کو اللہ تعالیٰ نے بہت نعمتیں دی ہوئی ہوں اور وہ چاہے کہ مجھ سے یہ نعمتیں واپس نہ لی جائیں تو اس کو چاہیے کہ وہ کثرت کے ساتھ الحمدللہ کہے، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کو سلامت رکھیں گے۔ اللہ نے اولاد دی...... گھر دیا...... نیک بیوی دی...... رزق دیا...... عزت دی...... اب جو بندہ چاہتا ہے کہ مجھ پر یہ سب نعمتیں سلامت رہیں تو اس کو چاہیے کہ وہ کثرت کے ساتھ الحمدللہ کہے، اللہ تعالیٰ اس کی ان نعمتوں میں اور اضافہ فرما دیں گے۔

رزق بڑھانے کے لیے چند اعمال

رزق بڑھانے کیلئے چند اعمال ہمارے مشائخ کے تجربہ شدہ ہیں۔

(۱)...... ان میں سے ایک تو ''ہمیشہ باوضو رہنا ہے''۔ کئی بزرگوں نے اپنی کتابوں میں یہ بات لکھی کہ جب ہم نے ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق کی پریشانیوں سے محفوظ فرما دیا۔ لہٰذا ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر کہیں پانی نہ مل سکے تو تیمّم ہی کر لینا چاہیے۔ یعنی کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔ یا تو وضو کے ساتھ ہو یا تیمّم کے ساتھ ہو۔

(۲)...... دوسری بات ''نظر کی حفاظت کرنا'' ہے۔ بدنظری سے انسان کے حلال رزق کو کم کر دیا جاتا ہے۔

(۳)...... تیسری بات ''اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا'' ہے۔ اسی کو ہمارے مشائخ وقوف قلبی کہتے ہیں۔

(۴)...... حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وظیفہ ہمارے مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا تھا۔ حضرتؒ نے وہی وظیفہ اس عاجز کو بھی بتایا تھا۔ چونکہ

آج رزق کے بارے میں دعائیں مانگیں گے اور کئی دوستوں نے فون کر کے اس کے لیے دعاؤں کے لیے بھی کہا ہوا ہے۔ اس لیے اندازہ ہوتا ہے کہ آج کل اکثر پریشانیاں رزق سے متعلق ہی ہیں۔ لہٰذا وہ وظیفہ آپ سب بھی سن لیجئے۔ اس کی ان سب مردوں اور عورتوں کو اجازت ہے جن تک میری آواز جارہی ہے۔ وہ وظیفہ بڑا آسان ہے۔

''ہر فرض نماز کے بعد اول آخر ایک مرتبہ درود شریف اور درمیان میں سات مرتبہ سورت **لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ** پڑھنا۔''

یہ رزق کی پریشانیاں دور ہونے کیلئے ایک پکا اور تجربہ شدہ عمل ہے۔ اس عاجز نے اپنی زندگی میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بندوں کو یہ عمل بتایا اور اللہ رب العزت نے ان سب کی پریشانیوں کو دور فرمایا۔ ایک ایسا بندہ جو کہتا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں میں ہزار روپیہ کبھی نہیں گنا تھا اس کو اس عاجز نے یہ عمل بتایا اور اس نے یہ عمل کرنا شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ نے رزق میں ایسی برکت دی کہ وہ آج کروڑوں پتی بندہ بن کر زندگی گزار رہا ہے۔ وہ اپنی زبان سے بتاتا ہے کہ اس عمل کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے کاروبار میں برکت عطا فرما دی۔ خاص طور پر جب اس سورت کی یہ آیت پڑھیں،

اَلَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ (القریش:4)

اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ پڑھتے وقت رزق میں برکت کا تصور کریں اور اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْف پڑھتے ہوئے ہر قسم کے غم سے چھٹکارا پانے کا تصور کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی رزق کی پریشانی بھی دور فرما دیں گے اور آپ کو ہر قسم کے غموں سے بھی چھٹکارا عطا فرما دیں گے۔

(۵)......حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جو شخص صبح کے وقت ستر مرتبہ پابندی سے یہ آیت پڑھا کرے گا وہ رزق کی تنگی سے محفوظ رہے گا۔

اَللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ج وَ ھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ o

(الشوری :19)

طلباء کے لیے دو تحفے

طلباء کیلئے بھی دو باتیں عرض کرتا چلوں۔ وہ انہیں اپنے لیے اس عاجز کی طرف سے تحفہ سمجھیں۔

(۱)......اس عاجز نے بعض بزرگوں کا معمول پڑھا اور پھر اس کو آزما کر دیکھا کہ جس آدمی کو علم کے بارے میں شرح صدر نہ ہو رہا ہو، یعنی وہ پڑھتا ہو اور بھول جاتا ہو، اس کیلئے یاد رکھنا مشکل ہوتا ہو اور اس کی علم کے ساتھ مناسبت پیدا نہ ہو رہی ہو اور وہ اس عمل کو کر لے تو ان شاء اللہ اسے شرح صدر نصیب ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ پوری رات یہ آیت پڑھتے گزار دی ...... قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ......وہ اس آیت کو پوری رات دوہراتے رہے۔ اسی مناسبت سے وہ عمل یہ ہے کہ جب طالب علم رات کو تہجد پڑھے اور اسے اس آیت سے آگے پیچھے کی اتنی آیات یاد ہوں جن سے نماز کے اندر مسنون قرأت ہو سکے، پڑھ لے اور ہر رکعت میں اس آیت کو اپنے ذوق کے مطابق جتنی مرتبہ پڑھنا چاہے پڑھے۔ اس میں تعداد کا تعین نہیں ہے۔ اگر وہ اس طرح تہجد میں اس آیت کا چند دنوں تک بار بار ورد کرے گا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے شرح صدر عطا فرما دیں گے اور اس کا سینہ علم کے لیے کھل جائے گا۔

(۲)......ایک دوسرا عمل بھی ہے۔ کسی بزرگ نے اس عاجز کو اس کی اجازت دی

تھی اور آج آپ لوگوں کو اس کی اجازت دے دیتے ہیں ، فائدہ اٹھائیں۔ اکثر طلبا اور طالبات کو حافظے کی کمزوری کی وجہ سے اسباق میں مشکل پیش آتی ہے۔ وہ خود یا ان کے ماں باپ روزانہ ہر نماز کے بعد سورۃ الم نشرح پڑھ کر ان کے سینے پر پھونک مار دیا کریں۔ اول آخر ایک ایک مرتبہ درود شریف بھی پڑھیں۔ اگر بچے سمجھدار اور بڑے ہوں تو جب بھی پڑھنے بیٹھیں ، پیپر دینے بیٹھیں ، لیکچر سننے بیٹھیں یا استاد کا درس سننے بیٹھیں تو یہ پوری سورت پڑھ کر اپنے سینے پر پھونک مار دیں۔ جو آدمی اس کو اپنا معمول بنا لے گا اللہ تعالیٰ اس کا حافظہ قوی فرما دیں گے۔ اس عاجز نے اس عمل کو ہزاروں دوستوں پر آزمایا ہے۔

ایک سٹوڈنٹ نے بتایا کہ وہ ایک سال میٹرک میں فیل ہو گیا۔ پھر اس نے یہ عمل کسی محفل میں اس عاجز سے سنا اور اس نے باقاعدگی کے ساتھ اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اگلے سال وہ پورے سکول میں فرسٹ آیا۔ اسی طرح کسی محفل میں اس عاجز نے یہ عمل بتایا۔ کافی عرصے کے بعد ایک طالبہ نے خط لکھ کر اپنے حالات بتائے اس نے لکھا کہ میں تو بڑی مشکل سے پاس ہوتی تھی ، میرے دل کی تمنا تھی کہ میں لیڈی ڈاکٹر بنوں۔ آپ سے میں نے یہ عمل کسی محفل میں سنا اور وہ عمل کرنا شروع کر دیا۔ کبھی بھی ناغہ نہیں ہوا۔ اب الحمد للہ میں نے امتحان دیا اور اب میں میڈیکل کالج میں پہنچ چکی ہوں۔

کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے لاجواب نسخہ

ایک عمل ازدواجی زندگی کی کامیابی کے لیے بھی سن لیں۔ وہ عمل یہ ہے کہ قران پاک کی یہ آیت یاد کر لیں ،

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

(الفرقان:74)

(اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا)

اور ہر نماز میں خواہ وہ فرض ہوں، سنت ہوں، واجب ہوں یا نفل ہوں، کوئی بھی نماز ہو، جب آخری التحیات پڑھیں تو یوم یقوم الحساب پڑھنے کے بعد اس قرآنی دعا کو پڑھیں اور اس کے بعد سلام پھیر دیں۔

یہ عمل ایک صاحب نسبت بزرگ نے دیا تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس وقت یہ عاجز ابھی دسویں جماعت میں پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے اس وقت فرمایا کہ میری طرف سے اجازت ہے، پڑھنا شروع کر دو، جب تمہاری شادی ہو گی تو ان شاء اللہ تعالیٰ کامیابی دیں گے۔ اس وقت سے یہ عاجز اس دعا کو پڑھ رہا ہے۔ الحمد للہ، اللہ رب العزت نے اس عاجز کو پرسکون ازدواجی زندگی عطا کر رکھی ہے۔ اس عاجز کی جو بیوی ہے وہ میرے شیخ کی بیٹی ہے۔ جب رشتہ طے ہوا تو کبھی کبھی خیال آتا تھا کہ میاں بیوی کا اپنا ایک تعلق ہوتا ہے اور اس نسبت کا اپنا ایک ادب ہوتا ہے، اس طرح تو مجھے دوگنا احترام کرنا پڑے گا۔ اس لیے کبھی خیال آتا کہ معلوم نہیں کہ میں کیسے نبھا پاؤں گا۔ الحمد للہ، اللہ رب العزت نے میرے لیے یہ مشکل آسان کر دی۔

شادی کے اگلے دن ہی فجر کی نماز کے بعد ناشتے کیلئے گھر پہنچا تو اہلیہ نے کہا کہ ناشتہ بعد میں کریں گے پہلے مجھے بیعت فرما لیں۔ اب الحمد للہ وہ میری بیوی بھی ہے اور میری مریدنی بھی ہے۔ جب بیوی مریدنی ہو تو پھر کتنا مزہ آتا ہے۔ یہ عاجز سمجھتا ہے کہ یہ اس عمل کی برکت ہے۔

آپ اس آیت کو یاد کر لیجیے اور اپنا ہر روز کا معمول بنا لیجیے۔ اس عاجز کی طرف سے آپ سب کو اس کی اجازت ہے۔ یہ سب اعمال آپ خود کر سکتے ہیں

لیکن آگے بتانے کیلئے صاحب نسبت ہونا ضروری ہے۔ ہر بندہ آگے اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ پھر برکت نہیں ہوتی۔ البتہ اگر آپ میں سے کوئی صاحب نسبت حضرات موجود ہیں تو وہ اس عمل کی آگے بھی اجازت دے دیں تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرما دیں گے۔

آئندہ کیلئے حفاظت بھی مانگیے

آج کی رات میں صلوٰۃ التسبیح پڑھنا بہت بڑی عبادت ہے۔ عورتیں بھی پڑھتی ہیں اور مرد بھی پڑھتے ہیں تاہم صلوٰۃ التوبہ ضرور پڑھیے۔ توبہ کی نیت سے دو رکعت نفل پڑھیں تاکہ اب تک زندگی میں جتنے بھی گناہ ہوئے اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیں۔ اس کے بعد دعا مانگیں، اے اللہ! میرے تمام گناہوں کو معاف فرما دے اور آئندہ مجھے عصمت عطا فرما دے۔ عصمت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آ جانا۔ گناہوں سے معافی مانگنا آدھا عمل ہے اور بقیہ آدھا عمل اس کی حفاظت طلب کرنا ہے۔ کئی مرتبہ ہم یہ غلطی کر جاتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی تو مانگ لیتے ہیں لیکن آئندہ کیلئے حفاظت نہیں مانگتے، پھر کہتے ہیں کہ پھر مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ اس لیے یہ دونوں نعمتیں مانگیں۔ ایک طرف پچھلے گناہوں کی معافی مانگیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے آئندہ کی حفاظت بھی مانگیں کہ اے میرے پروردگار! آئندہ میری حفاظت فرما۔ بھئی ہمارے لیے گناہوں سے بچنا مشکل ہے لیکن ہمارے پروردگار کیلئے بچا دینا تو آسان ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بچا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عذاب کیلئے نہیں پیدا کیا

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ثواب کیلئے پیدا کیا ہے عذاب کیلئے نہیں پیدا

کیا۔ اسی لیے ارشاد فرمایا،

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ

[اگر تم خدا کے شکر گزار رہو اور ایمان لے آؤ تو خدا کو تمہیں عذاب دے کر کیا ملے گا]

ہمارے حضرت مرشد عالمؒ اس آیت کا ترجمہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم ایمان لاؤ گے اور شکر ادا کرو گے تو تمہیں عذاب دے کر اللہ کے ہاتھ کیا آئے گا۔ یعنی اگر تم ایمان لاؤ اور اس کا شکر ادا کرو تو اللہ تمہیں کیوں عذاب دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب نہیں دینا چاہتے، ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے اوپر خود عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔

تمام اسماء الحسنٰی رحمت الٰہی کے ترجمان ہیں

حضرت مفتی تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دامت برکاتہم نے اپنے خطبات میں ایک عجیب نکتہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے ننانوے اسماء الحسنٰی میں سے کوئی ایک نام بھی عذاب دینے پر صریحاً دلالت نہیں کرتا۔ حلانکہ آدمی سمجھتا ہے کہ اللہ کے کچھ نام عذاب اور سزا دینے پر دلالت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ایک نام جبار ہے، جابر کے معنی میں جبر کرنا، جبر کسی پر زبردستی کرنے کو کہتے ہیں۔ اس سے بظاہر یوں لگتا ہے کہ جبار بڑی ہی مشکل میں ڈال دینے والے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح قہار قہر کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جبار اور قہار کے الفاظ عذاب اور سزا پر دلالت کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ اردو میں ایک لفظ کا مطلب اور ہوتا ہے اور اسی لفظ کا عربی میں مطلب اور ہوتا ہے مثال کے طور پر......

◉ ......''ذلیل'' کا لفظ اردو میں بہت ہی نچلے درجے کے بندے کیلئے استعمال

ہوتا ہے اور عربی میں کمزور کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کیلئے یہ لفظ استعمال کیا۔

لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَ اَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ (ال عمران: 123)

(البتہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن تمہاری مدد کی حالانکہ تم کمزور تھے)

اردو زبان میں اگر کسی کو ذلیل کہہ دیا جائے تو وہ اس کو بہت بڑی گالی سمجھتا ہے۔

⊙......اسی طرح ''دلاّ'' کا لفظ اردو زبان میں بڑی گالی کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور عربی زبان میں یہ برا نہیں سمجھا جاتا۔ چنانچہ حج وعمرہ پر جانے والے جانتے ہیں کہ وہاں ایک ایسی کمپنی ہے جس کا نام دَلاّ کمپنی ہے۔ کئی آدمی آکر پوچھتے ہیں حضرت! یہ اپنے آپ کو دلاّ کیوں کہتے ہیں ہم کہتے ہیں؟ کہ یہ اردو کے دلّے نہیں ہیں بلکہ عربی کے دلّے ہیں۔

⊙......اردو میں ایک لفظ بندر ہے۔ یہ ایک جانور کیلئے بولا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ایک عربی شہزادے کا نام بندر بن سلطان ہے۔ ہمیں بہت عرصے تک یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ یہ اپنے باپ کے لیے اتنا بوجھ کیوں بنا جس کی وجہ سے اس نے اس کا نام ہی بندر رکھ دیا۔ مگر پھر دل میں خیال آتا تھا کہ کوئی بیٹا اپنے باپ پر بوجھ تو نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ عربی زبان میں بندر پھول کو کہتے ہیں۔ اس کے باپ نے اس کا نام عربی زبان میں پھول رکھا اور ہم اسے چار ٹانگوں والا بندر سمجھ رہے تھے۔

اسی طرح لگتا ہے کہ جابر بہت ہی سختی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ لیکن عربی زبان میں ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے کو جابر کہتے ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے......

يَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْكَسِيْرِ......

(اے ٹوٹی ہڈی کو جوڑنے والے)

تو جبار اور جابر ٹوٹے رشتوں کو جوڑنے والے کو کہتے ہیں...... سبحان اللہ...... یہ نام تو عذاب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح ''قہار'' قہر سے ہے اور قاہر اونچے اور بلند کو کہتے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی کو قاہرہ کہتے ہیں۔ جیسے مصر کے ایک شہر کا نام قاہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قہار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ بلند اور سب پر غالب آنے والا ہے۔ ہم بظاہر یہ سمجھتے ہیں کہ جبار اور قہار عذاب دینے والے کے نام ہیں حالانکہ ان سے عذاب پر دلالت نہیں ہوتی بلکہ یہ نام بھی رحمت الٰہی اور عظمت الٰہی کے ترجمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں پر غور کریں تو وہ تین طرح دلالت کرتے ہیں۔

...... یا تو وہ اللہ کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔

...... یا وہ اللہ کی ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں۔

...... یا پھر وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ سبحان اللہ

لفظ اللہ کا اپنا ترجمہ کیا ہے؟...... حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر لفظ اللہ کا اردو ترجمہ کیا جائے تو وہ ''منموہن'' بنے گا۔ من موہ لینے والا یعنی دل جیت لینے والا...... سبحان اللہ...... اس کی ذات کا تو نام ہی ایسا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ذریعے اس کے سامنے دعائیں مانگنی چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ کے دو نام رحمان اور رحیم ہیں۔ یہ دونوں نام صراحتًا اللہ تعالیٰ کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ رحمان کا لفظ اس کیلئے استعمال ہوتا ہے جو اپنے پرائے سب پر رحمت کرنے والا ہو اور رحیم کا لفظ اس کیلئے

استعمال ہوتا ہے جو خاص اپنوں پر خصوصی رحمت کرنے والا ہو۔ جیسے ہر عورت کو دنیا کے تمام بچوں سے پیار ہوتا ہے مگر عمومی، اور اپنے بیٹے سے بھی پیار ہوتا ہے مگر خصوصی۔ رحمان اور رحیم کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ بعض نے کہا کہ رحمان وہ ہے جو دنیا میں سب کو رزق دے، خواہ کوئی کافر ہو یا کوئی مسلمان ہو، اور رحیم وہ ہے جو آخرت میں فقط ایمان والوں کو اپنی نعمتیں عطا فرمائے گا۔

ان ناموں کا ایک اور ترجمہ بھی کیا گیا ہے اور وہ واقعی عاشقانہ ترجمہ ہے۔ وہ ترجمہ یوں کیا گیا۔ رحمان کا معنی ہے ''بن مانگے دینے والا'' اور رحیم کا معنی ہے ''جو نہ مانگے اس سے ناراض ہونے والا''۔ اب بتائیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کو بن مانگے دیتا ہے یا نہیں۔ دہریے تو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے لیکن وہ پھر بھی ان کو رزق بھی دیتا ہے، صحت بھی دیتا ہے، بیوی بھی دیتا ہے، اولاد بھی دیتا ہے، گھر بھی دیتا ہے، اور طرح طرح کی نعمتیں دیتا ہے۔ تو رحمان اسے کہتے ہیں ''جو بن مانگے دینے والا ہو'' اور رحیم اسے کہتے ہیں ''جو نہ مانگنے والے سے روٹھ جانے والا ہو''۔ تو جب پروردگار چاہتے ہیں کہ میرے بندے مجھ سے مانگیں تو ہم مانگنے میں کمی نہ کریں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عرش پر لکھوا دیا۔

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ

(میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔)

یہ اللہ تعالیٰ نے کیوں لکھوایا؟...... اس لئے کہ وہ رحمت کا معاملہ کرنے والے ہیں۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ جب ایک باپ نے بچوں کو پیسے دینے ہی نہ ہوں تو کیا وہ آ کر دکھائے گا کہ میری جیب میں اتنے پیسے ہیں۔ وہ جب گھر جائے گا تو پتا ہی نہیں چلنے دے گا کہ میرے پاس پیسے ہیں یا نہیں۔ اور جب وہ آ کر بچوں کے سامنے پیسے کھولتا ہے اور بتا دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے

کہ وہ دینا چاہتا ہے۔اسی طرح جب پروردگار نے اپنے کلام میں ارشاد فرما دیا۔

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الحجر:49)

(میرے بندوں کو بتا دو کہ میں مغفرت کرنے والا ہوں رحمت کرنے والا ہوں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے دعا مانگو، میں تمہارے گناہوں کو معاف کر دوں گا اور اپنی رحمت سے تمہاری توقعات سے بڑھ کر عطا کر دوں گا۔

بخشش کا پروانہ

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک بندہ بڑا گنہگار تھا۔اس کا نامۂ اعمال گناہوں سے سیاہ ہو چکا تھا۔ایک مرتبہ اس نے نیند کے دوران کروٹ بدلی اور اس کی زبان سے ''یارب'' کا لفظ نکلا۔اس کے بعد اس کو پھر نیند آ گئی۔اس کے نامۂ اعمال میں صرف ''یارب'' کا لفظ لکھا ہوا تھا۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا،اے میرے فرشتو! تم نے اس کے نامۂ اعمال میں یارب کیوں لکھا ہے۔فرشتوں نے کہا،اے اللہ! اس نے صرف یہی لفظ پکارا تھا اور پھر سو گیا تھا،اس لیے ہم نے صرف یہی لکھ دیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا،اے میرے فرشتو! میں علام الغیوب ہوں،مجھے پتہ تھا کہ یہ مجھ سے کیا مانگتا تھا۔اصل میں اس نے یارب اس لیے کہا تھا کہ یہ مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتا تھا۔اس وقت اس پر نیند غالب آ گئی جس کی وجہ سے یہ سو گیا تھا،میں نے اس کے دل کے اس ارادے پر اس کے گناہوں کو معاف فرما دیا...... سبحان اللہ...... جو بندہ سونے کے دوران کروٹ بدلتے ہوئے یارب کہہ دے،اگر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتے ہیں تو جو جیتے جاگتے ہوش وحواس میں اللہ سے دعائیں مانگے گا اللہ تعالیٰ پھر اس کی

دعائیں کیوں نہیں قبول فرمائے گا۔

دو گنہگاروں کی بخشش

ایک واقعہ قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے...... پہلے تو میں اس واقعہ کو نقل کرنے سے گھبراتا تھا لیکن جب ان کے بیانات میں پڑھا تو اس کے بعد سنانے کی ہمت ہوگئی۔ ویسے میں نے بعد میں یہی واقعہ فوائد الفواد میں بھی پڑھا ......اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دو بندوں کا حساب کتاب لیں گے۔ ان کے نامۂ اعمال میں نیکیاں نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں جانے کا حکم فرمادیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کو کہیں گے کہ جاؤ جہنم میں، تو ان میں سے ایک تو جہنم کی طرف بھاگ پڑے گا اور دوسرا آہستہ آہستہ چلے گا اور پیچھے مڑ مڑ کے دیکھے گا، پھر چلے گا اور پھر مڑ کے دیکھے گا۔ کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ ان دونوں کو بلائیں گے...... اللہ تعالیٰ بھاگنے والے سے فرمائیں گے کہ ہم نے تمہیں کہا، جاؤ جہنم میں، اور تم بھاگ ہی پڑے۔ وہ کہے گا، اے اللہ! میں دنیا میں تو آپ کے حکم ماننے میں کوتاہی کرجاتا تھا، اب آپ نے جہنم میں جانے کا حکم دیا تو میں نے سوچا کہ اس حکم کو تو پورا کر ہی لوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اگر تو سمجھتا ہے کہ میرا حکم اتنا معزز ہے کہ اس پر عمل ہونا چاہیے تو پھر اس کی وجہ سے میں نے تیرے گناہوں کی مغفرت کر دی لہٰذا اب تو جنت میں چلا جا...... پھر اللہ تعالیٰ دوسرے آدمی سے فرمائیں گے کہ تم آہستہ آہستہ بھی جارہے تھے اور پیچھے مڑ مڑ کر بھی دیکھ رہے تھے، اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ کہے گا، یا اللہ! زندگی بھر تیری رحمت میرے ساتھ رہی اور کبھی بھی آپ کی رحمتوں نے مجھے مایوس نہیں ہونے دیا، اگر آج آپ نے حکم دے دیا کہ جاؤ جہنم میں مگر میں قدم آگے اٹھاتا تھا اور پھر پیچھے مڑ کر دیکھتا تھا کہ شاید تیری رحمت جوش میں آجائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اچھا، اگر تجھے میری رحمت پر اتنا

بھروسہ ہے تو میں نے تیرے لیے بھی اپنی جنت کے دروازے کھول دیئے ہیں، تو بھی اس میں داخل ہو جا۔

ہر پریشانی اللہ کے حضور پیش کر دیں

آج کی رات میں آپ اپنی آخرت کے بارے میں بھی دعائیں مانگیں اور دنیاوی زندگی کے بارے میں بھی دعائیں مانگیں تاکہ دنیا اور آخرت دونوں جگہوں پر عزتیں نصیب ہوں اور اللہ رب العزت ہمیں نیکیوں بھری زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو مانگنا چاہتے ہیں آج سے مانگنا شروع کر دیں۔ تاکہ آئندہ سال یہ پریشانیاں جان چھوڑ دیں۔ کوئی کاروبار نہ چلنے کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے، کوئی اس لئے پریشان ہوتا ہے کہ فلاں جگہ شادی کا پیغام بھیجا ہے مگر کام بنتا نظر نہیں آتا۔ کوئی اس لئے پریشان ہوتا ہے کہ شادی ہوئے تین سال ہو گئے ہیں مگر ابھی تک اولاد نہیں ہوئی، کوئی کہتا ہے کہ گھر میں جوان بیٹیاں موجود ہیں اور ان کیلئے رشتے ہی نہیں آتے، اس لیے پریشان ہیں۔ میرے دوستو! کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم یہ پریشانیاں لوگوں کو بتانے کی بجائے اپنے پروردگار کو بتائیں۔ لہٰذا آج ہم سب اپنے پروردگار سے دل کھول کے دعائیں مانگیں......

ایک آدمی نے دعا مانگتے ہوئے کہا' اے اللہ! مجھے دس ارب روپیہ دیدے۔ ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی نے سن کر کہا، ارے اتنے ......!!!......اس نے کہا، جناب! آپ سے نہیں مانگے، اپنے رب سے مانگے ہیں۔ ہم نے بندوں سے نہیں بلکہ بندوں کے پروردگار سے مانگنا ہے اور جب اس سے مانگیں گے تو ان شاء اللہ رب کریم مہربانی فرما دیں گے۔ یاد رکھیں کہ جب لوگ مل کر اللہ رب العزت کے حضور فریاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو رد نہیں کیا کرتے۔ ان میں سے اگر ایک بندے کی دعا بھی قبول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت

سے باقی سب کی دعاؤں کو قبول فرمالیا کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ میرے بندے مجھ سے مانگیں اور میری نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔

پندرہ شعبان سے ستائیس رمضان تک

کتابوں میں لکھا ہے کہ پندرہ شعبان سے بجٹ بننا شروع ہو جاتا ہے، حتی کہ ستائیس رمضان المبارک کی شب یعنی لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ اس بجٹ کی منظوری دے کر عملدرآمد کیلئے فرشتوں کے حوالے فرما دیتے ہیں۔ اس بجٹ میں سب کچھ لکھا جاتا ہے...... کتنا رزق ملے گا...... صحت ملے گی یا بیماری...... خوشی ملے گی یا غمی...... یہ اگلے شعبان (شب برأت) تک زندہ رہے گا یا اس سے پہلے دنیا سے چلا جائے گا...... بعض دوست سمجھتے ہیں کہ صرف آج کی رات بجٹ کی رات ہے۔ نہیں، بلکہ آج کی رات اس بجٹ کے تیار ہونے کی ابتدائی رات ہے۔ اور شب قدر اس کی انتہا ہے۔ جب آج سے ہی بجٹ بننا شروع ہو جائے گا تو ہمیں چاہیے کہ ہم آج سے ہی مانگنا شروع کر دیں تاکہ شروع سے ہی بات سیدھی ہو جائے۔ ہمیں چاہیے کہ لیلۃ القدر تک کا درمیانی عرصہ ہم خوب ذکر و عبادت میں گزاریں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا سورج

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جیسے فرض کریں کہ سورج سات بجے طلوع ہوتا ہے مگر پانچ بجے سے اندھیرا ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر ہر لمحہ روشنی بڑھتی رہتی ہے حتی کہ پونے سات بجے اتنی روشنی ہو جاتی ہے جیسے سورج طلوع ہو چکا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ طلوع آفتاب سے پانچ منٹ پہلے بندہ کنفیوز ہو جاتا ہے کہ پتہ نہیں سورج طلوع ہو چکا

ہے یا نہیں، کیونکہ اس وقت فرق کا پتہ نہیں چلتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ پندرہ شعبان اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کے سورج کی صبح صادق کا وقت ہے اور اس کے بعد یہ نورانیت بڑھتی رہتی ہے حتی کہ شعبان کے آخری دن میں ایسے ہی برکتیں نازل ہوتی ہیں جیسے رمضان المبارک کی برکتیں ہوتی ہیں۔ پھر رمضان المبارک میں اللہ کی رحمتوں کا سورج طلوع ہو جاتا ہے۔ یہ برکتیں آج سے ہی نازل ہونا شروع ہو جائیں گی اور یہ رمضان المبارک کے اختتام تک اسی طرح نازل ہوتی رہیں گی۔ اللہ رب العزت ہمیں ان برکتوں اور رحمتوں سے وافر حصہ عطا فرما دے۔

ایک عجیب واقعہ

کتابوں میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں زکوٰۃ ادا نہیں کر سکتا۔ اس نے سوچا کہ زکوٰۃ سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پبلک انسلٹ کر دی جائے۔ یعنی کوئی تہمت لگا دی جائے۔ حاسدین اسی طرح کرتے ہیں کہ جب ان سے اور کچھ نہیں بن پاتا تو وہ کسی نہ کسی بات کا بتنگڑ بنا کر تہمت لگا دیتے ہیں...... چنانچہ اس نے ایک غریب عورت کو اس کیلئے تیار کیا کہ تو مجمع میں کھڑے ہو کر اتنا کہہ دینا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھے برائی کی دعوت دی تھی، اس کے بدلے ہم تمہیں بھاری انعام دیں گے۔ اس نے باتوں میں آ کر کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا تو بعد میں وہ عورت یہی بات کہنے کیلئے اٹھی، لیکن جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کی نورانیت دیکھی تو اس کے دل پر ہیبت طاری ہوگئی اور وہ کچھ بھی نہ بول سکی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا، کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟ اس نے بات ہی کھول دی۔ وہ کہنے لگی کہ قارون نے مجھے کہا

تھا کہ میں تمہیں پیسے دوں گا تم یہ بات کہہ دینا، لیکن جب میں نے آپ کے چہرے کی نورانیت کو دیکھا تو میں ڈر گئی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا کہ یہ میرے کردار پر ایسا الزام لگانا چاہتا تھا تو ان کو بڑا جلال آیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے، اے اللہ! یہ شخص مجھ پر ایسا الزام لگانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے پیارے موسیٰ علیہ السلام! ہم تھوڑی دیر کے لئے زمین کو آپ کے حکم کے تابع بنا دیتے ہیں، آپ اسے جو حکم دیں گے یہ وہی کرے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ ''اے زمین! قارون کو نگل جا۔'' زمین نے قارون کو تیسرا حصہ اپنے اندر دھنسا لیا، جب وہ دھنسنے لگا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے عاجزی اور زاری کرنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا، اے زمین! اسے نگل جا۔ زمین نے اس کو دو تہائی اپنے اندر دھنسا لیا۔ وہ پھر آہ وزاری کرنے لگا کہ آپ مجھے معاف کر دیں۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام جلال میں تھے۔ لہٰذا انہوں نے تیسری مرتبہ بھی کہہ دیا۔ چنانچہ زمین نے اس کو نگل لیا۔ جب زمین نے اس کو نگل لیا تو اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے میرے پیارے موسیٰ! ہم نے زمین کو تھوڑی دیر کیلئے آپ کے حوالے کیا تو آپ نے اسے قارون کو نگل جانے کا حکم دیا، حالانکہ قارون آپ کے سامنے معافی کی فریاد کرتا رہا مگر آپ زمین کو اس کے نگل جانے کا حکم دیتے رہے، اے میرے پیارے نبی! اگر اس دوران وہ مجھ سے معافی مانگ لیتا تو میں پروردگار اس کی معافی کو پھر بھی قبول فرما لیتا...... سبحان اللہ...... ہمارا پروردگار تو ایسا کریم پروردگار ہے جو معافی کو قبول کر کے خوش ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے خوب معافی مانگیں اور دعائیں مانگیں کہ رب کریم آج کی رات کو ہمارے لئے ذخیرہ بنا دے،

عافیت کا ذریعہ بنادے اور اپنی بقیہ زندگی کو صحت کی سلامتی کے ساتھ، ایمان کی سلامتی کے ساتھ اور عزتوں کی سلامتی کے ساتھ دینی تعلیمات کی مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، ہماری سب حاجات کو پورا فرمادے اور تمام پریشانیوں سے نجات عطا فرمادے۔ آمین ثم آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .

قُل هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ

(یوسف: 108)

دعوت و تبلیغ کے
دس سنہری اصول

یہ بیان جامعہ زینب لاہور میں اختتام بخاری شریف کے موقع پر ہوا۔

اقتباس

مؤمن کی حیثیت ایک سپاہی کی مانند ہے کیونکہ جس طرح سپاہی خود بھی احکامِ سلطنت کی پابندی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی ان احکام کی پابندی پر متوجہ کرتا ہے، اسی طرح مومن بھی احکام خداوندی پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کو احکامِ خداوندی پر عمل کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اگر ہم اس نعمت کو آگے تقسیم کرتے رہیں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں ملتی رہیں گی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ (یوسف:108)

(کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں)

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

دعوت و تبلیغ کے دس سنہری اصول

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ ط

وَ سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ o

...........وقال اللہ تعالیٰ فی مقام اٰخر...........

وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ وَ کَانُوْا عَلَیْہِ

شُھَدَآءَ ج (المائدۃ: ۴۴)

کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَ بِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ.

(اٰل عمران: ۷۹)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

نظام کائنات کی ترتیب

اللہ رب العزت نے اس کائنات کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا اور اس کے نظام کو چلانے کی ایک ترتیب دی۔ اس معاشرے میں کچھ لوگ دینے والے ہوتے ہیں اور کچھ لینے والے ہوتے ہیں، کچھ پڑھانے والے اور کچھ پڑھنے والے ہوتے ہیں، کچھ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ چھوٹے ہوتے ہیں، کچھ حاکم

ہوتے ہیں اور کچھ محکوم ہوتے ہیں۔ اگر سارے کے سارے انسان ایک بن جائیں تو معاشرے کا نظام چل ہی نہیں سکے گا۔ جس طرح ایک کارخانے میں کوئی منیجر ہوتا ہے اور کوئی اس کا ماتحت ہوتا ہے، اگر سارے کے سارے ایک ہی عہدے پر فائز کر دیئے جائیں تو نظام چل ہی نہیں سکے گا۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے بھی معاشرے کو چلانے کی ایک ترتیب بنائی ہے۔ اس ترتیب میں کسی کو اللہ نے مقام دیا ہے اور کس کو اس کا ماتحت بنا دیا ہے۔ جب تک وہ ترتیب اپنی اصلی شکل پر باقی رہے گی خیر ہو گی اور اگر ترتیب الٹ جائے تو نتیجے بھی الٹ جائیں گے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ (النساء: 34)

(مرد عورتوں پر حاکم ہیں)

یعنی گھروں کے اندر کی قیادت، امارت اور سیادت اللہ تعالیٰ نے مردوں کو دی ہے۔ وہ گھر کے نگران اور ذمہ دار ہیں اور عورتوں کو ان کا ماتحت بنا کر ان کی ملکہ بنایا۔ اگر یہ ترتیب بدل جائے اور...... النِّسَاءُ قَوَّامَاتٌ عَلَی الرِّجَالِ ...... بن جائے تو آپ دیکھیں گے کہ اس گھر کا نتیجہ ہمیشہ الٹا ہو گا۔ وہاں سے خیر نکلنے کی بجائے شر نکلے گا، دین نکلنے کی بجائے دنیا نکلے گی اور اچھائی کی بجائے برائی نکلے گی۔ یہ اللہ کی بنائی ہوئی ترتیب ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اونچا رکھا وہ اونچا رہے اور جس کو نیچے رکھا وہ نیچے رہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی اس ترتیب پر راضی رہے۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ترتیب کو الٹنا ایک عذاب ہوتا ہے۔ اسی لئے جب قوم لوط پر عذاب آیا تو رب کریم نے ارشاد فرمایا:

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (الحجر: 74)

[پس ہم نے اس شہر کو (الٹ کر) نیچے سے اوپر کر دیا]

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو زمین کے اوپر کو زمین کے نیچے کے

ساتھ بدل دیا گیا۔ یعنی اوندھا کر دیا گیا۔

امانت کی سپردگی

جس نے کلمہ پڑھا اس نے اللہ رب العزت سے ایک عہد کر لیا۔ یہ عہد کرنے سے بندہ ایمان والا بن جاتا ہے۔ اور یاد رکھیں کہ ایمان ایک امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الاحزاب: 72)

[ہم نے بار امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا]

دیکھیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے امانت کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا گیا تھا اور انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے یہ ذمہ داری اپنے بندوں کے سر پر رکھ دی اور انسان نے اس ذمہ داری کو اپنے سر پر لے لیا۔

امانت کے بارے میں ایک دستور ہے کہ وہ کسی کی دی ہوئی چیز ہوتی ہے اور اس کو پھر پہنچانا ہوتا ہے۔ اگر آدمی امانت کو نہ پہنچائے تو وہ سزا کا مستحق بنتا ہے۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء: 58)

[بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں پہنچا دو]

جب یہ ایمان کسی بندے کے سینے میں اتر جائے تو وہ امانت ہوتا ہے۔ اس امانت کو آگے پہنچانا ہے...... کہاں پہنچانا ہے؟...... اللہ کے بندوں تک پہنچانا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ایک ترتیب ہے۔ یہ امانت پہلے انبیاء کو ملتی تھی اور انبیاء اپنی زندگی میں اپنی امتوں تک پہنچاتے تھے۔ نبی رحمت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آپ کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجا اور اس کی برکت سے وہ نعمت

آپ ﷺ کے ورثاء کو دے دی گئی۔

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ [علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں]

چنانچہ وہ نبی اکرم ﷺ کے نائب بن کر اب اس امانت کو پوری دنیا میں پھیلائیں گے اور جو لوگ ان علماء سے حصہ پائیں گے وہ بھی اپنے اپنے درجے کے مطابق اس امانت کو آگے پہنچائیں گے۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت کے صدقے یہ ذمے داریاں ہر ایک مؤمن کے سپرد کر دی گئی۔ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے داعی بننے کا فریضہ عطا فرمایا۔ لہٰذا جو طالبات آج بخاری شریف کی آخری حدیث پاک پڑھ چکی ہیں وہ ذہن میں یہ نہ سوچیں کہ اب ہم امتحان سے فارغ ہو کر جائیں گی اور گھروں میں جا کر آرام کریں گی۔ زندگی میں تو آرام نہیں ہے۔ یاد رکھیں کہ

......دنیا کام کے لئے

......قبر آرام کے لئے اور

......جنت عیش کے لئے بنائی گئی ہے۔

اس لئے مؤمن کو دنیا میں آرام نہیں ہے...... کام، کام، کام بس تھوڑا آرام ...... اور وہ آرام بھی اس نیت سے کہ میں تازہ دم ہو کر پھر کام کروں۔ اس لئے مؤمن کے آرام کو بھی اللہ تعالیٰ اس کے کام میں شمار فرما لیتے ہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا:

نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ [علماء کی نیند عبادت ہوتی ہے]

سبحان اللہ، جس مؤمن کا سونا عبادت ہو اس کا جاگنا کتنی بڑی عبادت ہو گی۔

استاد کو ہدیہ پیش کرنے کا طریقہ:

دستور یہ ہے کہ دینے والا لینے والے سے افضل ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی

[اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے]

یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ چونکہ اس حدیث پاک میں علیا اور سفلیٰ کا لفظ استعمال فرمایا گیا، اس لئے مشائخ سکھاتے ہیں کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آدمی اپنے استاد کو کوئی ہدیہ پیش کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر پیش کرے تا کہ لینے والے ہاتھ اس کے اوپر سے لیں۔

ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روتے ہوئے دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ! آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے اچھا ہوتا ہے، اب میرے پاس کچھ مال ہے اور میں وہ مال آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، مگر یہ ادب کے خلاف ہے کہ میں دوں اور وہ لیں، لہٰذا آپ مہربانی فرما کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں یہ بات ڈال دیں کہ وہ ابوبکر کے مال کو اپنا مال سمجھ کر استعمال فرمایا کریں۔ اللہ اکبر......

طالبات کے لئے محنت کا میدان

دنیا میں انسان کی دو حیثیتیں ہیں۔ یا تو وہ داعی ہوگا یا مدعو ہوگا۔ اس کے علاوہ تیسری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مومن کو اللہ تعالیٰ نے داعی بن کر زندگی گزارنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لئے جو طالبات آج تحصیلِ علم سے فارغ ہو جائیں ان کے سر پر ایک اور ذمہ داری پڑ جائے گی۔ اب وہ اس علم پر عمل بھی کریں اور داعیہ بن کر اپنے گھر میں کام بھی کریں۔ ان کی محنت کا میدان یہ ہوگا کہ وہ گھروں کے اندر رہتے ہوئے گھر کے بچوں اور عورتوں کو یا قریب کے محلے میں جن عورتوں سے میل جول ہو ان تمام کو یا گھر کے محرم مردوں کو دین کی طرف

متوجہ کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ہر گھر دین کا ایک مدرسہ بن جائے گا اور ہر ماں بچوں کی ماں بھی ہوگی اور ان کی معلّمہ بھی بن جائے گی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں معلم بن کر مبعوث ہوا ہوں)

گویا فارغ التحصیل ہونے والی ہر ہر طالبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانی بیٹی بن کر وہی کام کرے گی جو اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ رب العزت کی طرف سے علم و عرفان والی جو امانت ملی اسے آپ ﷺ نے اپنی امت تک پہنچا دیا۔ اسی لئے اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّ اللّٰهُ يُعْطِي

(میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والے ہیں)

غور فرمایئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قاسم کا لفظ ارشاد فرمایا ...... انا قاسم ...... فرمایا ...... انا خازن ...... ارشاد نہیں فرمایا۔ لہٰذا ہمیں بھی جب یہ نعمت ملے تو ہمیں بھی چاہیے کہ اس کو آگے تقسیم کریں۔ یہ وہ خیر ہے جو تقسیم کرنے سے زیادہ بڑھتی ہے، جب کہ دنیا کا مال پیسہ تقسیم کرنے سے گھٹ جاتا ہے۔ اس لئے طالبات ابھی سے اپنے دل میں یہ عہد اور ارادہ کرلیں کہ انہوں نے اپنی معلمات سے جو نعمت پائی ہے اس کو آگے تقسیم کریں گی۔

دعوت کا کام نہ کرنے پر حسرت

مومن کی حیثیت ایک سپاہی کی مانند ہے کیونکہ جس طرح سپاہی خود بھی احکامِ سلطنت کی پابندی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی ان احکام کی پابندی پر متوجہ کرتا ہے، اسی طرح مومن بھی احکام خداوندی پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کو احکامِ خداوندی پر عمل کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اگر ہم اس نعمت کو آگے تقسیم کرتے

رہیں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں ملتی رہیں گی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ (یوسف:108)

(کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں)

اور قیامت کے دن جو لوگ یہ کام نہیں کریں گے ان کا کیا حال ہوگا؟ ارشاد فرمایا

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا (الفرقان : 27)

[اور جس دن ظالم اپنا ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے گا کہ کاش میں نے پیغمبر کے ساتھ رشتہ اختیار کیا ہوتا]

وہ کہیں گے کہ اے کاش! ہم نے رسول اللہ ﷺ کے طرز زندگی کو اپنایا ہوتا۔ ان کو اس بات کی حسرت ہوگی۔

دعوت و تبلیغ کے مختلف انداز

اللہ رب العزت کی طرف سے دعوت و تبلیغ کا حکم کھلا اور ڈھلا ہے اور اس کے طریقے کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے اوپر چھوڑ دیا ہے۔ گویا حکم منصوص ہے اور علمائے کرام نورِ نبوت کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر وقت کے مطابق طریقہ ترتیب دیتے رہیں گے۔

......کہیں مدارس کی شکل میں

......کہیں درسِ قرآن کی شکل میں

......کہیں دعوت و تبلیغ کے کام کی شکل میں

......اور کہیں خانقاہوں میں اللہ اللہ کی شکل میں

یہ سب دعوت کے انداز ہیں۔ یاد رکھیں کہ دعوت الی اللہ کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ چپکا دینا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔ ایسا بندہ یا تو جاہل ہے یا پھر مجہول ہے۔ دعوت حکمِ ربانی ہے اور داعی بننا ہے۔ لیکن جہاں تک ترتیب کا تعلق ہے اس کے بارے میں وسعت ہے۔ اس کے مختلف انداز ہیں...... اگر کوئی یہ سمجھے کہ دعوت و تبلیغ کی جو آج کل شکل ہے، فقط یہی دعوت ہے تو کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان تک کے سب لوگ بغیر دعوت کے دنیا سے چلے گئے؟...... اس طرح ایک ترتیب کے اندر ہی انحصار کر لینا غلطی ہے۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج کے دور میں یہ سب سے اچھی ترتیب ہے۔ یہ ایک پکی بات ہے اور اسے ماننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

چونکہ دعوت و تبلیغ کے مختلف انداز ہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ مدارس میں بیٹھ کر حدیث کا درس دینے والے استاد بھی دین کی دعوت دینے والے ہیں اور مساجد میں صبح و شام درس دینے والے علمائے کرام بھی دین کی دعوت دینے والے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ دعوت الی اللہ کا یہ کام ہر ایک کے لئے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کرنا ضروری ہے۔ جو بڑے علماء ہیں ان کا ایک گروہ ایسا ہوگا جو کامل داعی بن کر کام کرے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (آل عمران: 104)

(اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں)

اس فرضِ کفایہ کو کچھ علماء تو کامل طریقے سے پورا کرتے رہیں گے اور باقی ہر بندہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس کام کو کرے۔ فقط علماء کا فرض نہ سمجھے کہ دین

کی طرف بلانا صرف علماء کا کام ہے، یہ ہر کلمہ گو کا کام ہے۔ وہ جہاں نوکری کرتا ہے، جہاں کام کرتا ہے اور جہاں رہتا ہے، وہاں اپنی استعداد کے مطابق اپنے اردگرد کے لوگوں کو خیر کی طرف متوجہ کرے اور حق اور سچ کی زندگی گزارنے کی ترغیب دے۔

سب سے بہتر طریقہ تبلیغ

دعوت وتبلیغ کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان مجسم دعوت بن جائے اور اپنے قول وفعل دونوں سے لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے۔ بلکہ عمل سے دین کی طرف بلانا قول سے بلانے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ابتداء میں اپنے عمل سے لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فُتِحَتِ الْمَدِیْنَۃُ بِالْاَخْلَاقِ

[نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اخلاق کے ذریعے مدینہ کے لوگوں کے دلوں کو فتح فرمایا]

یاد رکھیں کہ دنیا تلوار کا مقابلہ کر سکتی ہے کردار کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کردار دیکھنے میں ایک بے قیمت سی چیز نظر آتی ہے لیکن اللہ کی قسم! اس کردار کے ذریعے انسان سب سے قیمتی چیز کو بھی خرید لیا کرتا ہے۔

؎ تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو انسان کا کردار کرے ہے

کردار کی برکتیں تقریر اور تحریر دونوں سے بڑھ جایا کرتی ہیں۔

؎ قول میں رنگِ عمل بھر کے بنا دے رنگیں
لبِ خاموش عطا کر دل گویا کر دے

ایسے لوگوں کی زبان اگر نہ بھی بولے تو ان کے عمل اور اخلاق بولتے ہیں اور وہ دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اسی لئے حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ چین میں آٹھ مسلمان تاجر گئے اور انہوں نے وہاں جا کر تجارت کی اور ان کے حسنِ تجارت کو دیکھ کر پورے کے پورے ملک کے لوگ مسلمان ہو ئے۔ نہ انہوں نے خطبے دیئے اور نہ ہی بیانات کئے، انہوں نے جا کر صرف تجارت کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دینِ اسلام کے ہر ہر عمل میں ایسا حسن و جمال ہے کہ وہ کفر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اپنے اندر مقناطیست رکھتا ہے۔

دعوت و تبلیغ میں نورِ باطن کی اہمیت

اگر اللہ تعالیٰ انسان کو باطن کا نور عطا فرما دیں تو پھر دین کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا

اَدْعُوْا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ (یوسف: 108)

(میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کے ساتھ)

اسی لئے اگر بصیرت کے ساتھ کام کیا جائے تو اس دعوت کا فیض بہت زیادہ ہوتا ہے۔ عربی زبان میں بصیرت کو ہی فقاہت کہتے ہیں۔

مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ

(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں)

اور دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا:

مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (الانعام: 145)

(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے

کھول دیتے ہیں)

یہ ایک ایسا نور ہے جو اللہ تعالیٰ اعمال میں اخلاص اور اتباع سنت کی وجہ سے مومن بندے کو عطا فرما دیتے ہیں۔ جب انسان اس نورِ بصیرت کو لے کر چلتا ہے تو پھر اس کا فیض آگے دوسروں تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے اکابر کے ایک ایک سفر میں ہزاروں کی تعداد میں کفار کفر کو چھوڑ کر اسلام کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے۔

قرآن مجید کی روشنی میں داعی کی چند صفات

قرآن مجید سے داعی کی چند ایسی صفات کا پتہ چلتا ہے کہ اگر انسان ان کو اپنے اندر پیدا کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں زیادہ برکت رکھ دیتے ہیں ...... طالبات ان چند باتوں کو دل کے کانوں سے سنیں ...... یہ صفات اپنے اندر پیدا کریں اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی زبان میں کیسے تاثیر پیدا کر دیتے ہیں۔

(۱)...... دل میں محبتِ الٰہی پیدا کرنا

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اعمال اور عبادت کے ذریعے اپنے دل کو اللہ رب العزت کی محبت سے لبریز کر لیا جائے حتیٰ کہ وہ مقام مل جائے جس کو قرآن مجید میں فرمایا گیا:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرة: 165)

(اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے)

یہ شدتِ محبت دراصل شدتِ ایمان ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی اس طرح کی محبت دل میں ہوگی تو اس محبت کے ساتھ جو بندہ بات کرے گا وہ دوسرے کے دل پر پڑے گی۔

از دل خیزد بر دل ریزد (جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل کے اوپر پڑتی ہے)

یہی وجہ ہے کہ اگر عام آدمی کسی کو کوئی کام کہہ دے تو اس کو عمل کی توفیق نہیں ملتی اور اگر کوئی نیک اور مخلص اللہ والا وہی کام اس کو کہہ دے تو وہ آدمی کرنا شروع کر دیتا ہے کیونکہ کہنے والے کے الفاظ میں عمل کی پاکیزگی کی وجہ سے ایک برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے دیتے ہیں۔ یہ ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہم جب اس فرض کو پورا کریں گے تو ہم اجر کے مستحق بن جائیں گے۔ نتائج کو ہم اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں۔ وہ جب چاہے گا اور جسے چاہے گا متوجہ کر دے گا۔

(۲)...... بے غرض ہو کر دعوت دینا

ہمیں چاہیے کہ ہم دین کی جو بات بھی کریں وہ بے غرض ہو کر کریں۔ یہ داعی کے لئے ایک بڑی اعلیٰ صفت ہے۔ اس کے دل میں کوئی غرض مرض نہ ہو۔ اسی لئے انبیائے کرام نے اپنی امتوں کو فرمایا:

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (ھود : ۵۱)

(اے لوگو! میں اس کام کے بدلے تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا)

یعنی وہ کہنا چاہتے تھے کہ میں تجھے کچھ دینے آیا ہوں تم سے لینے نہیں آیا۔ جب یوں بے غرض ہو کر دعوت دی جائے تو اس میں اور زیادہ برکت ہوتی ہے۔

(۳)...... بلا تخصیص دعوت دینا

جب دعوت دیں تو سب کو دیں، یہ نہ ہو کہ صرف لکھے پڑھے لوگوں کو دیں۔ لکھے پڑھے لوگوں کو بھی دعوت دیں اور ان پڑھ کو بھی دیں، چھوٹے کو بھی دیں اور بڑے کو بھی دیں، امیر کو بھی اور غریب کو بھی دیں۔ کئی مرتبہ یہ بات دیکھی گئی ہے کہ اگر کوئی لڑکی کم پڑھی ہوئی ہو تو طالبات اور معلمات اس کی طرف زیادہ

دھیان نہیں دیتیں اور سوچتی ہیں کہ جی وہ جاہل سی لڑکی ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ اس جاہل سی لڑکی کو بھی تو ایمان اور عمل کی ضرورت ہے۔ جس میں جتنی زیادہ طلب دیکھیں اس پر اتنی زیادہ محنت کریں۔ ایک نابینا صحابیؓ دل میں طلب لے کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کیسی پشت پناہی فرمائی۔ اپنے محبوب ﷺ کو محبوبانہ انداز میں فرمادیا:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰیٓ o اَنْ جَآءَ ہُ الْاَعْمٰی o (عبس:2-1)

(ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے کہ آیا ان کے پاس ایک نابینا)

معلوم ہوا کہ جب کوئی طلب لے کر آئے تو اس بندے کو انسان ہمیشہ ہاں میں جواب دے۔ جتنا بھی ممکن ہو وہ اپنے آپ کو گھلائے، اپنے آرام کو قربان کرے، اس کی حتی الوسع کوشش یہی ہو کہ طلب کا جواب ہمیشہ ہاں میں دے۔

(۴)......دل میں رحمت وشفقت ہونا

داعی کا دل ہمیشہ رحمت اور شفقت سے بھرا ہوا ہونا چاہیے کیونکہ یہ نبی رحمت ﷺ والا کام ہے۔ غصہ بھر جانا، دوسروں کے بارے میں طبیعت کے اندر بغض آجانا، ذرا سی بات پر چڑھ جانا یا ایک دفعہ کہہ کر روٹھ جانا کہ جی میں نے اس سے کہا تھا لیکن وہ تو سنتا ہی نہیں، یہ داعی کے کام نہیں ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابوجہل کے گھر بقول علامہ شبلیؒ تین ہزار (۳۰۰۰) مرتبہ اللہ کی دعوت دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سے پتہ چلا کہ طبیعت کے اندر دوسروں کی خیر خواہی ہو۔ اسی لئے انبیائے کرام میں سے ہر ایک نے فرمایا:

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط (ھود : 88)

(میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے تمہاری اصلاح ہی چاہتا ہوں)

انبیائے کرام دنیا میں تشریف لا کر جو دعوت کا کام کرتے تھے اس کا مقصد

"اصلاح" ہوتا تھا۔ مگر یہ چیز انسان کو اس وقت ملتی ہے جب وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب وہ عبادت میں، اللہ کے ذکر میں اور فکر میں خوب لگ کر اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ تمام صفات اس بندے کو عطا فرما دیتے ہیں۔

(۵) تہجد میں اللہ تعالیٰ سے مانگنا

انبیائے کرام کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے کہ وہ رات کے آخری پہر میں اٹھ کر اللہ رب العزت سے مانگا کرتے تھے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ٥ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ٥

[وہ راتوں کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحر کے وقت استغفار کیا کرتے تھے] (الذّٰریٰت:17-18)

ایک اور مقام پر فرمایا،

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ. (الانبیاء: 90)

(وہ نیک کاموں میں جلدی کرنے والے تھے اور اللہ کو پکارتے تھے امید اور خوف کے ساتھ اور وہ ہم سے خشوع اختیار کرنے والے تھے)

گویا داعی کے دل میں خشوع بھی ہو، خوف بھی ہو، امید بھی ہو اور وہ اللہ سے راتوں کو مانگ بھی رہا ہو۔ جب وہ یوں مانگتا ہے تو پھر اللہ رب العزت اس کو عطا فرما دیتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی امت کے بارے میں غمزدہ رہتے تھے۔ اسی طرح داعی کو بھی چاہیے کہ وہ غمزدہ رہے اور اللہ سے دعائیں مانگے۔ وہ زبان سے دعوت دے اور پھر نمازیں پڑھ کر، تہجد پڑھ کر اور ذکر و مراقبہ کر کے اللہ سے رو کر بھی مانگے۔ تو یہ رات کو مانگنا سب کے لئے ضروری ہے۔ چاہے وہ معلم ہو یا داعی ہو، شاگرد ہو یا شاگرد ہو، کوئی بھی ہو، ہر ایک کیلئے

رات کو اٹھ کر مانگنا ایک بڑی نعمت ہے۔

؎ عطار ہو، رومی ہو ، رازی ہو ، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

اللہ والوں کا یہی دستور ہے کہ وہ رات کے آخری پہر میں اللہ سے رو رو کر مانگتے ہیں اور پھر دن کے وقت اللہ کی مخلوق پر محنت کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو عمل کی توفیق مل جاتی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین شاگرد تھے۔ ان تینوں کا نام عبداللہ تھا۔ وہ ایسے عباد اللہ تھے کہ خدمت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور اللہ رب العزت کے پیارے محبوب ﷺ ان سے اتنے خوش تھے کہ تہجد کی نماز کے بعد ان کے لئے بعض اوقات نام لے کر دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ اور محبوبِ خدا ﷺ کی دعاؤں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو اپنے اپنے فن کا امام بنا دیا۔ چنانچہ

......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ امام المفسرین بنے،

......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام المحدثین بنے اور

......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام الفقہاء بنے۔

معلمات ذرا اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں کہ وہ دن میں اپنی شاگردوں کو پڑھاتی ہیں اور ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتی ہیں ......کیا رات میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مانگتی بھی ہیں؟ ......کیا کبھی اللہ کے حضور رو رو کر آنسو بھی بہائے ہیں؟ ......اگر دل میں غم ہوتا تو پھر خود بخود رات کو ہاتھ اٹھتے اور آنسو بہتے۔

(۶)......ذکرِ الٰہی کرتے رہنا

ذکر کا کام دعوت الی اللہ کے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت

موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تو ارشاد فرمایا،

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْکَ بِاٰيٰتِىْ وَ لَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ (طه: ۴۲)

(جایئے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیوں کو لے کر اور تم دونوں میری یاد سے غافل نہ ہونا)

تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا۔ اب بتایئے کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کی تشکیل فرما رہے ہیں کہ ...... اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ...... اور اس وقت ہدایات دیتے ہوئے فرمایا...... وَ لَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ ...... (کہ تم دونوں میری یاد سے غافل نہ ہونا) سوچئے کہ اس سے زیادہ ذکر کی کیا اہمیت ہوگی۔ ذکر اس کام میں معاون ہے۔ اسی لئے علم و ذکر دعوت و تبلیغ کا مستقل ایک نمبر ہے۔ کیونکہ ذکر کے بغیر انسان اندر سے خالی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِىْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِىْ لَا يَذْكُرُ رَبَّهٗ كَمَثَلِ الْحَيِّ وَ الْمَيِّتِ

(مثال اس کی جو ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی ہے)

ایک ہوتا ہے سرکنڈا اور ایک ہوتا ہے گنا۔ سرکنڈا وہ ''کانا'' ہوتا ہے جس سے بچے قلمیں بناتے ہیں۔ اگر موٹا سرکنڈا ہو اور پتلا گنا ہو تو وہ دونوں شکل میں ایک جیسے نظر آتے ہیں مگر دونوں کی حقیقت مختلف ہوتی ہے۔ سرکنڈا اندر سے خشک بھی ہوتا ہے، پھیکا بھی ہوتا ہے اور بے ذائقہ بھی ہوتا ہے اور اگر گنے کو چوسیں تو وہ اندر سے تر بھی ہوتا ہے، شیریں بھی ہوتا ہے اور خوش ذائقہ بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو اندر سے خشکے بن جاتے ہیں، ذکر سے ان کو مَس ہی نہیں ہوتی اسی لئے ان کی زبان میں مٹھاس ہی نہیں ہوتی۔

(۷)......دل کا سوز سے بھر جانا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض اوقات امت کے لئے اتنے غمزدہ ہوتے تھے

کہ آپ کا دل سوز سے بھر جاتا تھا۔ ہمیں بھی اسی غم اور فکر کے ساتھ دوسروں کو دعوت دینی چاہیے۔ ہمارے ایک دوست عالم ہیں۔ ان سے اس دفعہ عمرہ کے دوران ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ہمیں اپنی بیٹی کا واقعہ سنایا۔ وہ فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میری بچی نے مجھ سے سوال کیا کہ جنت میں کون جائے گا؟ میں نے کہا کہ مومن لوگ جنت میں جائیں گے۔ اس نے پوچھا، کیا یہ کافر اور مشرک لوگ جنت میں نہیں جائیں گے؟ میں نے کہا، یہ نہیں جائیں گے۔ وہ بچی کہنے لگی، کیا وہ ہزار سال کے بعد بھی جنت میں نہیں جائیں گے؟ میں نے کہا، نہیں جائیں گے۔ وہ کہنے لگی، اللہ تعالیٰ رحیم ہیں، کبھی نہ کبھی تو ان کو جنت میں بھیج دیں گے۔ میں نے کہا، نہیں بھیجیں گے۔ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی، ابو! وہ جنت میں کیوں نہیں جائیں گے؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ (النساء: 48)

(بے شک اللہ تعالیٰ مشرک کی کبھی مغفرت نہیں فرمائیں گے)

پھر وہ پوچھنے لگی، کیا وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جلیں گے؟ میں نے کہا، جی ہاں یہ ایک ایسا بڑا گناہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جلیں گے۔

بچی یہ بات سن کر خاموش ہوگئی۔ مگر میں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر کے بعد اس نے ٹشو پیپر ہاتھ میں لیا۔ اب میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ آنسو پونچھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا، بیٹی! کیوں رو رہی ہو؟ اس نے روتے ہوئے کہا کہ کافر اور مشرک لوگ تو بہت سارے ہیں، یہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ اکیلی کو جہنم میں ڈال دیں اور ان سب کی بخشش فرما دیں...... اللہ اکبر! چھوٹی سی بچی کی سوچ دیکھئے...... وہ کہنے لگے، اس دن مجھے وہ آیت یاد آ گئی جس میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو فرماتے ہیں:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء:3)

(شاید کہ تم اس غم سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کر دو گے)

(۸)......دل میں اخلاص پیدا کرنا

اس کام میں اخلاص بڑا ضروری ہے۔ یاد رکھیں کہ دین کا کام اخلاص کے بغیر آگے نہیں چلتا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ دنیا میں کتنے مدارس بنتے ہیں مگر کچھ عرصہ کے بعد عمارتیں کھوکھلی ہو کر گر جاتی ہیں اور وہاں کوئی جانے والا نہیں ہوتا۔ اور کچھ مدارس کو اللہ تعالیٰ ایسی قبولیت دے دیتے ہیں کہ سینکڑوں سال تک اللہ تعالیٰ ان کا علمی فیض پھیلا دیتے ہیں اور ان کی ہزاروں شاخیں بن جاتی ہیں۔

بندے کو کیسے پتہ چلے کہ میں دین کا کام اخلاص سے کر رہا ہوں یا نہیں؟ یہ بات میں نے اپنے بڑوں سے سنی ہے اور اسے ہیرا اور موتی سمجھتا ہوں۔ میں ہیرے اور موتی جیسی بات آج ان طالبات کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔ یہ آج اس محفل کا ہماری طرف سے ہدیہ سمجھیں۔

ہمارے اکابر نے فرمایا کہ دین کا کام کرنے والے اپنے اندر اخلاص کو اس طرح چیک کرتے رہیں کہ جب دین کا کام کرتے ہوئے باقی دین کے کام کرنے والوں کے ساتھ دل میں احسان مندی کے جذبات ہوں تو بندہ سمجھے کہ میں اخلاص کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔ جس شکل میں بھی دین کا کام کر رہے ہیں، اگر ان کے بارے میں دل میں احسان مندی کے یہ جذبات ہوں کہ یہ گویا میرے اوپر احسان کر رہے ہیں تو یہ اخلاص ہے۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر گلی کے ایک طرف مسجد ہو اور کوئی بندہ بالکل اس کے سامنے مسجد بنا لے اور ادھر کا عالم اپنے دل میں خوش ہو کہ الحمدللہ پہلے میں ایک آدمی کام کرنے

والا تھا، اب اللہ نے ایک اور آدمی کام کرنے والا بنا دیا ہے۔ تو اس خوشی پر وہ مخلص سمجھا جائے گا اور اگر دل میں انقباض ہو گا تو اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ ابھی اس میں اخلاص نہیں ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ دین کا کام کرنے والے فقط میری ترتیب کے مطابق کام کریں تو پھر دین کا کام کرنے والے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ابھی دین میں اخلاص کو پیدا نہیں کیا۔ دیکھیں کہ

مدارس کی بھی ایک ترتیب ہے

دعوت و تبلیغ کی بھی ایک ترتیب ہے اور

خانقاہوں کی بھی ایک ترتیب ہے۔

یہ سب گناہوں میں پڑے بندوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے ہیں اور لوگوں کی زندگیاں سنت کے بالکل مطابق بن جاتی ہیں۔ تو جو آدمی جس انداز سے بھی دین کا کام کر رہا ہے اگر وہ اپنا کام بھی کرتا رہے اور دوسرے کام کرنے والوں کے بارے میں دل میں احسان مندی کے جذبات بھی پائے تو وہ سمجھ لے کہ میں اخلاص سے کام کر رہا ہوں۔ جب وہ احسان مند ہو گا تو کیا وہ ان کے لئے دعائیں نہیں کرے گا۔ تو یہ پہچان ہے کہ وہ خود بھی دین کا کام کرتا ہے اور دین کا کام کرنے والے دوسرے شعبوں کے جتنے لوگ ہیں وہ ان سب کے لئے دعائیں بھی کرتا ہے۔

طالبات کے لئے کام کرنے کے دو طریقے

یہ فارغ ہونے والی طالبات دین کا کام کرنے کے لئے اگرچہ اپنا اپنا مدرسہ نہیں بنا سکتیں، تاہم وہ کسی نہ کسی ترتیب میں جڑ سکتی ہیں۔ اس کے دو طریقے ہیں

(۱)...... ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے گھر کے بچوں کو، گھر کی

عورتوں کو، برادری کی عورتوں کو اور ہمسایوں کی عورتوں کو دین کی طرف متوجہ کرے۔ اس کی بہترین ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے تجوید کے ساتھ قرآن پاک پڑھانا شروع کرے۔ یہ نہ سوچے کہ میں عالمہ ہوں اور میں ان کو ناظرہ قرآن پاک کیسے پڑھاؤں۔ ترتیب یہی ہے کہ آپ ان کو پہلے قرآن پاک پڑھانے کی طرف متوجہ کریں۔ چند دنوں کے بعد آپ دیکھیں گی کہ قرآن پاک کی مقناطیسیت نوجوان بچیوں اور بڑی عمر کی عورتوں کو اپنی طرف کھینچے گی۔ وہ قرآن پاک سیکھنے کے لئے آپ کے قریب آنا شروع ہو جائیں گی۔ جب وہ تجوید کے قواعد کے مطابق معروف انداز سے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیں تو پھر آپ ان کو قرآن پاک کا ترجمہ پڑھانا شروع کر دیں۔ ان کو آپ یہ بتائیں کہ جی، یہ اللہ کا کلام ہے، ہم اتنے عرصے سے پڑھ رہے ہیں لیکن ہمیں اس کے معانی کا پتہ ہی نہیں، کیوں نہ ہم اس کے معانی بھی سمجھ لیں۔ جتنی بھی دین سے دور عورت ہو گی وہ ترجمہ قرآن کے نام پر ضرور آپ کے قریب آ جائے گی۔ حتیٰ کہ بے نمازی عورت بھی کہے گی کہ ہاں میں قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنا چاہتی ہوں۔

جب وہ ترجمہ قرآن کے نام پر آپ کے قریب آنے لگ جائیں تو ان میں سے وہ بچیاں جو استعداد والی بھی ہوں، وقت بھی فارغ کر سکیں اور ان کے والدین بھی ان کو اجازت دے دیں، ان کی تشکیل آگے کر دیں اور ان کو مدارس کے ساتھ جوڑیں۔ بنات کے مدارس تو اب ماشاء اللہ تقریباً ہر بڑے محلے میں موجود ہیں۔

(۲)...... دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر آپ قریب میں کوئی مدرسہ نہیں پاتیں تو پھر خود اللہ کی توکل پر ان کو پڑھانے کی کوئی ترتیب بنا لیں۔ پہلی اینٹ سے ہی مکان بننا شروع ہو جاتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض اوقات ایک معلّمہ ایک بڑے

مدرسے کے بننے کا سبب بن جاتی ہے۔

اگر آپ گھریلو سطح پر ترجمہ قرآن کے نام سے کام شروع نہیں کرتیں تو پھر کسی مدرسے میں معلّمہ کے طور پر کام کریں۔ کسی نہ کسی ترتیب میں اپنے آپ کو ضرور جوڑیں۔ یہ سوچنا فضول ہے کہ کوئی ہمیں بلائے گا تو ہم پڑھائیں گے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ سے مانگیں اور اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں جوڑنے کی کوشش کریں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جو طالبہ کچھ نہ کچھ حرکت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ حرکت میں برکت ڈال دیتے ہیں۔ پھر اس کے لئے اللہ تعالیٰ گھر میں بھی مدرسہ بنا دیتے ہیں اور مدارس میں بھی راستہ کھل جاتا ہے۔

(۹)......ناپسندیدہ حالات میں برداشت کرنا

اس کام کو کرتے ہوئے بعض اوقات آپ کو کوئی ناپسندیدہ حالات بھی پیش آسکتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ شادی شدہ عورت ہیں اور اخلاص کے ساتھ دین کا کام کر رہی ہیں، تو ہوسکتا ہے کہ ساس آپ کے بارے میں کوئی اور ہی فقرہ بول دے کہ یہ بڑی بنی پھرتی ہے یا اس کو بڑا بننے کا شوق ہے۔ اب اس کا یہ چھوٹا سا فقرہ کہیں آپ کی ہمت کو توڑ ہی نہ دے۔ اس وقت آپ یہ سوچیں کہ دین کی دعوت کا کام کرنے والوں کو اس قسم کے حالات پیش آتے رہتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتنی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلے زمانے میں پتھر مارے جاتے تھے اور آج کے زمانے میں الفاظ کے پتھر مارے جاتے ہیں۔ جب ساس کہے کہ اس کو بڑا بننے کا شوق ہے تو یوں سمجھیں کہ اس نے پتھر مارا ہے اور محبوب ﷺ کی سنت پوری ہوگئی ہے۔ اس سے دل تنگ نہ کریں کیونکہ اس کے بغیر ترقی نہیں ہوتی۔ اس قسم کے چھوٹے موٹے حالات ابتدا میں آتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان مکی حالات کے بعد مدنی حالات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ ترتیب وہی ہے جو نبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پیش آئی تھی۔

ہو سکتا ہے کہ کبھی خاوند ہی مذاق اڑا دے، یا ہو سکتا ہے کہ آپ کام کر رہی ہوں تو والدین کوئی ایسی بات کر دیں یا کبھی بھائی کوئی مذاق اڑا دے۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر خفا ہو کر بیٹھ جانا اور کام چھوڑ دینا ٹھیک نہیں ہے۔ ہم نے تو اخلاص کے ساتھ لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ اس میں اگر کبھی اپنے آپ پر بوجھ بھی اٹھانا پڑے تو اس بوجھ کو اللہ کیلئے برداشت کریں کیونکہ مومن بندے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ

وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (المائدة: ۵۴)

(اور وہ نہیں ڈرتے ملامت کرنے والے کی ملامت سے)

ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ وہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگے، ''اللہ کے نام پر مجھے دو''۔ لوگوں نے دینا شروع کر دیا۔ جب ان کے ایک عقیدت مند نے انہیں دیکھا کہ اتنے بڑے شیخ مسجد کے دروازے پر کھڑے مانگ رہے ہیں تو وہ بڑا پریشان ہوا۔ اس نے جا کر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا کہ جی اتنے بڑے شیخ ہیں اور مسجد کے دروازے پر کھڑے مانگ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، اچھا اب جاؤ اور ان کو یہ پیسے میری طرف سے دے دو۔ اس نے جا کر وہ پیسے ان کو دے دیئے۔ پھر واپس آ کر بتایا کہ انہوں نے لے لئے ہیں۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب وہ لے لیں تو آخر میں جا کر ان سے پوچھنا کہ حضرت! آپ یہ کیوں لے رہے تھے؟ چنانچہ وہ ان کے پاس چلا گیا۔

جب ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے فارغ ہو کر واپس جانے لگے تو اس نے پوچھا، حضرت! آپ کیوں لے رہے تھے؟ حضرت نے فرمایا کہ آج میرے دل میں الہام ہوا کہ تم میرے نام پر لوگوں سے مانگو اور جو کچھ تمہیں ملے

اسے غربا میں تقسیم کر دو، لیکن جو آج تمہارے ساتھ خیر کا معاملہ کرے گا، میں پروردگار دینے والوں کو کئی گنا زیادہ عطا کروں گا۔ جب مجھے یہ الہام ہوا تو میں نے اس میں اپنی بے عزتی نہیں سمجھی بلکہ میں نے اپنے بھائیوں کے فائدے کی خاطر جامع مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اللہ کے لئے مانگنا شروع کر دیا۔
......تو بھئی! جس طرح نہ مانگنا اچھا ہوتا ہے اسی طرح بعض اوقات اللہ کے لئے مانگنا بھی فضیلت کا کام ہوتا ہے۔ اس سے بھی نفس ٹوٹتا ہے۔ اس لئے ایسے حالات سے انسان کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن کی ندامت سے محفوظ فرما دے۔

(۱۰)......دعوت کا کام کرنے پر شکر ادا کرنا

اگر ہم سرکاری کام نہیں کریں گے تو سرکار کسی اور سے کام لے لے گی۔اسی لئے ارشاد فرمایا:

وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ

(محمد: 38)

[اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا جو تمہاری طرح نہیں ہوں گے]

ہم اللہ تعالیٰ پر احسان نہ جتلائیں کہ ہم دین کی دعوت کا کام کر رہے ہیں، مدرسے میں پڑھا رہے ہیں اور درس قرآن دے رہے ہیں۔

منت منے کہ خدمتِ سلطان می کنی
منت ازو شناس کہ در خدمت گزاشتن

(اے مخاطب! تو بادشاہ پر احسان نہ جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے

بلکہ بادشاہ کی خدمت کرنے والے تو لاکھوں ہیں، یہ تو بادشاہ کا تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تجھے خدمت کے لئے قبول کر لیا ہے۔)

اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دین کے کام کے لئے قبول کر لیں تو ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ شکر بجالائیں کہ اے مالک! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ نسبت عطا فرمائی ہے۔ بہر حال آپ اس علم کو جو آپ نے حاصل کیا، زیور کی شکل میں اپنے اوپر سجائیں اور اس کو آگے پہنچانے کی نیت بھی کر لیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے نکالی گئی ہو)

ع وہ امت لقب جس کا خیر الامم ہے

اگر آج بھی ہم چاہیں کہ دین کا کام آگے بڑھے اور مسلمانوں کو وہی شان و شوکت حاصل ہو تو ہم میں سے ہر بندے کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق دین کی دعوت کا کام کرنا ہوگا۔

ع علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

داعی کے کام میں اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی

اب ایک آخری بات توجہ کے ساتھ سن لیجئے کہ جب آپ دین کا کام کریں گی تو آپ کے کاموں کی رکاوٹیں اللہ تعالیٰ خود دور فرما دیں گے۔ آپ اسباب کو مت دیکھیں۔ یہ نہ سوچیں کہ یہ کیسے ہوگا اور وہ کیسے ہوگا۔ جب کام ہی پروردگار کا ہے تو پھر ہم ہر چیز سے بالاتر ہو کر اپنے رب پر نظریں جما کر دین کے کام کے لئے قدم اٹھائیں، وہ اسباب کو خود ہی ترتیب دیتا چلا جائے گا۔ کیونکہ جب داعی

اخلاص کے ساتھ کام کر رہا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری پشت پناہی فرماتے ہیں...... یہ طالبات کے لئے ایک علمی نکتہ ہے، توجہ فرمائیے......

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو فرمایا:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (طٰه:43)

(فرعون کی طرف جائیے وہ بڑا سرکش ہو رہا ہے)

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں ایک طبعی سا خوف آیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں ایک طبعی سا خوف آیا کہ ادھر فرعون ہے، اس کی Established (منظّم) گورنمنٹ ہے، اتنی بڑی قوم اس کا ساتھ دینے والی ہے اور ہم صرف دو آدمی اس کی طرف جا رہے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى (طٰه: 46)

(تم دونوں نہ ڈرو، بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں)

یعنی فرعون جو بات تم سے کرے گا میں وہ سنوں گا بھی اور وہ تمہارے ساتھ جو معاملہ کرے گا وہ دیکھوں گا بھی۔ جب میں دیکھنے والا اور سننے والا پروردگار تمہارے ساتھ ہوں تو تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔

اسی طرح جب دین کی دعوت کا کام کرنے والا بندہ اللہ پر نظر رکھ کر قدم اٹھا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا معاون بن جاتا ہے، اللہ اس کا مددگار بن جاتا ہے، اللہ اس کا ناصرِ حقیقی بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ داعی کو دین کے کام میں جس چیز کی بھی

ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرما دیتے ہیں۔اس کی دلیل ......قرآن عظیم الشان سے......توجہ فرمایئے گا!!!

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ جایئے فرعون کی طرف،تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ میری زبان میں تو لکنت ہے اور میں اتنی واضح بات بھی نہیں کرسکتا تو انہوں نے اس وقت دعا مانگی:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ٥ وَ یَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ ٥ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ٥ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ٥ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ٥ هٰرُوْنَ اَخِی ٥ (طٰهٰ:30-25)

[میرے پروردگار! میرا سینہ کھول اور میرا کام آسان کردے،اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں اور میرے گھر والوں میں سے میرا وزیر مقرر فرما (یعنی) میرے بھائی ہارون کو]

اب دیکھئے کہ جب داعی اخلاص کے ساتھ اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے قدم اٹھاتا ہے تو اس وقت اگر وہ یہ دعا بھی مانگے کہ اے اللہ! میرے بھائی کو آپ میرا وزیر بنا دیجئے تو اللہ تعالیٰ تو اس کے بھائی کو بھی نبوت عطا فرما دیتے ہیں۔اگر یہ دین کا کام کرنے والی طالبہ اللہ سے یہ دعا مانگے گی کہ اے اللہ! اس دینی کام میں میرا باپ رکاوٹ ہے،میری ماں رکاوٹ ہے،میرا خاوند رکاوٹ ہے،میرا بھائی رکاوٹ ہے،اے اللہ! اس کو اس معاملہ میں میرا معاون بنا دے تو کیا خیال ہے کہ اخلاص کے ساتھ کام کرنے والی اس طالبہ کی دعا کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائیں گے۔ جو پروردگار نبوت کا مقام عطا فرما دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کسی کو ولایت کیوں نہیں عطا فرمائے گا۔اس لئے یہ کہہ دینا کہ میں نے تو جیسے کیسے پڑھ لیا ہے مگر میرا میاں ٹھیک نہیں ہو رہا، یہ درست نہیں ہے۔آپ دین کا کام کریں

اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اللہ تعالیٰ دل کی دنیا کو بدل کے دکھا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ مخالف حالات کو آپ کے لئے معاون بنا دیں گے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساری مخالفت ختم ہوئی تھی یا نہیں ہوئی تھی۔ ایسی ختم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَo (القصص:35)

(فرمایا، مضبوط کئے تمہارے ہاتھ تمہارے بھائی کے ذریعے سے اور ہم نے تم دونوں کے لئے شان و شوکت رکھ دی، وہ تمہیں پہنچ بھی نہیں سکیں گے۔ آپ جایئے ہماری ان نشانیوں کو لے کر، آپ اور جو آپ کی اتباع کرنے والے ہوں گے وہ یقیناً غالب آ کر رہیں گے۔)

دیکھئے کہ اللہ رب العزت کتنے مہربان ہیں۔ وہ دین کی دعوت کا کام کرنے والوں کی پشت پناہی فرما دیتے ہیں۔ اور بھی غور کریں کہ جب اگر فرعون نے ان کی دعوت کو تسلیم نہیں کیا تو نتیجہ کیا ہوا۔ ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دریا کے اندر غرق کر دیا۔ غرق ہوتے ہوئے کہنے لگا،

اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْن

(میں ایمان لایا موسیٰ اور ہارون کے رب پر)

فرمایا،

آلْئٰنَ (اب تمہاری آنکھیں کھلی ہیں)۔

(اب بہت دیر ہوگئی ہے۔) It is too late.

چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ o وَ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ o

كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ. (الشعراء: 59-57)

(تو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا، اور خزانوں اور نفیس مکانات سے۔ اس طرح کیا اور ان کا وارث بنی اسرائیل کو کردیا)

اگر آپ کے اس کام میں بھی کوئی رکاوٹ بنے گا اور آپ دین کا کام کرتی رہیں گی تو اللہ تعالیٰ اس رکاوٹ کو دور کردیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو عزتوں کے ساتھ اس میں کامیاب فرمادیں گے۔

لہٰذا دعا ہے کہ یہ تمام طالبات جو آج دورہ حدیث کی آخری حدیث پڑھنے کی سعادت پا چکی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بقیہ پوری زندگی دین کی دعوت کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پوری زندگی دین کی خادمہ بن کر...... دین کی عالمہ بن کر نہیں بلکہ دین کی خادمہ بن کر...... کیونکہ طالبات کو دیکھا گیا ہے کہ چند لفظ پڑھ کر پتہ نہیں وہ اپنے آپ کو کیا سمجھنے لگ جاتی ہیں کہ دوسری عورتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا شروع کردیتی ہیں...... اس لئے عالمہ بن کر نہیں بلکہ دین کی خادمہ بن کر اس کام کو پوری زندگی کرتی رہیں اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کس طرح سرخروئی عطا فرماتے ہیں۔

علمائے دیوبند کی عنداللہ قبولیت:

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کو دیکھئے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کو دیکھئے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کو دیکھئے۔ ان کے شاگردوں میں سے کوئی بھی آپ کو فارغ بیٹھا نظر نہیں آئے گا۔ ہر ہر شاگرد نے کام کیا۔ آپ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے کسی ایک شاگرد کا نام بتائیں کہ جس نے ان سے پڑھا ہو اور دین کا کام نہ کیا ہو۔

ایک دفعہ میری ملاقات دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث سے ہوئی۔ وہ

وہاں بخاری شریف پڑھاتے ہیں۔ میں نے ان سے یہی طالبعلمانہ سوال کیا کہ حضرت! آپ مرکز میں بیٹھے ہیں اور آپ کے پاس ہر سال چھ سات سو پچ طلبہ حدیث پاک پڑھنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں، تو آپ بتائیں کہ اس مرکز میں بیٹھ کر آپ کو کوئی ایک مثال کبھی نظر آئی کہ کسی نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا ہو اور پھر اس نے دین کا کام نہ کیا ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے حضرت شیخ الہند کا کوئی شاگرد ایسا نظر نہیں آتا جس نے دین کا کام نہ کیا ہو۔ یہ ان کی قبولیت عند اللہ کی دلیل ہے۔ سبحان اللہ، ہمارے اکابر ایسے تھے کہ اپنے شاگردوں کو بھی اللہ کے ہاں قبول کروالیا کرتے تھے۔

ایک عجیب دعا

ایک مرتبہ یہ عاجز جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے تقریباً ایک گھنٹہ تک نصیحتیں اور باتیں فرمائیں۔ انہوں نے ان نصیحتوں میں ایک عجیب بات فرمائی۔ فرمانے لگے کہ میں حج پر گیا اور جب میں قبولیتِ دعا کی ایک خاص جگہ پر پہنچا (اس جگہ کا نام بھی بتایا) تو میں نے وہاں صرف ایک ہی دعا مانگی۔ ہم حاضرین مجلس بڑے حیران ہوئے کہ کوئی بڑی دعا ہوگی جو اتنے بڑے شیخ الحدیث مانگ رہے تھے۔ چنانچہ ہم نے بڑے تجسس کے ساتھ پوچھا، حضرت! کیا دعا مانگی؟ فرمانے لگے کہ میں نے ایک ہی دعا مانگی،

”اے اللہ! میرے ادارے سے جو طالب علم بھی پڑھ کر نکلے، اس کو اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمالے۔“

اس لئے جب وہاں سے آتے جاتے کبھی اس جامعہ کو دیکھتا ہوں تو مجھے قرآن پاک کی یہ آیت یاد آتی ہے۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ (المطففین: 28)

[وہ ایک چشمہ ہے جس سے (اللہ تعالیٰ کے) مقرب پئیں گے]

اللہ رب العزت نے اس ادارے کو اپنا علمی چشمہ بنا دیا کہ اللہ کے عظیم بندے علمی فیض پا رہے ہیں۔

یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

اگر امت کی سب طالبات اپنے اپنے گھروں کو دین کا مدرسہ بنا دیں اور اپنے بچوں کو اچھی تربیت دینی شروع کر دیں، دین کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیں اور گھر کے اندر اپنے محبوب ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرنا شروع کر دیں تو ان شاء اللہ ہر گھر کے اندر دین کا چراغ، علم کا چراغ اور نور کا چراغ روشن ہوگا۔ پھر آپ دیکھنا کہ یہ بے عملی اور کفر و شرک کی ظلمت ختم ہو جائے گی اور بالآخر اسلام کی یہ نورانیت پوری دنیا کے اندر غالب آ جائے گی۔

علامہ اقبال نے کہا تھا،

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

اللہ رب العزت امت مسلمہ کو عزت رفتہ نصیب فرما دے اور نغمۂ توحید ہمارے دلوں میں سجا دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(التوبة: 71)

محرم مردوں کی اصلاح

یہ بیان 2 اگست 2003ء کو بروز ہفتہ کو بعد از نماز عصر جامعہ عائشہ للبنات گوجرہ میں ایک تربیتی کورس کے اختتام کے موقع پر ہوا۔ جس میں کثیر تعداد میں علاقہ کی خواتین نے بھی شرکت کی۔

اقتباس

عورت کو چار طرح کی محبت ملتی ہے۔

(۱) ماں کی حیثیت سے (۲) بیوی کی حیثیت سے

(۳) بہن کی حیثیت سے (۴) بیٹی کی حیثیت سے۔

عورت ان چاروں محبتوں کی وجہ سے اپنے قریبی محرم مردوں سے اپنی باتیں منواتی ہے۔ ماں کی بات اولاد مانتی ہے، بیوی کی بات شوہر مانتا ہے، بہن کی بات بھائی مانتے ہیں اور بیٹیوں کی باتیں ان کے باپ مانتے ہیں۔ اگر ان کی دنیاوی باتیں مرد قبول کر لیتے ہیں تو جب وہ دین کی بات درد کے ساتھ ان کے سامنے پیش کریں گی تو وہ قبول کیوں نہیں کریں گے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

محرم مردوں کی اصلاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo
وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبة: 71)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

ایک عظیم الشان عمل کی دعوت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ وہ نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں]

اس آیت مبارکہ میں ایک عظیم الشان عمل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ ایمان والے مرد بھی اور عورتیں بھی ایک دوسرے کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔ گویا امت محمدیہ ﷺ پر دو ذمہ داریاں ہیں۔ ایک خود بھی شریعت پر عمل کرنا اور دوسرا اس کی بات کو دوسروں تک پہنچانا۔ یہ ذمہ داری مردوں پر بھی ہے اور عورتوں پر بھی۔ عورتیں اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے قریب کی عورتوں کو اور گھر کے محرم مردوں کو دین کی دعوت دے سکتی ہیں۔ چنانچہ

حدیث پاک میں فرمایا گیا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ

[تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا]

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا:

وَالْمَرْءَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا

[عورت اپنے خاوند کے گھر کے اہل (بچوں) کے بارے میں ذمہ دار ہوتی ہے]

محدثین نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن عورت سے اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا اور وہ اپنے اہل خانہ کو نیکی کا کتنا حکم کرتی تھی اور برائی سے بچنے کی کتنی تاکید کرتی تھی، اس کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔

اس اہم عمل کی طرف متوجہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں دین کے معاملہ میں دو قدم اٹھانے ہیں۔ ایک تو خود بھی شریعت پر عمل کرنا ہے، اس کو سیکھنے کے لئے آپ نے یہ کورس کیا اور ان چند دنوں میں آپ نے شریعت و سنت کی چند بنیادی باتوں کو سیکھا۔ اس طرح آپ کو دین کے بارے میں پہلے سے نسبتاً زیادہ علم حاصل ہوا۔ چنانچہ اب آپ اس پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو جائیں گی۔ اور دوسرا قدم یہ اٹھانا ہے کہ اب آپ نے اس علم کو دوسروں تک بھی پہنچانا ہے اور ان دونوں کاموں کو آپ نے اپنا مقصدِ زندگی بنانا ہے۔

سوچ کا فرق:

اکثر عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ہم گھر میں رہتے ہوئے کچھ نہیں کر سکتیں۔ حالانکہ وہ گھر کے اندر رہتے ہوئے دین کا کام کر سکتی ہیں اور ان سے فقط اتنا ہی مطلوب

ہے۔سوچ اور فکر کا فرق ہوتا ہے۔ جب عورت کے ذہن کے اندر دنیا سمائی ہوتی ہے تو یہ اپنے بچوں کو دنیا بہتر بنانے کے لئے ذہنی طور پر خوب تیار کرتی ہے اور جب اس کے دل میں آخرت کا سودا سما جاتا ہے تو یہ اپنے بچوں کو آخرت بنانے کے لئے خوب تیار کرتی ہے گویا سوچ کے دو انداز ہیں۔

(۱)......ایک انداز یہ ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد بچوں کا کیا بنے گا۔ یہ وہ سوچ ہے جو ہر عورت کے ذہن میں ہوتی ہے۔ وہ ہر دن میں سوچتی ہے کہ...... میں کچھ بنا لوں ......بچوں اور بچیوں کے رشتے اپنی آنکھوں کے سامنے کر لوں ......اپنے بچوں کو اپنی زندگی میں سیٹ ہوتا دیکھ لوں ...... یہاں تک تو ہر عورت سوچتی ہے لیکن ایک سوچ اس سے آگے بھی ہے اور وہ سوچ کوئی کوئی عورت سوچتی ہے۔ وہ سوچ یہ ہے کہ

(۲)......بچوں کے مرنے کے بعد بچوں کا کیا بنے گا۔ اگر ہم یہ سوچ بھی سوچنا شروع کر دیں تو ہماری زندگی میں ایک توازن آجائے۔ ہم فقط دنیا کے پیچھے ہی نہ بھاگتے پھریں بلکہ ہم دین اور دنیا دونوں کیلئے محنت کرنے والے بن جائیں۔

عورت کو چار طرح کی محبت ملتی ہے:

(۱) ماں کی حیثیت سے (۲) بیوی کی حیثیت سے (۳) بہن کی حیثیت سے (۴) بیٹی کی حیثیت سے۔ عورت ان چاروں محبتوں کی وجہ سے اپنے قریبی محرم مردوں سے اپنی باتیں منواتی ہے۔ ماں کی بات اولاد مانتی ہے، بیوی کی بات شوہر مانتا ہے، بہن کی بات بھائی مانتے ہیں اور بیٹیوں کی باتیں ان کے باپ مانتے ہیں۔ اگر ان کی دنیاوی باتیں مرد قبول کر لیتے ہیں تو جب وہ دین کی بات درد کے ساتھ ان کے سامنے پیش کریں گی تو وہ قبول کیوں نہیں کریں گے۔ بس یہی بات آج کی باتوں کا خلاصہ ہے اور آگے اسی کی کچھ تفصیل بیان کی

جائے گی۔

اولاد کے دل میں ماں کی محبت

عام طور پر اولاد کے ساتھ ماں کا وقت زیادہ گزرتا ہے جس کی وجہ سے اولاد کے دل میں باپ کی نسبت ماں کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوگ جانور پالتے ہیں۔ کچھ لوگ شیر پالتے ہیں، کچھ لوگ ہاتھی پالتے ہیں اور کچھ لوگ سانپ پالتے ہیں۔ یہ بہت ہی خطرناک جانور ہیں لیکن یہ بھی اپنے پاس رہنے والوں کا لحاظ کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر......

☆ ......سرکس کے تماشوں میں دکھایا جاتا ہے کہ شیر نے منہ کھولا اور اس کی نگران لڑکی نے اس کے منہ میں سر دے دیا اور شیر نے اسے کچھ بھی تکلیف نہ پہنچائی۔

☆ ...... جرمنی میں آٹھ دس آدمی جو ہاتھی کو پالتے تھے وہ لائن میں لیٹ گئے۔ درمیان میں فاصلہ تھا۔ ہاتھی ان کے اوپر سے گزرتا ہوا چلا گیا اور اس نے ان میں سے کسی بندے کے اوپر پاؤں نہ رکھا۔

☆ اژدھا کتنا زہریلا ہوتا ہے لیکن جو اس کو پالتا ہے یہ اس کے ساتھ رعایت کا معاملہ کرتا ہے۔

اگر درندے بھی اپنے پالنے والے کا لحاظ کر لیتے ہیں تو انسان تو بالآخر انسان ہیں، اس لئے بچے اپنی ماں کا بہت لحاظ کرتے ہیں۔ ان کے دل کے اندر ماں کی محبت رچی ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آج کی جدید تعلیم بچوں کے دماغ خراب کر دے، ان کو فاسق و فاجر بنا دے اور ان کو ماں کی قدر و منزلت کا احساس ہی نہ ہو۔ ورنہ فطرتِ سلیم رکھنے والا انسان ہمیشہ اپنی ماں کے ساتھ محبت کرے گا اور یہ تکلف اور بناوٹ کی محبت نہیں ہوگی بلکہ ایک فطری محبت ہوگی۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے:

وَالْبُنَاتُ اِلَى الْاُمَّهَاتِ اَمْيَلُ وَلِقَوْلِهِنَّ اَرْغَبُ

[اور بیٹیاں اپنی ماں کی طرف بیٹوں کی نسبت بھی زیادہ مائل ہونے والی ہوتی ہیں اور ان کی بات کو زیادہ جلدی قبول کر لیتی ہیں]

اسی لئے دنیا کی سب سے بڑی طاقت ماں کی آنکھوں سے نکلنے والا آنسو ہے۔ یہ آنسو وہ کام کر دکھاتا ہے جو تلوار سے بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ جب بیٹی رشتے کے لئے نہیں مانتی اور ماں غم زدہ ہو کر آنسو بہا لیتی ہے تو بیٹی کا دل ماں کی آنکھوں سے آنسو دیکھتے ہی اتنا پسیج جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا فیصلہ کر لیتی ہے کہ امی! جیسے آپ لوگ چاہیں گے میں ویسے ہی کروں گی۔ اسی طرح کئی مرتبہ بیٹا ایک بات پر ضد کر رہا ہوتا ہے۔ ماں اگر اسے نرم اور شیریں الفاظ کے ساتھ کوئی بات سمجھاتی ہے تو یہ نرم الفاظ اس بیٹے کے سینے میں اتر جاتے ہیں اور وہ اسی وقت اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ بچے کی رمزیں اس کی ماں جانا کرتی ہے۔ اگر ماں بچوں کے بارے میں اتنا جانتی ہے اور بچوں کے دل میں ماں کا اتنا مقام ہوتا ہے تو ماں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دین کی طرف بلائے۔ فقط یوں کہہ دینا کہ جی ہم کیا کریں، ہماری تو وہ مانتا ہی نہیں، اس سے جان نہیں چھوٹے گی۔ جب بچہ سکول اور کالج نہیں جاتا تو ماں کتنے حیلوں، بہانوں اور طریقوں سے اسے پریشرائز کرتی ہے حتیٰ کہ وہ بات مان لیتا ہے۔ کبھی بولنا چھوڑ دیتی ہے، کبھی کھانا چھوڑ دیتی ہے اور کبھی کچھ اور کرتی ہے۔ اگر دنیا کی خاطر یہ حیلے بہانے استعمال ہو سکتے ہیں تو دین کے لئے کیوں نہیں استعمال ہو سکتے۔ بہر حال یہ ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کو نیک اور دیندار بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

☆...... حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک چھوٹے سے بچے تھے۔ ان کی والدہ اور والد ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ والدہ کا نام ام سلیم رضی اللہ عنہا تھا اور والد کا نام مالک

بن نضر رضی اللہ عنہا تھا۔ ان کے والد کہیں سفر پر گئے۔ بعد میں ان کی والدہ کو کسی محفل میں نبی علیہ السلام کی نصیحت سننے کا موقع ملا اور اس نصیحت کا ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے فوراً شرک سے توبہ کر لی اور کلمہ پڑھ کر توحید باری کو قبول کرلیا۔ جب مالک بن نضر واپس آئے تو ان کو ام سلیمؓ نے بتایا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ انہوں نے یہ سن کر رنج وغم کا اظہار کیا کہ تم نے میرے بغیر یہ فیصلہ کیسے کرلیا۔ وہ کہنے لگیں کہ مجھے اپنی موت کا ڈر تھا اور میں شرک پر نہیں مرنا چاہتی تھی، میں نے سوچا کہ ممکن ہے کہ آپ کے آنے میں دیر لگے اور میری موت کا وقت پہلے آ جائے، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں شرک پر مر جاؤں، اس لئے میں نے اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے کہا کہ تم مسلمان ہو چکی ہو لیکن میں مسلمان نہیں بنوں گا۔ وہ کہنے لگیں۔ اچھا لیکن میں اپنے بیٹے کو تو مسلمان بناؤں گی۔ اب باپ نے ننھے انس سے کہا، بیٹا! تم نے کلمہ نہیں پڑھنا۔ ام سلیمؓ نے بھی کہا، بیٹا! تم کلمہ پڑھو۔ بیٹے نے ایک نظر باپ کو دیکھا اور ایک نظر ماں کو دیکھا اور ماں کے سامنے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا...... اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ماں بچوں کو دین کی طرف اچھے انداز سے بلائے تو بچے اس کی بات کو قبول کر لیتے ہیں۔

جذبہ جہاد پیدا کرنے کا انوکھا انداز:

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ جب وہ اپنے بیٹوں کو کھانے کے لئے بٹھاتیں تو کہتیں، بیٹو! نہ میں نے تمہارے ماموں کو رسوا کیا اور نہ میں نے تمہارے باپ کے ساتھ خیانت کی۔ بچے اس بات کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ماں سے پوچھ لیا، امی! آپ کیا کہتی ہیں؟ پھر انہوں نے بتایا، بیٹو! میں ایک ایسی عورت ہوں کہ میں نے پاکدامنی کی زندگی گزاری ہے، جب میں کنواری تھی تو کوئی ایسا کام نہ کیا کہ تمہارے ماموں کی رسوائی ہوئی

اور جب میری شادی ہوئی تو میں نے تمہارے باپ کے بستر پر کسی کو نہیں آنے دیا۔یعنی میں نے تمہارے باپ کے ساتھ بھی خیانت نہیں کی۔

بچوں نے کہا، اماں! آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟

وہ فرمانے لگیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جب تم بڑے ہو کر جوان ہو جاؤ تو اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور تم سب کے سب شہید ہو جانا۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ شہداء کی مائیں کہاں ہیں تو اس وقت انبیائے کرام کی موجودگی میں مجھے اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کا اعزاز نصیب ہو جائے گا۔اور ساتھ یہ بھی کہتیں کہ بیٹو! خوب بہادری سے لڑنا، اگر تم میری زندگی میں شہید ہوئے تو میں آکر تمہاری لاشوں کو دیکھوں گی، اگر تمہارے سینوں پر زخم ہوئے تو میں تمہارے لئے دعائیں کروں گی اور اگر تمہاری پشت پر زخم ہوئے تو میں تمہیں کبھی اپنا حق معاف نہیں کروں گی ...... جب ماں اپنے بچوں کے ایسے جذبات بناتی تھی تو بچے بڑے ہو کر واقعی دین کے مجاہد بنتے تھے۔

اسماء بنت ابی بکرؓ کی اپنے بیٹے کو نصیحت:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن تھیں۔ وہ بڑھاپے کی عمر میں تھیں۔ان کے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے۔ان دنوں حجاج بن یوسف نے کچھ الٹے سیدھے کام کئے۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔جب حجاج بن یوسف کو پتہ چلا تو وہ ایک بڑا لشکر لے کر مکہ مکرمہ آیا اور اس نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔یہ اپنے رشتہ داروں کو لے کر نکلے۔چونکہ ان کے لوگ تھوڑے تھے اس لئے ان کو شہید کر دیا گیا۔یہ اپنے گھر کے قریب تھے۔جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن غالب آرہا ہے تو یہ لوٹ کر اپنے گھر آ گئے۔وہ اپنی والدہ کے پاس آئے

اور کہنے لگے،

''اے میری اماں! میں ابھی کچھ دیر کے بعد شہید کر دیا جاؤں گا، مگر آپ جانتی ہیں کہ میں نے یہ کام دنیا کی خاطر نہیں کیا بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کیا ہے، اب آپ بتائیں کہ آپ کا کیا مشورہ ہے؟''

دیکھئے کہ اتنے فرمانبردار بیٹے ہوتے تھے کہ ایسے وقت میں بھی ماں سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے ماں سے مشورہ لیا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا،

''بیٹا! اب دو صورتیں ہیں۔ یا تو یہ کہ تم حق پر ہو اور یا پھر تم ناحق پر ہو۔ اگر تم حق پر نہیں ہو تو دنیا میں تم سے برا کوئی انسان نہیں جو ناحق پر ہونے کے باوجود دشمنوں کے ہاتھوں اپنے رشتہ داروں کو قتل کرواتا پھر رہا ہے، اور اگر تم حق پر ہو تو موت تو ویسے ہی تمہیں آنی ہے، ابھی آجائے تو شہادت کی موت آئے گی۔ لہٰذا ڈرنے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟''

یہ ماں کی نصیحت بھری بات سن کر مسکرائے اور فرمانے لگے،

''اماں! ارادہ تو میرا بھی یہی تھا کہ میں باہر نکل کر مقابلہ کروں اور شہید ہو جاؤں، مگر میں نے سوچا کہ میں آپ سے دعائیں لے لوں۔''

اس وقت وہ لیٹی ہوئی تھیں، یہ سن کر وہ اٹھ بیٹھیں اور بیٹے کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اپنے بیٹے کو اللہ کے سپرد کرتے ہوئے عجیب وغریب دعائیں دینے لگیں۔ وہ فرمانے لگیں،

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرا یہ بیٹا رات کو تیرے سامنے طویل قیام کرتا تھا، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرا یہ بیٹا تیری محبت میں سجدے میں رویا کرتا تھا، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ حجاز مقدس کی گرمی کے باوجود تیری محبت میں دن میں روزے رکھتا تھا، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرا یہ بیٹا اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری

اور خدمت کرنے والا بیٹا تھا، اے اللہ! میں نے اپنے بیٹے کو تیرے سپرد کیا، تو مجھے اس پر صبر اور شکر دونوں کا اجر عطا فرما۔''

جب ماں سے دعا لے کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور مقابلہ کیا تو بالآخر شہید ہو گئے۔ دشمنوں نے ان کو پکڑ کر ایک چوک کے اندر پھانسی پر لٹکا دیا تا کہ دوسرے لوگوں کے لئے عبرت بن سکے۔ پولیس ان پر پہرہ دے رہی تھی۔ کوئی ان کو نیچے اتارنے والا نہیں تھا۔ چنانچہ ان کی لاش چالیس دن تک اس چوک میں لٹکی رہی۔ حتیٰ کہ کھنچنے کی وجہ سے ان کی گردن لمبی ہو گئی۔

جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سنا کہ میرے بیٹے کی لاش آج تک پھانسی پر لٹکی ہوئی ہے تو وہ لاٹھی کا سہارا لے کر باہر نکلیں اور اس جگہ پر آئیں جہاں ان کے بیٹے کو پھانسی پر لٹکایا گیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگیں،

''ہے کوئی اس سوار کو سواری سے اتارنے والا، جو چالیس دن سے اپنی سواری پر سوار ہے؟''

ان کی بات سن کر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بالآخر لوگوں نے کوشش کر کے ان کو نیچے اتارا اور دفن کر دیا...... اللہ اکبر...... اتنی جرأت والی مائیں ہوتی تھیں کہ اپنے بیٹوں کی قربانی دیکھ کر بھی ایسی ہمت والی باتیں کیا کرتی تھیں۔

ماں باپ فکری اختلاف سے بچیں:

ماں باپ کے فکری اختلاف کی وجہ سے باپ کی نصیحتیں بچے پر کوئی اثر نہیں کرتیں۔ باپ کتنا ہی نیک، پاک اور دیندار کیوں نہ ہو، اگر بیوی اس کے ساتھ متفق نہیں ہوگی تو وہ اپنی اولاد کو دیندار نہیں بنا سکے گا۔ باپ وعظ و نصیحت کر کے گھر سے باہر نکلے گا اور ماں صرف اتنا کہہ دے گی کہ تمہارے باپ کا تو دماغ خراب ہے تو بچے کہیں گے کہ امی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس لئے اولاد کو نیک بنانے

کے لئے ماں باپ کی سوچ کا ایک ہونا انتہائی ضروری ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے جو باپ کی بات نہ مانی اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کو رائے میں ان کے ساتھ اختلاف تھا...... سب انبیائے کرام کی بیویاں پاکدامن عورتیں تھیں اور کردار کے لحاظ سے سب اچھی تھیں مگر چند حضرات ایسے تھے جن کی بیویوں میں سوچ کا اختلاف تھا...... حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی ان کی باتیں تسلیم نہیں کرتی تھیں جس کی وجہ سے ان کے بیٹے نے ان کی بات نہ مانی اور باپ کی آنکھوں کے سامنے وہ بیٹا طوفان میں غرق ہو گیا۔ اس لئے جو مائیں چاہتی ہیں کہ ہم اپنی اولاد کو نیک بنائیں ان کو چاہیے کہ وہ پہلے اپنے خاوند کو اپنا ہمنوا بنائیں اور پھر دونوں مل کر اپنے بچوں کو دین کی طرف بلائیں۔ اس طرح بچے دین کی طرف جلدی آئیں گے۔

خاوند کے دل میں بیوی کا مقام

دوسری حیثیت بیوی کی ہوتی ہے۔ اس کو خاوند سے محبت ملتی ہے۔ ہر بیوی اپنے خاوند سے اپنی باتیں منواتی ہے...... کوئی کپڑا جوتی تک محدود رہتی ہے...... کوئی اپنی پسند کا مکان بنواتی ہے...... اور کوئی زیادہ سے زیادہ تیر مارتی ہے تو اپنے نام کوئی جائیداد کروا لیتی ہے۔ یہ بیوی پر منحصر ہے کہ وہ اپنے خاوند سے کس قسم کا کام لیتی ہے۔

☆...... گلشن آرا بیگم ایک ملکہ تھی۔ اس نے اپنے خاوند سے دہلی میں شالا مار باغ جیسا ایک بہت بڑا باغ بنوایا۔

☆...... نور جہاں جہانگیر کی بیوی تھی۔ اس نے اپنے خاوند سے ایک مقبرہ بنوایا۔ آج وہاں اتنا سناٹا ہوتا ہے کہ وہاں دن کے وقت بھی اندھیرا نظر آتا ہے۔

☆......ممتاز محل بھی ایک ملکہ تھی۔اس نے اپنے خاوند سے تاج محل بنوایا۔وہ دنیا کا ایک عجوبہ کہلاتا ہے۔مگر اس کا اسے کیا فائدہ ملا، اسے اس کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

☆......زبیدہ خاتون بھی ملکہ تھی۔اس نے اپنے میاں سے کہا کہ حاجی لوگوں کو حج کے سفر میں پانی کی تکلیف ہوتی ہے،لہٰذا آپ دریائے فرات سے لے کر میدانِ عرفات تک نہر بنوائیں۔چنانچہ بیوی کی فرمائش پوری ہوئی اور اس نہر سے لاکھوں انسانوں اور جانوروں نے پانی پیا اور یہ اس کے لئے صدقہ جاریہ بنا۔

غور کیجئے کہ وہ چاروں ملکہ تھیں مگر ان میں سے تین نے ایسے کام کروائے جنہوں نے انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دیا اور ایک نے وہ کام کروایا جو اس کے لئے صدقہ جاریہ بن گیا۔

قرآن مجید سے دلیل ملتی ہے کہ خاوند بیویوں کی بات مانتے ہیں......فرعون اتنا ظالم تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کروا دیتا تھا۔اس نے ہزاروں بچوں کو قتل کروایا۔لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ڈبے میں بند تیرتے ہوئے پہنچے اور اس کی بیوی آسیہؓ نے اس ڈبے کو کھول کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے خاوند سے کہنے لگیں:

لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (قصص:9)

[اسے قتل نہ کرو، شاید کہ وہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں]

اب دیکھئے کہ جو ظالم اور جابر بادشاہ ہزاروں معصوم بچوں کو ذبح کروا چکا تھا ،اس نے بھی اپنی بیوی کی بات کو اتنا مانا کہ وہ فوراً تیار ہو گیا کہ ہم اس بچے کو قتل نہیں کریں گے۔گویا ہوم سیکرٹری کی اتنی پاور ہوتی ہے کہ اگر وہ اپنے خاوند کے ساتھ اچھی انڈرسٹینڈنگ پیدا کر لے تو اس سے بڑے بڑے فیصلے اپنے حق میں کروالیتی ہے۔سچی بات یہ ہے کہ بیوی شریعت کی وجہ سے اپنے خاوند کے تابع ہوتی ہے اور خاوند محبت کی وجہ سے اپنی بیوی کا تابع ہوتا ہے۔نیک اور دیندار

بیویاں ایسی خدمت گزاری اور وفاداری کرتی ہیں کہ ان کے خاوند کہنے میں ان کے خاوند ہوتے ہیں جب کہ حقیقت میں ان کی باتوں کو ماننے والے اور ان کے ماتحت ہوتے ہیں۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کیسے مسلمان ہوئے؟

جب مالک بن نضر فوت ہو گئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ امِ سلیمؓ بیوہ ہو گئیں۔ مدینہ منورہ کے ایک شخص ابوطلحہ نوجوان بھی تھے، خوبصورت بھی تھے، ان کے پاس مال ودولت کی بھی بہتات تھی اور ان کی اتنی عزت تھی کہ ان کی رائے کا بہت ہی احترام کیا جاتا تھا۔ انہوں نے امِ سلیمؓ کی طرف رشتہ کا پیغام بھیجا...... چونکہ وہ قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اس لئے انہوں نے ڈائریکٹ پیغام بھیجا کہ میں آپ سے رشتہ کرنا چاہتا ہوں...... اب یہ رشتہ ایسا تھا کہ اس کو کوئی ٹھکرا بھی نہیں سکتا تھا...... حضرت امِ سلیمؓ جانتی تھیں کہ وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے ان سے دین کی بات چلائی اور فرمانے لگیں:

> ''ابوطلحہ! تم ایک ایسے شخص ہو کہ اگر تم کسی بھی عورت کی طرف پیغام نکاح بھیجو تو تمہارے پیغام کو کبھی رد نہیں کیا جائے گا، مگر تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں، تم لکڑی کے بنے ہوئے بت کو پوجتے ہو اور میں علیم وخبیر ذات کو پوجتی ہوں، بھلا میرے ساتھ تمہارا جوڑ کیسے ہو سکتا ہے؟''

حضرت امِ سلیمؓ نے اتنے پیارے انداز میں دین کی بات کہی کہ بالآخر ابوطلحہ نرم ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ نرم ہو چکے ہیں تو فرمانے لگیں،

> ''میں تمہارے نکاح کے پیغام کو قبول کرتی ہوں اس شرط پر کہ میرے نکاح کا مہر تمہیں دینا ہو گا اور میرا مہر یہ ہو گا کہ تم دینِ اسلام کو قبول کر لو۔''

یہ بات سن کر ابوطلحہ نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور پھر اس کے بعد ان کا آپس میں نکاح ہوا۔ صحابہ کرامؓ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں کسی کا حق مہر امِ سلیمؓ کے حق مہر سے بہتر نہیں کہ انہوں نے اپنے حق مہر میں اپنے خاوند سے کہا کہ تم مسلمان بن جاؤ، یہی میرا حق مہر ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ابوجہل کے بیٹے تھے۔ انہوں نے فتح مکہ تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو ان کو ڈر ہوا کہ کہیں مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام میرے قتل کا حکم نہ دے دیں۔ لہٰذا وہ مکہ سے بھاگ کر کہیں دور چلے گئے۔ ان کی اہلیہ امِ حکیمؓ بڑی دانا اور سمجھدار عورت تھیں۔ وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں، کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئیں۔ اس کے بعد کہنے لگیں،

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بڑے نرم دل ہیں اور اچھے اخلاق والے ہیں، میں آپ سے اپنے خاوند کی جان کی امان مانگتی ہوں۔''

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، ''ہاں میں نے تیرے خاوند کو امان دی۔''

وہ بڑی خوش ہوئیں اور اپنے خاوند کو تلاش کرنے نکلیں۔ جب لمبا سفر کر کے ایک جگہ پہنچیں تو پتہ چلا کہ ان کا خاوند دریا پار کر کے دوسری طرف جا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی ایک کشتی کرائے پر لی اور تیزی کے ساتھ چلیں اور دریا کے درمیان میں جا کر انہوں نے اس کی کشتی کے ساتھ اپنی کشتی ملائی اور اپنے خاوند کو پکار کر کہا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے تمہارے لئے جان کی امان مانگ لی ہے، آؤ واپس چلیں اور اب ہم اپنی زندگی مکہ میں گزاریں گے۔ چنانچہ ان کے خاوند ان کی کشتی میں آ گئے۔ جب کنارے پر واپس آئے تو انہوں نے مکہ کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

ان کو راستے میں ایک جگہ رات آگئی تو میاں بیوی نے وہ رات وہاں گزاری۔ وہ کئی دنوں کی جدائی کے بعد ایک دوسرے سے ملے تھے اس لئے اس تنہائی میں ان کے خاوند نے ان سے مطالبہ کیا کہ میں آپ سے میاں بیوی والے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہوں۔ ام حکیمؓ اتنی دانا تھیں کہ فرمانے لگیں،

''دیکھیں! میں مسلمان ہوں اور آپ ابھی کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوئے، لہٰذا میں آپ کی بیوی ہونے کے باوجود اس وقت آپ پر حلال نہیں ہوں، مگر انتظار کریں جب تک کہ آپ کلمہ نہیں پڑھ لیتے۔''

چنانچہ انہوں نے بات نہ مانی اور بالآخر اپنے خاوند کو لے کر مکہ آئیں۔ جب خاوند نے کلمہ پڑھا تو اس کے بعد میاں بیوی کی ملاقات ہوئی...... اس سے اندازہ لگایئے کہ اس دور کی بیویاں دین کے معاملہ میں کتنی پکی ہوتی تھیں۔ آج تو ذرا سی بات پر عورتیں بہانہ بنا لیتی ہیں۔ روگ ان کے اپنے اندر ہوتا ہے اور کہہ دیتی ہیں کہ میاں پردہ نہیں کرنے دیتا۔ اور کبھی میاں کے دل میں چور ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کیا کروں، بیوی نہیں مانتی۔ اس طرح میاں بیوی ایک دوسرے کا نام استعمال کر رہے ہوتے ہیں جب کہ حقیقت میں ان کے اپنے اندر گند ہوتا ہے جو ان کو شریعت کے خلاف کام کرنے پر مجبور کر رہا ہوتا ہے۔ اگر بیوی دنیا کے معاملات میں خاوند سے اپنی بات منوا لیتی ہے تو پھر یاد رکھیں کہ اچھے خاوند دین کے معاملہ میں بھی یقیناً اپنی بیویوں کی اچھی باتوں کو قبول کیا کرتے ہیں۔

جنگِ یرموک میں خواتین کا کردار:

جنگِ یرموک میں رومی لاکھوں کی تعداد میں تھے اور ان کے مقابلے میں مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ جیسے ایک سفید گھوڑے کے

ماتھے پر کالا داغ ہوتا ہے، ایسے ہی رومیوں کے لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تھی ۔ جو رومی تھک جاتے تھے وہ پیچھے ہٹ جاتے اور تازہ دم لوگ آجاتے تھے ۔ مسلمان کئی گھنٹے ان کے ساتھ لڑتے رہے ۔ بالآخر جب وہ تھک گئے تو ان کا میمنہ یعنی دائیں طرف کا لشکر ذرا پیچھے کو ہٹنے لگا ۔ مسلمان خواتین خیموں میں موجود تھیں ۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان پیچھے ہٹ رہے ہیں تو ایک صحابیہ سودا بنت عاصم رضی اللہ عنہا ایک ٹیلے پر چڑھ گئیں اور دوسری عورتوں سے کہنے لگیں،

''اری! تم کب تک خیموں میں بیٹھی رہو گی، تمہارے خاوند اور تمہارے مرد تو پیچھے ہٹ کے آرہے ہیں''۔

یہ بات سنتے ہی سب عورتیں خیموں سے باہر نکل آئیں ۔ اس وقت لبنیٰ بنت جریر رضی اللہ عنہا کہنے لگیں،

''اے عرب کی عورتو! تم اپنے اپنے آدمیوں کے سامنے کھڑی ہو جاؤ اور اپنے معصوم بیٹوں کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا لو اور اپنے خاوندوں سے کہو کہ ہمیں اور ہمارے معصوم بچوں کو عجمی کافروں کے حوالے کر کے تم کہاں جا رہے ہو؟''

چنانچہ مسلمان عورتوں نے عجیب بہادری کا مظاہرہ کیا اور اپنے معصوم بیٹے ہاتھوں میں اٹھائے اور اپنے خاوندوں کو دکھا کر کہنے لگیں کہ ہمیں اور ہمارے ان معصوم بچوں کو تم کافروں کے حوالے کر کے کہاں جاؤ گے ۔ جب مسلمانوں نے اپنے معصوم بیٹوں کو دیکھا تو وہ واپس پلٹے اور انہوں نے رومیوں پر حملہ کیا ۔

اس موقع پر ہندہ رضی اللہ عنہا بن عتبہ بھی موجود تھیں ۔ وہ اسلام لا چکی تھیں ۔ وہ کہنے لگیں،

نَحْنُ بَنَاتُ الطَّارِقِ   نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِقِ

اِنْ تَقْبَلُوْا نُعَانِقُ   اَوْ تَدْبَرُوْا نُفَارِقُ

[ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں اور نرم گدوں پر چلنے والی ہیں ۔اگر تم لڑائی میں بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگا لیں گی اور اگر لڑائی میں پشت دکھاؤ گے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی ،ایسی جدائی جو کبھی ختم نہ ہو گی ۔]

یہ اشعار کہہ کر کہنے لگیں ،

''اے ہمارے خاوندو! اگر تم آگے جا کر کامیاب ہو جاؤ گے تو ہم تمہارے لئے بستر بچھائیں گی اور تمہارا استقبال کریں گی اور اگر تم بھاگ جاؤ گے تو پھر یاد رکھنا کہ پھر ہمیں کافر اپنے قبضے میں لے لیں گے اور تمہاری غیرتوں کا جنازہ نکل جائے گا۔''

اس کے بعد انہوں نے اپنے خاوند ابوسفیان ؓ کو دیکھا اور فرمانے لگیں ،

''اے ابنِ حرب! دیکھو ،تم نے اپنے زمانہ کفر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیفیں پہنچائیں ،آج ان تکلیفوں کی مکافات کرنے کا وقت ہے ،آگے بڑھو اور اپنی جان دے کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں کامیاب ہو جاؤ۔''

انہوں نے ایسی اچھی باتیں کیں کہ مسلمان یہ باتیں سن کر لوٹے اور ایسا حملہ کیا کہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو جنگِ یرموک میں فتح عطا فرما دی ۔مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسلمان عورتوں کا یہ ایسا کارنامہ تھا کہ تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ۔

بھائیوں کی نظر میں بہنوں کا مقام

اب ذرا اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ بھائیوں کی نظر میں بہنوں کا کتنا مقام ہوتا ہے ۔اس کا اندازہ اس وقت لگایا کریں جب بہن کی رخصتی ہو رہی ہوتی ہے تو اس وقت بھائی کی آنکھوں میں آنسو ہوتے ہیں اور وہ کونے میں چھپ کر کھڑا رو رہا ہوتا ہے ۔اس کی آنکھوں سے آنسو کیوں ٹپکتے ہیں؟ اس لئے کہ بھائی کو اپنی

بہن کے ساتھ محبت ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوتے ہیں اور ایک ہی گھر میں پلے ہوئے ہوتے ہیں۔اب جب بہن جدا ہورہی ہوتی ہے تو پھر بھائی کو بھی محسوس ہورہا ہوتا ہے کہ اب میری بہن مجھ سے دور ہوگئی، اللہ کرے کہ اسے قدردانوں کا ساتھ ملے، پتہ نہیں کہ میری بہن کے ساتھ کوئی کیسا معاملہ کرے گا۔اس بات کو سوچ کر بھائی رخصتی کے وقت رورہا ہوتا ہے۔

رضاعی بہن کا اکرام:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہوازن قبیلے پر حملہ کیا تو اس وقت کچھ مرد و عورتیں گرفتار ہوئے۔ان میں سے ایک عورت کچھ زیادہ بوڑھی تھیں۔وہ صحابہ سے کہنے لگی،

''میں تمہارے صاحب کی بہن ہوں، لہٰذا تم مجھے اپنے صاحب کے پاس لے چلو۔''

چنانچہ صحابہ کرامؓ ان کو نبی علیہ السلام کے پاس لے آئے۔وہ عورت اللہ کے محبوب ﷺ سے مخاطب ہوکر کہنے لگی،

''میں آپ کی رضاعی بہن اور حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما ہوں، میں بکریاں چراتے ہوئے آپ کو ساتھ لے جایا کرتی تھی، آپ کو اپنی گود میں کھلایا کرتی تھی اور ایک موقع پر آپ کو چوٹ لگی تھیں، اس کا نشان اب بھی موجود ہوگا۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب وہ زخم دیکھا تو آپ ﷺ کو پہچان ہوگئی کہ بات کرنے والی واقعی میری بہن ہے۔نبی علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔آپ ﷺ ان کے استقبال میں کھڑے ہوگئے اور ان کے لئے چادر بچھائی اور فرمانے لگے،

''آپ میری اس چادر کے اوپر بیٹھ جایئے۔''

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ چلا کہ بھائی کی نظر میں بہن کا کتنا مقام ہوتا ہے۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا،

''اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو میں آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھوں گا اور اگر آپ اپنے عزیز و اقارب کی وجہ سے واپس اپنے قبیلے میں جانا چاہتی ہیں تو آپ کو جانے کی اجازت ہے۔''

انہوں نے جانے کی اجازت مانگی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تین غلام ہدیے میں دیئے...... ایک لونڈی خدمت کے لئے دی...... اور ان کو بکریوں کا پورا ایک ریوڑ بھی دیا...... یوں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بہن کو عزت و اکرام کے ساتھ لوٹایا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ جو نیک بھائی ہوتے ہیں ان کے دلوں میں اپنی بہنوں کا کیا مقام ہوتا ہے۔ جب بھائیوں کے دلوں میں اپنی بہنوں کا اتنا مقام ہوتا ہے تو یہ بہنیں دین کے معاملہ میں بھی بھائیوں کو نصیحت کر سکتی ہیں۔

بھائیوں پر نیکی کی تعلیم کا اثر:

☆......سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے گھر ملنے کے لئے آئے۔ اس دوران وہ وضو کرنے لگے۔ ان کی ایڑی کا کچھ حصہ خشک رہ گیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا،

''اے بھائی! میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بات سنی ہے کہ جس آدمی کے پاؤں کا کچھ حصہ بھی وضو میں خشک رہ جائے گا، قیامت کے دن اس کو جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔''

بہن کی یہ بات سن کر بھائی نے دوبارہ وضو کیا اور مسجد تشریف لے گئے۔ اس

سے معلوم ہوا کہ صحابیات رضی اللہ عنہن اپنے بھائیوں کو بھی نیکی کی تعلیم دیا کرتی تھیں۔

☆......ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے طے کرلیا کہ میری بیوی فوت ہو چکی ہے، میں اب دوبارہ نکاح نہیں کروں گے بلکہ اپنے آپ کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول رکھوں گا۔ جب ان کی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو فرمانے لگیں،

''اے بھائی! تم ابھی جوانی کی عمر میں ہو، تم نکاح کا ارادہ کیوں ترک کر چکے ہو؟ اگر تم نکاح کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں صاحبِ اولاد بنائے گا، اگر اولاد ایمان والی ہوتی ہے تو وہ اپنی زندگی میں جتنے سانس لیتی ہے، ہر سانس کے بدلے ان کے ماں باپ کے نامہء اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے، تم اس صدقہء جاریہ سے کیوں محروم ہوتے ہو؟''

انہوں نے اتنے اچھے انداز میں بات کی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور انہوں نے دوبارہ نکاح کر کے پھر ازدواجی زندگی گزاری۔ اس سے پتہ چلا کہ پہلے وقت کی بہنیں اپنے بھائیوں کو دین کی طرف متوجہ کیا کرتی تھیں۔

باپ کی نظر میں بیٹی کا مقام

باپ کی نظر میں اس کی بیٹیوں کا بڑا مقام ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ شادی کے موقع پر باپ اپنی زندگی کی پوری کمائی جہیز کی شکل میں دے دیتا ہے۔ پھر جب بیٹی کی ڈولی رخصت ہوتی ہے تو اس وقت باپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دیکھنے میں تو اس کا بوجھ کم ہو گیا اور اس کی ذمہ داری پوری ہوگئی، مگر نہیں، اس سے اس کا جگر گوشہ جدا ہو رہا

ہوتا ہے، اس کا دل ڈر رہا ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کہ میری بیٹی کو وہ لوگ ویسی محبت دیں گے بھی یا نہیں جیسی ہم دیا کرتے تھے۔ یہ بات سوچ کر اس کے دل کی عجیب کیفیت ہوتی ہے اور وہ بیٹی کی جدائی میں کھڑا رو رہا ہوتا ہے۔ باپ کے دل میں بیٹی کی کتنی محبت ہوتی ہے؟ اس کی بھی حدیث پاک سے دلیل ملتی ہے۔

☆...... جب بدر کے قیدی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کئے گئے تو ایک قیدی ابوالعاص بھی پیش ہوئے۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے مگر انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم مکہ سے مدینہ جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ، میں اسلام قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ غزوہ بدر کے بعد ہجرت کی غرض سے مکہ سے مدینہ آنے لگیں، تو راستے میں کافروں نے کہا کہ تم محمد ﷺ کی بیٹی ہو کر بحفاظت کیسے جا سکتی ہو؟ لہٰذا انہوں نے ان کو سواری سے دھکا دے دیا اور وہ اونٹ سے نیچے آ گریں، ان کا حمل بھی ضائع ہو گیا اور ان کو کمر میں درد بھی رہنے لگا۔ اس کے بعد انہوں نے بڑی تکلیف میں وقت گزارا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی لختِ جگر کی تکلیف دیکھ کر رو دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری اس بیٹی کو دین کی خاطر کتنی تکلیفیں دی گئیں۔

مکہ مکرمہ میں جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا کہ میرے خاوند مدینہ منورہ میں قید ہو چکے ہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیدیوں کو فدیہ کے عوض آزاد کرنے کا حکم دے دیا ہے تو انہوں نے بھی اپنا سونے کا ہار فدیے کے طور پر بھیجا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فدیہ لے کر قیدیوں کو واپس کر رہے تھے لیکن جب آپ ﷺ کی نظر کے سامنے اپنی بیٹی کا وہ ہار آیا جو آپ ﷺ نے جہیز کی شکل میں اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہنایا تھا تو اللہ کے محبوب ﷺ کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ آپ ﷺ کو اپنی بیٹی کی تکلیفیں یاد آئیں۔ آپ

ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم میرا مشورہ قبول کرو تو یہ ہار بھی واپس لوٹا دو اور اس بندے کو بھی آزاد کر دو۔ صحابہ کرامؓ نے اس بات کو قبول کر لیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بیٹی سے کتنی محبت تھی ۔ یہ محبت ہر باپ کو ہوا کرتی ہے۔ اگر باپ کے دل میں بیٹیوں کی یہ محبت ہوتی ہے تو وہ پیار محبت اور منت سماجت سے اپنے باپ کو بھی دین کی طرف متوجہ کر سکتی ہیں ۔ پھر دیکھئے کہ باپ اپنی بیٹی کی اس بات کو کیسے قبول کرتا ہے۔

☆...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں نہ صرف بیٹیوں کی بلکہ بیٹیوں کی بیٹیوں کی محبت بھی ہوتی تھی ۔ ایک مرتبہ اللہ کے محبوب ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے ۔ اس وقت آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ بنت ابو العاص آپ ﷺ کے ساتھ تھیں ۔ آپ ﷺ نے امامت کے وقت ان کو اپنے مبارک کندھے پر بٹھا لیا اور امامت شروع کروا دی ۔ صحابہ کرامؓ پیچھے نماز پڑھ رہے تھے ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب رکوع میں جاتے تو اس بچی کو اتار کر قریب کھڑا کر دیتے ، پھر سجدہ کر لیتے اور جب سجدے سے کھڑے ہونے لگتے تو اس بچی کو دوبارہ کندھے پر بٹھا لیتے۔ آپ ﷺ نے یہ پوری نماز اسی حالت میں پڑھائی کہ آپ ﷺ کی نواسی آپ ﷺ کے کندھوں پر سوار تھی ۔ جب بیٹیوں کی اولاد سے محبت ہوتی ہے تو پھر بیٹیوں سے کتنی محبت ہوتی ہوگی ۔

بیٹیوں کی ذمہ داری:

بیٹیاں اس بات کی ذمہ دار ہیں کہ وہ اپنے باپ کو دین کی طرف پیار اور محبت سے متوجہ کریں ۔ ضروری نہیں کہ ایک دفعہ بات کرنے کے بعد دوسری دفعہ لڑ کر بات کی جائے ، نرمی سے بار بار بات کرتی رہیں ، اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے ۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ پانی کے نل سے پانی کا قطرہ ٹپ ٹپ گر رہا ہوتا ہے، نیچے پتھر ہوتا ہے اور اس پتھر میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے۔ اگر پانی کا نرم سا قطرہ پتھر کے اندر بھی راستہ بنا لیتا ہے تو بیٹی کی آنکھ سے نکلنے والے آنسو کا قطرہ اپنے باپ کے دل میں راستہ کیوں نہیں بنا سکتا۔ قیامت کے دن عورتوں سے ان کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے خود کتنا عمل کیا اور قریب کے محرم مردوں کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا کہ انہوں نے اپنے محرم مردوں کو دین کی طرف کتنا بلایا۔

لمحہ فکریہ:

ذرا سوچئے کہ پہلی عورتیں اپنے محرم مردوں کو شہید ہونے کے لئے یوں تیار کر لیتی تھیں مگر آج کی بیویاں خاوندوں کو مسجد جانے کے لئے تیار نہیں کر پاتیں ...... مصلے پر کھڑے ہونے کے لئے تیار نہیں کر پاتیں ...... سنت لباس کے لئے تیار نہیں کر پاتیں ...... کتنی ایمانی کمزوری ہو چکی ہے کہ وہاں تو جانوں کی بازیاں لگ جایا کرتی تھیں اور یہاں پر فقط اپنی خواہشات کی بھی قربانیاں نہیں دی جاتیں۔، وہ کہتی ہیں کہ اگر خاوند نے ڈاڑھی رکھ لی تو کیسا لگے گا۔ ایسا ہرگز نہ سوچا کریں بلکہ نبی علیہ السلام کی سنت کا دل میں غم ہونا چاہیے۔

یاد رکھئے کہ جب باپ کی کوئی چیز ضائع ہوتی ہے تو بیٹی کو زیادہ غم ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ...... ''میں متقی لوگوں کا باپ ہوں۔''

لہٰذا جو متقی عورتیں ہیں نبی علیہ السلام ان کے روحانی باپ ہیں۔ آج نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ ان کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ اب بچیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے روحانی والد گرامی ﷺ کی ان سنتوں کے ذبح ہونے پر دکھ محسوس کیا کریں، تڑپا کریں اور اپنے گھروں کو نبی علیہ السلام کی سنتوں سے

مزین کیا کریں۔

ایک بات ذہن میں رکھنا کہ جب کسی پر مصیبت کا وقت ہو تو اس وقت کوئی بندہ اس کو کوئی میٹھے بول بول دیتا ہے تو اس کے میٹھے بول ہی اسے ساری زندگی یاد رہتے ہیں کہ اس نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔ آج اسلام کے اوپر مشکل وقت آچکا ہے۔ ہر طرف عریانی اور فحاشی کا دور دورہ ہے، فیشن پرستی کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ پہلے ٹی۔وی اور وی۔سی۔آر نے تباہی مچائی ہوئی تھی، پھر کیبل آگئی اور اب رہی سہی کمی انٹرنیٹ (Inter net) نے پوری کر دی۔ اب تو یہ Inter net بھی Enter net بن چکا ہے۔ Enter کا مطلب ہے ''داخل ہونا'' اور Net کا مطلب ہے ''جال''۔ گویا جو انٹرنیٹ پر بیٹھے گا وہ پنچھی کی طرح جال میں پھنس جائے گا۔ اس انٹرنیٹ نے تو اتنی مصیبت میں ڈال دیا ہے کہ آج نوجوان بچے اور بچیاں گھنٹوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے گپیں مار رہے ہوتے ہیں جس سے ان کی دینی زندگی تباہ ہوتی جا رہی ہے۔ دین کے اس حال پر ہے کوئی تڑپنے والا؟

غور تو کیجئے کہ جب گھر میں آگ لگتی ہے اور مرد تھوڑے ہوتے ہیں یا کام پورا نہیں کر پا رہے ہوتے تو پھر عورتیں بھی پانی بھر کے دیتی ہیں کہ تم آگ کو بجھاؤ، ہم تمہاری مدد کرتی ہیں۔ بالکل اسی طرح آج دنیا میں گناہوں کی آگ لگ چکی ہے، مرد مدارس کی شکل میں ...... دعوت و تبلیغ کی شکل میں ...... اور اللہ اللہ کی مجالس کی شکل میں اس آگ کو بجھانے کی کوششیں کر رہے ہیں مگر وہ اکیلے کافی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے نیک بچیوں، نیک بیویوں اور نیک ماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنے محرم مردوں کی مددگار بن جائیں، گناہوں کی اس آگ کو بجھانے میں ان کی دستِ راست بن جائیں اور ان کی ہمتوں میں اضافے کا سبب بن جائیں۔ لہٰذا جن بچیوں نے یہاں دین سیکھا وہ اپنے دلوں میں یہ جذبہ پیدا کر لیں کہ قیامت

کے دن فقط ایک لڑکی یا عورت کی شکل میں کھڑا نہیں ہونا چاہئیں بلکہ ہم دین کی عالمہ اور دین کی داعیہ کی شکل میں پیش ہونا چاہتی ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب نبی علیہ السلام کے سامنے حوض کوثر پر امت کے عام لوگ جائیں گے تو فرشتے ان کو جامِ کوثر لے کر پلائیں گے، لیکن جب امت کے علماء اور عالمات وہاں پہنچیں گی تو نبی علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے پیالہ بھر کر ان کو پلائیں گے...... اس کی مثال اسی طرح ہے کہ جب عام لوگ آتے ہیں تو گھر کا نوکر ان کو شربت پلا دیتا ہے اور جب کوئی معزز بندہ آتا ہے تو میزبان اپنے ہاتھوں سے جام بھر بھر کر پلاتا ہے...... سبحان اللہ، وہ کتنے خوش نصیب لوگ ہوں گے جن کو اللہ کے محبوب ﷺ اپنے ہاتھوں سے کوثر کا جام بھر کر پیش کریں گے اور پھر جب وہ جنت میں پہنچیں گے تو پھر ان کو اللہ تعالیٰ پلائیں گے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدھر:22)

[اور ان کا پروردگار ان کو شراب طہور کا جام پلائے گا]

کتابوں میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے امام محمد! میں نے تیرے سینے کو علم کے لئے چنا تھا، اب مجھے لوگوں کے سامنے تیرا حساب لیتے ہوئے شرم آتی ہے، چل، میں نے تیرے گناہوں کو تیری نیکیوں میں تبدیل کر دیا۔

اسی طرح باقی علمائے کرام کو بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میں نے جو تمہارے سینے کو علم کے لئے چنا، اب مجھے تم سے حساب لیتے ہوئے حیا آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو بلا حساب کتاب جنت عطا فرما دیں گے۔ وہ بچیاں بھی خوش نصیب ہیں جنہوں نے یہ کورس کیا۔ وہ بھی مبارک باد کے لائق ہیں، ان کے والدین اور عزیز رشتہ دار بھی مبارک باد کے لائق ہیں، جس معلّمہ نے پڑھایا وہ

مبارک باد کے لائق ہے۔جس پرنسپل صاحبہ نے یہ انتظام کیا اور مدرسہ کے جتنے معاونین ہیں سب مبارکباد کے لائق ہیں۔

اب یہ بچیاں اپنے گھروں میں جائیں گی اور گھر میں دین کی دعوت چلائیں گی۔

......کوئی بہن ہوگی تو بھائی کو دعوت دے گی۔

......کوئی بیٹی ہوگی تو باپ کو دعوت دے گی۔

......کوئی بیوی ہوگی تو خاوند کو دعوت دے گی۔

......اور اگر کوئی ماں ہوگی تو اولاد کو دعوت دے گی۔

میں نے اس بات کو آپ کے سامنے قرآن و حدیث کی روشنی میں کھول کر بیان کر دیا ہے کہ قیامت کے دن آپ سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصہء کلام:

خلاصہء کلام کے لئے ایک مثال پر ذرا توجہ فرمایئے گا۔اگر آپ ایک ماں ہیں اور کھڑکی سے کھڑی دیکھ رہی ہیں کہ گلی میں آپ کے بیٹے کو غنڈوں نے پکڑا ہوا ہے۔وہ اس کو کھینچ رہے ہیں، تھپڑ مار رہے ہیں، اس کے سر پر جوتے لگا رہے ہیں اور دھکے دے رہے ہیں تو ماں کی حیثیت سے آپ کے دل پر کیا گزرے گی؟ کیا آپ آرام سے کھڑی ہوسکیں گی؟ نہیں، بلکہ روئیں گی، چیخیں گی، بھاگیں گی دوڑیں گی اور کہیں گی کہ میرے بیٹے کو کون ہاتھ لگانے والا ہے۔لیکن قیامت کے دن ماں کھڑی ہوگی، اس کا بیٹا بے نمازی ہوگا، نافرمان ہوگا، سود کھانے والا ہوگا۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ سود کھانے والے کو اللہ کے فرشتے دھکے دے کر جہنم میں لے کر جارہے ہوں گے، اس وقت جب ماں اسے دیکھے گی تو سوچیں کہ

اس کے دل پر کیا گزرے گی؟

اسی طرح اگر آپ بیوی ہیں اور آپ دیکھ رہی ہیں کہ آپ کے خاوند کو کوئی لاٹھیاں مار رہا ہے اور آپ دور کھڑی دیکھ رہی ہیں تو آپ کے دل پر کیا گزرے گی۔ قیامت کے دن بیوی کے سامنے اس کے خاوند کو گرز مارے جائیں گے۔ اس وقت اس کے دل پر کیا گزرے گی۔

اگر آپ بہن ہیں اور آپ دیکھ رہی ہیں کہ گلی میں کوئی بندہ آپ کی بہن کا دوپٹہ چھین رہا ہے اور اس کے کپڑے پھاڑ رہا ہے، اس وقت آپ کے دل پر کیا گزرے گی کہ کسی نے میری بہن کا دوپٹہ چھین لیا اور اسے بے عزت کر دیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب بے پردہ عورت قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوگی تو اس کے جسم کا لباس آٹومیٹکلی (خود بخود) گر جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے نگاہیں ہٹالیں گے اور فرمائیں گے کہ اس بے پردہ ننگی عورت کو جہنم میں ڈال دیا جائے۔ اس وقت آپ کے دل پر کیا گزرے گی۔ کاش! میں دنیا میں اپنی بہن کو پردہ کرنے کا کہہ دیتی اور یہ پردہ کر لیتی تو آج یہ سب کے سامنے بے پردہ نہ ہوتی اور جہنم میں اوندھے منہ نہ گرائی جاتی۔ اگر آج دنیا میں کوئی اپنے قریبی عزیز و اقارب کو بے عزت ہوتے دیکھے تو اس کے دل پر چھریاں چل جاتی ہیں، اگر قیامت کے دن کسی کو بے عزت ہوتا دیکھیں گی تو پھر کیا حال ہوگا۔ لہٰذا آج اپنے قریبی لوگوں پر رحم کھانے کا اور محبت کا تعلق نبھانے کا وقت ہے۔ چنانچہ اس دین پر خود بھی عمل کیجئے اور اپنے قریبی مردوں کو بھی دین کی طرف متوجہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی، تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ
الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ

فضائل جمعۃ المبارک

حضرت اقدس کا یہ بیان 19 مارچ 2004ء کو بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر جامع مسجد گلگشت کالونی ملتان میں ہوا۔

اقتباس

تخلیقِ عالم کا عمل اتوار کے دن شروع ہوا اور جمعہ کے دن مکمل ہوا۔ چونکہ یہ عمل اتوار کے دن شروع ہوا، اس لئے نصاریٰ نے اتوار کے دن کو ہی اپنے لئے عید کا دن بنالیا۔ اس لئے ان کی عبادت سنڈے (اتوار) کو ہوتی ہے۔ دنیا میں آپ کہیں بھی چلے جائیں، آپ دیکھیں گے کہ نصاریٰ اتوار کے دن گرجے میں اکٹھے ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ جب تخلیق عالم کی تکمیل ہوئی، وہ جمعہ کا دن تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے امت مسلمہ کے لئے عید کا دن بنا دیا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن عید کے دن کی مثل ہوتا ہے۔ جمعہ کے بعد ہفتہ کا دن چھٹی کا دن تھا اس لئے یہودیوں نے اس دن کو اپنے لئے عید کا دن بنالیا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

فضائلِ جمعۃ المبارک

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo

(الجمعه: 9)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

تخلیقِ عالم:

اللہ نے اس دنیا کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا...... فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ......ان میں سے دو دن زمین کو پیدا کرنے میں لگے...... خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ ...... پھر اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوئے۔ چار دنوں میں اللہ رب العزت نے انسان کے لئے زمین کے اندر برکت رکھی۔...... وَ بَارَکَ فِیْهَا ......اس میں بندے کا رزق رکھ دیا۔تو زمین وآسمان دونوں کی تخلیق پر کل چھ دن لگے۔

تخلیقِ عالم کا یہ عمل اتوار کے دن شروع ہوا اور جمعہ کے دن مکمل ہوا۔ چونکہ یہ عمل اتوار کے دن شروع ہوا، اس لئے نصاریٰ نے اتوار کے دن کو ہی اپنے لئے عید کا دن بنالیا۔ اس لئے ان کی عبادت سنڈے (اتوار) کو ہوتی ہے۔ دنیا میں

آپ کہیں بھی چلے جائیں، آپ دیکھیں گے کہ نصاریٰ اتوار کے دن گرجے میں اکٹھے ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ جب تخلیق عالم کی تکمیل ہوئی، وہ جمعہ کا دن تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے امت مسلمہ کے لئے عید کا دن بنا دیا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن عید کے دن کی مثل ہوتا ہے۔ جمعہ کے بعد ہفتہ کا دن چھٹی کا دن تھا اس لئے یہودیوں نے اس دن کو اپنے لئے عید کا دن بنا لیا۔ چنانچہ یہودی ہفتہ کے دن اپنی عبادت کرتے ہیں۔ اس دن وہ سواری بھی نہیں کرتے، فقط پیدل چلتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے روشنی بھی نہیں جلاتے۔ اس دن وہ سینیگاگ میں جاتے ہیں اور اپنی عبادت کرتے ہیں۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کے مزاج میں فرق:

اب یہاں ایک نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ اس وقت خوشی مناتے ہیں جب کسی کام کی ابتداء ہو رہی ہوتی ہے اور بعض لوگ کام کی تکمیل کے دن خوشی مناتے ہیں۔ نصاریٰ کے مزاج میں یہ بات ہے کہ جب وہ کام شروع کرتے ہیں تو وہ خوشی مناتے ہیں۔ اس لئے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے وہ برتھ ڈے کہتے ہیں اور وہ اسے بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ وہ اپنی تاریخ پیدائش کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور تاریخ پیدائش پر ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجتے ہیں۔ اگر وہ کسی دوست کی تاریخ پیدائش بھول جائیں تو شاید ان کے نزدیک اس سے بڑا جرم کوئی نہیں ہوتا۔ گویا اس امت میں کام کی ابتداء میں خوشی منانے کا رواج ہے۔ جب کہ امت مسلمہ کا مزاج اور ہے۔ ہمارے لئے وہ دن یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے جب کام مکمل ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ جب بھی کام مکمل ہوا، اس دن کو امت مسلمہ نے یادگار بنایا۔ ہمارے ہاں جب کوئی بندہ رخصت ہوتا ہے تو وہ اس کے لئے دنیا سے بخیر و عافیت ایمان بچا کر لے

جانے کا دن ہوتا ہے، اس لئے ہم پیدائش کے دن کو یاد رکھنے کی بجائے جانے کے دن کو یاد رکھتے ہیں۔ ہم سیرت کے جلسے مناتے ہیں اور جن کا مزاج دوسری طرح کا ہوتا ہے وہ ولادت کے جلسے مناتے ہیں۔

دنیائے کفر اور یوم جمعہ:

دنیائے کفر اس دن کو دوسرے دنوں کی طرح شرکیہ ناموں سے یاد کرتی ہے۔ مثال کے طور پر......

⊙......ہندو اس دن کو شُکّر وار کہتے ہیں۔ اس میں ''ش'' مضموم اور ''ک'' مشدد ہے۔ یہ دو لفظوں ''شکر'' اور ''وار'' سے بنا ہے۔ شکر بمعنی ''حسن و جمال اور خوبصورتی عطا کرنے والی دیوی'' اسی کو زہرہ سیارہ کہتے ہیں اور ''وار'' بمعنی ''دن'' یعنی...... ''زہرہ یا شکر دیوی کی پوجا کا دن''......عجیب بات یہ ہے کہ ہندو اس دیوی کو ماننے کے باوجود اس کے سامنے ہونا منحوس سمجھتے ہیں اور وہ اس دن میں کوئی نیک کام نہیں کرتے۔

⊙......انگریزی زبان میں اس دن کو فرائی ڈے کہتے ہیں یہ بھی دو لفظوں 'فرائی' اور ''ڈے'' کا مرکب ہے۔ ''فرائی'' کا مطلب ''فریکا دیوی'' جو وڈن گاڈ (Wooden God) کی بیوی سمجھی جاتی ہے اور ''ڈے'' بمعنی ''دن'' یعنی...... ''فریکا دیوی کی پوجا کا دن''۔ وڈن گاڈ کی بیوی رومیوں کے نزدیک عشق و محبت کی دیوی سمجھی جاتی ہے۔

اہل اسلام اور یوم جمعہ:

مسلمانوں کے ہاں جمعہ کا دن تمام دنوں میں سب سے زیادہ متبرک دن ہے، اس لئے جمعہ کے دن کو ''سید الایام'' یعنی دنوں کا سردار کہا گیا ہے۔ چنانچہ

حدیث پاک میں آیا ہے کہ

اَفْضَلُ الْاَیَّامِ جُمُعَۃٌ

(جمعہ کا دن دوسرے دنوں میں سے سب سے افضل ہے)

تاریخ میں اس دن بہت ہی اہم واقعات رونما ہوئے۔

☆......حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بے شک تمہارے دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور اسی دن ان کی وفات بھی ہوئی۔''

☆......اسی دن وہ جنت سے اتارے بھی گئے۔

☆......اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن ہی سجدہ کروایا......اس کی تفصیل تو آپ نے بہت سنی ہوگی کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ، تو انہوں نے اپنی عاجزی تسلیم کی اور کہا:

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ

(پاک ہے تیری ذات جتنا علم آپ نے ہمیں دیا اس سے زیادہ ہم نہیں جانتے بے شک آپ علم والے اور حکمت والے ہیں) (البقرۃ:۳۲)

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے سامنے پیش فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو ارشاد فرمایا......اَنْبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ......(ان کو ان چیزوں کے نام بتائیں)......تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیئے۔......سبحان اللہ......اب یہ ایک بڑی عجیب سی بات ہوئی کہ ایک طرف لاکھوں سالوں سے عبادت گزار فرشتوں کی جماعت ہے اور دوسری طرف کل کے پیدا ہونے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، مگر حضرت آدم علیہ السلام نے میدان جیت لیا......اس کی بنیاد کیا چیز بنی؟......بنیادی چیز یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم عطا کیا

تھا۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ انسان کو جو فضیلت ملتی ہے وہ علم کے نور کی وجہ سے ملا کرتی ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام نے میدان جیت لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا کہ میرے اس خلیفہ کو سب فرشتوں کے درمیان پیش کرو۔ چنانچہ ان کو تخت پر بٹھایا گیا اور پورے آسمان کی سیر کروائی گئی۔ جی ہاں، جب کوئی میدان جیتتا ہے تو دنیا بھی ساری پبلک کو دکھاتی ہے کہ دیکھو یہ میدان جیت گیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو آسمان کی سیر کروائی گئی تو سب فرشتوں کے ان کو دیکھا......

اب دستور یہ ہے کہ جب کوئی بندہ مقابلے میں جیتتا ہے تو اسے ایسا انعام دیا جاتا ہے جسے وہ یاد رکھتا ہے۔ آپ بھی جب دورۂ حدیث کا امتحان دیں گے تو آپ کو بھی ایک سند دی جائے گی۔ یہ سند بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ آپ یہ یاد رکھیں کہ آپ نے اس سال دورۂ حدیث کا امتحان پاس کیا۔ اور جو فرسٹ، سیکنڈ آتے ہیں ان کو مدرسے کی طرف سے بھی انعام دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے گھروں میں جا کر اسے بھی سجائیں۔ کھیلوں میں فرسٹ آئیں تو کپ دیتے ہیں تاکہ وہ اسے اپنے گھروں میں سجائیں۔ تو یہ ہمیشہ کا دستور ہے کہ جیتنے والوں کو یادگار انعام دیا جاتا ہے...... جب حضرت آدم علیہ السلام اس مقابلے کے امتحان میں جیتے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو یادگار انعام دیا۔

وہ انعام کیا تھا؟...... وہ انعام ''سجدہ'' تھا، جو خالص اللہ رب العزت کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تھوڑی دیر کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے جائز فرما دیا اور فرشتوں کو فرمایا،

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ [آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو] (البقرۃ:24)

ایک عبادت کا سجدہ ہوتا ہے اور ایک ہے تعظیم کا سجدہ۔ یہ تعظیمی سجدہ تھا، مگر

یہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے کتنی بڑی سعادت ہے کہ فرشتوں کی جماعت ان کے سامنے سجدہ کر رہی ہے...... اللہ اکبر کبیرا...... !!!

بعض کتابوں میں تفصیل لکھی ہے کہ فرشتوں میں سے سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور دوسرے نمبر پر حضرت جبرائیل علیہ السلام سجدہ ریز ہوئے۔ اس سبقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو بھی انعام دینے کا ارادہ فرمالیا...... اس سے پتہ چلا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ علماء کو انعام عطا فرماتے ہیں اسی طرح ان کی عزت کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ انعام واکرام سے نوازتے ہیں...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ماتھے پر قرآن مجید کو لکھوایا۔ یہ ان کا شرف ہے۔ اس کے علاوہ ایک بہت ہی اہم کام ان کے ذمے لگایا کہ تم صور پھونکو گے اور ہم اس دن اس کائنات کے نظام کو ختم کر کے قیامت قائم کر دیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی ایک اہم کام سونپا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ میرے جو پیغمبر دنیا میں آئیں گے، تم ان کی طرف میرا پیغام لے کر جانا اور ان کی مدد کرنا۔

عزازیل نے اس وقت سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرۃ: ۳۴)

(انکار کیا اور غرور میں آ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا)

جب اس سے پوچھا گیا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو کہنے لگا، ...... انا خیر منہ ...... (میں اس سے بہتر ہوں) فرشتوں کی ساری جماعت نے سجدہ کیا مگر وہ کھڑا رہا۔ وہ جنوں میں سے تھا لیکن اپنی عبادت کی وجہ سے وہ طاؤس الملائکہ بن گیا تھا۔ اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور یوں وہ دنیا کا سب سے پہلا غیر

مقلد بنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم بات نہیں مان رہے تو

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ (الحجر: 34)

(نکل جا یہاں سے، تو مردود ہے)

تو جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کروایا۔

☆...... پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن ہی زمین پر اتارا اور جمعہ کے دن ہی ان کی دعا قبول ہوئی۔

☆...... جمعہ کے دن ہی حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

☆...... حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی بھی جمعہ کے دن کنارے پر لگی۔

☆...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت بھی جمعہ کے دن ہوئی۔

☆...... سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب نارِ نمرود میں سے نکالا گیا تو وہ بھی جمعہ کا دن تھا۔

☆...... جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی ابتداء کی، وہ بھی جمعہ کا دن تھا۔

☆...... اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔

☆...... حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کے راستے میں جو قربانی دی، وہ بھی ذوالحجہ کی دس تاریخ کو جمعہ کا دن تھا۔

☆...... حضرت یوسف علیہ السلام کو جب قافلے کے لوگوں نے کنویں میں سے نکالا تو وہ بھی جمعہ کا دن تھا۔...... ان کو شام کے قریب ایک کنویں میں ڈالا گیا تھا۔ پھر وہ کنوئیں میں ڈال کر فارغ ہوئے تو...... وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْکُوْنَ...... وہ رات عشاء کے وقت روتے دھوتے باپ کے پاس پہنچے۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے بڑے غم کی رات تھی...... ایک تنہائی، دوسرا اپنے گھر سے جدائی اور

تیسرا ہر طرف تاریکی...... رات کو تو باہر بھی تاریکی ہوتی ہے اور کنویں کے اندر تو اور زیادہ اندھیرا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب صبح صادق ہوئی اور تھوڑی سی روشنی کنویں کے اندر گئی تو حضرت یوسف علیہ السلام کو امید لگ پڑی کہ شاید دن کی روشنی میں کوئی نکالنے والا آ جائے۔ چنانچہ انہوں نے دعا مانگی......

''اے اللہ! تو میری مصیبت کو بھی آسان کر دے اور پوری دنیا میں جو بھی مصیبت زدہ ہیں، ان سب کی مصیبتوں کو آسان کر دے''

...... اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرما لی۔ لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ بندہ جتنا بھی غمزدہ ہوگا، رات کو اسے تھوڑی سی نیند آئے گی لیکن صبح کے وقت اس کی طبیعت پہلے کی نسبت ہلکی ہوگی۔ بیمار آدمی کو دیکھ لیں۔ سارا دن وہ بیماری کی وجہ سے تڑپتا ہے لیکن صبح کے وقت اس کی بیماری بھی ہلکی ہو جاتی ہے۔ یہ اصل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے، سبحان اللہ۔ اللہ والوں کی دعا قبول ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے صدقے بہت سے مصیبت زدوں کی مصیبت کو آسان فرما دیتے ہیں۔

☆...... حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی بھی جمعہ کے دن واپس ہوئی۔

☆...... جب حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف دور ہوئی اور انھیں صحت ملی تو بھی جمعہ کا دن تھا۔

☆...... حضرت موسیٰ علیہ السلام جمعہ کے دن ہی سمندر سے پار ہوئے اور فرعون غرق ہوا۔

☆...... حضرت داؤد علیہ السلام کی خطا بھی جمعہ کے دن معاف ہوئی۔

☆...... حضرت سلیمان علیہ السلام کو جمعہ کے دن سلطنت عطا کی گئی۔

☆...... جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے تو وہ جمعہ کا دن تھا۔

☆...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی جمعہ کے دن ہوئی اور ان کو جمعہ کے دن

ہی آسمانوں پر زندہ اٹھایا گیا۔

☆ ...... جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کی عجیب کیفیت تھی۔ آپ ﷺ فرمارہے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

[تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو اکیلا ہے، اس نے مدد کی اپنے بندے کی اور شکست دی اس اکیلے نے جماعتوں کو]

وہ بھی جمعہ کا دن تھا۔

☆ ...... جس دن غزوہ بدر پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی خصوصی مدد سے نوازا وہ بھی جمعہ کا دن تھا...... اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کا تذکرہ یوں فرمایا:

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (ال عمران: ۱۲۳)

[اور اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد کی تھی جب کہ تم بے سروسامان تھے]

☆ ...... نواسہء رسول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک واقعہ بھی جمعہ کے دن پیش آیا

☆ ...... قیامت بھی جمعہ دن قائم ہوگی۔

یوم جمعہ کی وجہ تسمیہ:

قبل از اسلام یوم جمعہ کو یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ اس کا مطلب ہے "عظمت والا کھلا ہوا دن"۔ دین اسلام نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا۔ یہ لفظ جَمْعٌ سے مشتق ہے۔ اس دن میں متعدد وجوہات کی بنا پر جمعیت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر......

☆ ...... اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے

اِنَّ فِيْهِ جُمِعَتْ طِيْنَةُ اَبِيْكُمْ اٰدَمَ

[اس دن تمہارے باپ آدم کی مٹی جمع کی گئی]

☆......ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، اے سلمان! جمعہ کا دن کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماں باپ آدم وحوا کو زمین پر جمع فرمایا۔

جمعہ کا اہتمام کرنے کی فضیلت:

اس دن محلے والے سب مسلمان ایک جگہ اکٹھے ہو کر جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اجتماع اتنا پسند ہے کہ فرمایا:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (الجمعه:9)

[مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کیلئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (نماز) کیلئے جلدی کرو اور (خرید و) فروخت ترک کردو]

دیکھیں کہ تجارت اور خرید وفروخت حلال کام ہیں۔ ان کے متعلق فرمادیا کہ جب اذان ہو جائے تو ان کاموں کو چھوڑ کر مسجد میں آ جاؤ، اگر نہیں آؤ گے تو یہ جائز کام بھی تمہارے لئے حرام ہو جائیں گے۔ تو جمعہ کے دن مسجد میں آنے کی اتنی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ جمعہ کا اہتمام کرنے والوں سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ جمعہ کا اہتمام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے جمعہ سے اس جمعہ تک کے کیے ہوئے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ وقت سے پہلے غسل کرنا، زیر ناف اور جسم کے باقی اتارے جانے والے بالوں کو صاف کرنا، صاف کپڑے پہننا، خوشبو لگانا اور وقت سے پہلے مسجد میں آنا

جمعہ کا اہتمام کہلاتا ہے۔

ساعت اجابت:

اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن میں قبولیت کا ایک لمحہ رکھ دیا ہے تاکہ عبادت گزار بندے اس دن میں خوب عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قبولیت کی اس گھڑی کو چھپا دیا۔ اگر بتا دیتے تو پھر لوگوں کے لئے اس میں سبقت کرنے اور ڈھونڈنے کا جذبہ نہ رہتا۔ چنانچہ علما کا اس بات میں اختلاف ہے کہ قبولیت کی گھڑی کونسی ہے۔ مثال کے طور پر......

⊙......بعض روایات میں آیا ہے کہ خطیب جب خطبہ دیتے وقت دو خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر کے لئے بیٹھتا ہے وہ وقت ساعت اجابت (قبولیت کی گھڑی) ہے۔ یعنی اس وقت میں جو بھی دعا کی جائے اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرما لیتے ہیں۔

⊙......سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان ساعت اجابت ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جمعہ کے دن کسی خادمہ کو حکم دیتی تھیں کہ جب جمعہ کا دن ختم ہونے لگے تو وہ ان کو خبر دے دے تاکہ وہ اس وقت ذکر اور دعا میں مشغول ہو جائیں۔

⊙......شرح سفر السعادت میں ساعت اجابت کے بارے میں چالیس اقوال نقل کئے گئے ہیں مگر ان میں سے دو اقوال کو ترجیح دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ وہ ساعت خطبہ پڑھنے کے وقت سے نماز کے ختم ہونے تک ہے اور دوسرا یہ کہ وہ ساعت اخیر دن میں ہے۔ اس دوسرے قول کو ایک کثیر جماعت نے اختیار کیا ہے اور بہت سی احادیث صحیحہ اس کی تائید کرتی ہیں۔

اب بتایئے کہ ہمارے لئے اس معاملے میں کتنی آسانی ہو گئی ہے۔ہم جو سارا ہفتہ پریشان ہوتے پھرتے ہیں تو کیا جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان کے وقت کو ہم اللہ کی عبادت میں نہیں لگا سکتے۔

جمعہ کا مخصوص لباس:

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روزمرہ کے لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص کر دے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب لوگوں پر وہی معمولی چادریں دیکھیں جو وہ محنت مزدوری کے وقت استعمال کرتے تھے۔فرمایا کہ اگر تم میں طاقت ہو تو ایسا ضرور کرو۔

نماز جمعہ کے بعد تجارت میں برکت:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ: 10)

[جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں چلو پھرو اور اللہ کا فضل تلاش کرو]

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَجَبْتُ دَعْوَتَکَ وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَکَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِیْ فَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِکَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ

[اے اللہ! میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرا فرض ادا کیا اور جیسا کہ تو نے حکم دیا نماز پڑھ کر میں باہر جاتا ہوں، تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے]

پھر فرماتے ہیں کہ بعض سلف صالحین نے فرمایا کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔

جمعہ پڑھنے والوں کے ناموں کا اندراج:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو مسجد کے ہر دروازہ پر فرشتے آجاتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے والوں کے نام ترتیب سے لکھتے رہتے ہیں۔ پھر جب امام آتا ہے تو لکھنا بند کر دیتے ہیں اور کاغذ لپیٹ دیئے جاتے ہیں اور خطبہ سنتے ہیں۔ نماز کے لئے سب سے پہلے آنے والا ایسا ہے جیسے اونٹ کی قربانی کرنے والا، اس کے بعد آنے والا گائے کی قربانی پیش کرنے والے کی طرح ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مرغی اور انڈے کا بھی ذکر فرمایا۔

درود شریف کی کثرت کا حکم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کی نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی (۸۰) مرتبہ ایک درود شریف پڑھے اس کے اسی سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اسے اسی (۸۰) سال کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ وہ درود شریف یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

اِنَّ مِنْ اَفْضَلَ یَوْمِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمَ وَفِیْہِ قُبِضَ وَفِیْہِ النَّفْخَۃَ وَ فِیْہِ صَاعِقَۃً ، فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ

[تمہارے سب دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور قیامت کے دن بھی اسی دن اٹھایا جائے گا، لہٰذا (اس دن) مجھ پر درود شریف پڑھنے کی کثرت کیا کرو]

اس لئے جمعہ کے دن خوب درود شریف پڑھنا چاہئے۔ یہ بہت آسان ہے کہ ہم ہفتے میں ایک دن معمول بنالیں کہ عصر کے بعد مرد حضرات مسجد میں اور گھر کی سب عورتیں اور بچے گھر میں اسی (۸۰) مرتبہ دورد شریف بھی پڑھ لیں اور بعد میں مغرب تک دعا کا اہتمام کرلیں۔

ہماری یہ حالت ہے کہ ہمیں ذرا سی تکلیف ہوتو ہم کبھی عملیات والوں کی طرف بھاگتے ہیں اور کبھی جادوٹونہ والوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ الٹا اپنا ایمان خراب کر بیٹھتے ہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ لوگوں کو چھوٹا خدا نہ سمجھو۔ بعض تو یسے جاہل ہوتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ کسی نے میرا رزق باندھ دیا ہے۔ او خدا کے بندے! رزق دینے والی اللہ کی ذات ہے، کوئی ہے اس رزق کو باندھنے والا؟ بعض تو کہتے ہیں کہ کسی نے میری بیٹی کا رشتہ باندھ دیا ہے۔ انسان ان باتوں میں آکر اپنے ایمان کو کتنا برباد کر لیتا ہے۔ اللہ رب العزت کی ذات کے سوا کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتا۔

قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ (آپ فرمادیجئے ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے)

ہماری اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے کاروبار میں اونچ نیچ ہو جاتی ہے اور ہم کہہ

رہے ہوتے ہیں کی کسی نے ہمارا کاروبار باندھا ہوا ہے۔تو عملیات اور جادوٹونہ والوں کے پاس ہرگز نہ جائیں بلکہ قبولیت دعا کے جولمحات ہیں ان میں اپنے پروردگار سے مانگ لیجئے، پھر دیکھنا کہ اللہ تعالٰی ہماری مصیبتوں کوکس طرح دور فرمادیں گے۔

جمعہ اور شب جمعہ کی برکات:

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا کہ جمعہ کا دن روشن پیشانی والا دن ہے اور جمعہ کی رات بڑی سفید اور چمکیلی (روشن رات) ہے۔امام احمد بن جنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شب جمعہ کا مرتبہ لیلۃ القدر سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اسی شب میں اللہ کے محبوب اپنی والدہ ماجدہ کے شکم طاہر میں جلوہ افروز ہوئے اور آپ ﷺ کا تشریف لانا دنیا وآخرت میں اس قدر خیروبرکت کا سبب بنا جس کا شمار کوئی بھی نہیں کرسکتا۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر روز دوپہر کے وقت دوزخ تیز کی جاتی ہے لیکن جمعہ کی برکت سے جمعہ کے دن تیز نہیں کی جاتی۔

جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھنے کی فضیلت:

جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشادفرمایا کہ جوشخص جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھ لے وہ آٹھ روز تک ہرفتنہ سے محفوظ رہے گا اور اگر دجال بھی نکل آئے تو یہ اس کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جوشخص جمعہ کے دن سورۃ کہف کی تلاوت کرلے اس کے قدم سے لے کر آسمان کی بلندی تک نور ہوجائے گا جو قیامت کے دن روشنی دے گا اور پچھلے جمعہ سے اس جمعہ تک اس کے سب گناہ

معاف ہو جائیں گے۔

خطبہء جمعہ کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندے جمعہ کے دن مسجد میں آئیں اور خطیب کی بات کو توجہ کے ساتھ سنیں۔ خطیب جو خطبہ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا حق چار رکعت جو ہم روزانہ ظہر کے وقت پڑھتے تھے اس میں تخفیف کر دی اور فرمایا کہ اے میرے بندو! تم آج چار رکعت فرض پڑھنے کی بجائے دو رکعت فرض پڑھنا اور باقی دو رکعت کے بدلے خطیب کی بات کو توجہ سے سن لینا، میں اسی بات پر راضی ہو جاؤں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ میں اجتماعیت کی ایک شان ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ میرے بندے ایک جگہ پر اکٹھے ہو کر میری عبادت کریں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

خطبہء جمعہ کا نچوڑ:

خطیب خطبہء جمعہ میں جو نصیحت کی بات کرتا ہے اس کے آخر میں اس ساری بات چیت کا نچوڑ اور لب لباب یہ پیش کرتا ہے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَ اَوْلٰى وَ اَجَلُّ وَ اَتَمُّ وَاَهَمُّ وَ اَكْبَرُ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ .

[اور اللہ کا ذکر سب سے بلند ہے اور بڑھ کر ہے اور زیادہ ہے اور کافی ہے

اور بزرگی والا ہے اور سب سے بڑا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو]

اندازہ لگائیے کہ اللہ رب العزت کی یاد کی کتنی اہمیت ہے

خطیب کے چہرے کی طرف دیکھنے پر انمول انعام:

دیکھیں کہ نماز میں قیام کے وقت سجدہ کی جگہ پر نظر رکھنے کا حکم ہے، رکوع کے اندر دو انگوٹھوں کے درمیان کی جگہ کو دیکھنے کی تلقین کی گئی ہے، التحیات میں اپنے دامن رکھنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ شریعت نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ خشوع اور زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لئے یہ چیزیں تمہارے لئے زیادہ فائدہ مند ہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ جب خطیب خطبہ دے تو تمہیں چاہیے کہ اس وقت خطیب کے چہرے کی طرف دیکھو، اس کے بدلے تمہیں قیامت کے دن کوئی اور نعمت (رویت باری تعالیٰ) نصیب ہوگی۔

اجازت ہو تو آ کر میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں
سنا ہے کل ترے در پر ہجوم عاشقاں ہوگا

وہ کیا نعمت ہے؟ ذرا توجہ فرمائیے کہ جمعہ کے خطبہ کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کے نمونے پیش کئے مثال کے طور پر......

⊙ ......اس دنیا کے گھر آخرت کے گھروں کا نمونہ ہیں۔ آخرت کے گھر ہمارے دنیا والے گھروں کی طرح ہوں گے۔ گو وہ اپنی وسعت اور کوالٹی میں اپنی مثال آپ ہوں گے۔ اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سرخ یاقوت کے بنے ہوں گے، سونے چاندی کی اینٹوں کے بنے ہوں گے۔ ان کے اندر مشک کا گارا لگا ہوگا اور بہت ہی خوبصورت ہوں گے۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن ان

طرح ہوں گے کہ ان میں آرام کرنے کی جگہ بھی ہوگی اور مہمان خانہ بھی ہوگا۔

⊙......پھلوں کا معاملہ بھی اس طرح ہے......اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَ أُتُوا بِهٖ مُتَشَابِهًا . (اور دیئے جائیں گے ان کو ملتے جلتے)

جنت کے پھل دنیا کے پھلوں کے مشابہ ہوں گے۔انار کی شکل دنیا کے انار کی طرح ہی ہوگی، سیب اور کیلے بھی اسی طرح کے ہوں گے مگر ان کی لذت اور کوالٹی کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

⊙......اسی طرح وہاں کی عورتیں دنیا کی عورتوں جیسی ہی ہوں گی۔ان کی شکل و صورت انہی کی طرح ہوگی۔اگرچہ کہ وہاں کی عورت کا حسن و جمال کچھ اور ہوگا، اور دنیا کی عورت جب جنت میں جائے گی تو اس کا حسن و جمال ان سے بھی زیادہ بڑھا دیا جائے گا مگر وضع قطع میں مشابہت ہوگی۔

⊙......حتی کہ جو دستر خوان جنت میں لگے گا وہ بھی دنیا کے دستر خوان کے مشابہ ہو گا۔اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ٥ [اور برتن پانی والے] (المدثر:18)

دنیا میں جب ہم جب دستر خوان لگاتے ہیں تو یہی طریقہ ہوتا ہے کہ دستر خوان پر سب سے پہلے پانی کے برتن لا کر رکھے جاتے ہیں۔جب مشروبات رکھ دیئے جاتے ہیں تو پھر اس کے بعد کچھ پھل اور میوے بھی رکھ دیئے جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ فَا كِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ٥ (الواقعہ:۲۰)

[اور میوے جو وہ پسند کریں]

تو دیکھیں کہ پانی کے بعد خشک میووں کی بات آگئی۔اس کے بعد دنیا میں پکے ہوئے کھانے آتے ہیں، ڈشز آتی ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (واقعہ:۲۱)

[اور پرندوں کا گوشت جس قسم کا ان کا جی چاہے]

ماشاء اللہ اب پکے ہوئے کھانے آ گئے

⊙.....دعوت کھانے کے بعد ایمان والے دنیا میں اپنے گھروں میں جا کر بیویوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا۔

وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ o (واقعہ:۲۲،۲۳)

[اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے تہہ کیے ہوئے آبدار موتی]

تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو ترتیب ادھر دنیا میں ہے وہی ترتیب اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بھی بنائی ہے اور اللہ رب العزت نے اپنی رحمت اور قدرت کاملہ سے جو نعمتیں ایمان والوں کو آخرت میں دینی ہیں ان کا عکس دنیا میں ہی دکھا دیا ہے۔

جب جنت کی ان نعمتوں کا عکس دنیا میں دکھا دیا تو جنت میں ایک اور نعمت بھی ملے گی وہ نعمت یہ ہوگی کہ ایمان والے اپنے پروردگار کو دیکھیں۔ بلکہ دل چاہتا ہے کہ ابھی دیکھیں۔ اسی لئے شاعر نے کہا

کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبیں نیاز میں

بندے کا دل چاہتا ہے کہ مجھے موقع مل جائے اور میں ابھی سجدہ کروں۔ دل کے اندر یہ تڑپ اٹھتی ہے۔

نہیں کرتے وہ وعدہ دید کا حشر سے پہلے
دل ناداں کی خواہش ہے یہیں ہوتی ابھی ہوتی

دل تو چاہتا ہے کہ مولا کی دید یہیں ہوتی اور ابھی ہوتی مگر دنیا میں تو بندے کو

انتظار کرنا ہے۔ البتہ جب جنت میں پہنچیں تو جنتی کہیں گے کہ یا اللہ! اب تو ہم ملاقات گاہ (جنت) میں پہنچ گئے ہیں اور دستور ہے کہ جب ملاقات گاہ میں پہنچ جائیں تو پھر محبّ اور محبوب کی ملاقات ضرور ہوتی ہے، اس لئے

بس اب رسم دنیا بھی ہے، وعدہ بھی ہے، دستور بھی ہے۔

اے اللہ! ہم پر احسان فرمایئے اور اپنا دیدار عطا کر دیجئے۔ چنانچہ ایمان والوں کی اس درخواست کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے ایمان والو! تم میری ملاقات کے لیے تیاری کرلو۔

دیدارِ الٰہی

دیدارِ الٰہی کے لیے تیاری

جیسے دنیا میں لوگ شادی کے لیے تیاری کرتے ہیں، نہا دھو کر اور اچھا لباس پہن کر نکاح اور دعوت ولیمہ کے لیے آتے ہیں، اسی طرح وہاں بھی جنتی تیاری کریں گے۔ چنانچہ جنتی ایک بازار میں جائیں گے تو ان کو وہاں اپنی من پسند کا حسن و جمال مل جائے گا...... آج تو جو اللہ تعالیٰ نے نقشے بنا دیے ہیں وہ تو نہیں بدل سکتے۔ چھوٹی آنکھیں موٹی نہیں ہوسکتیں اور موٹی آنکھیں چھوٹی نہیں ہو سکتیں۔ لمبا چہرہ گول نہیں ہوسکتا اور گول چہرہ لمبا نہیں ہوسکتا...... مگر اس بازار میں جنتی اپنے چہرے کی زیبائش کے لیے جو کچھ سوچتا چلا جائیگا اس کا چہرہ ویسا بنتا چلا جائے گا۔ جیسا چہرہ چاہے گا اس کا چہرہ ویسا ہو جائے گا، اس پر جیسی زیبائش چاہے گا ویسی ہی اس پر زیبائش ہو جائے گی۔ حتی کہ آنکھیں، پلکیں، ہونٹ اور دانت بھی اس کی پسند کے مطابق بن جائیں گے۔ اب ذرا سوچئے کہ اگر کسی کو خیالی اور تصوراتی حسن مل جائے تو وہ حسن کتنا عجیب ہوگا۔

میدانِ مزید میں حاضری

جب جنتی پوشاکیں پہن کر اپنی مرضی کا حسن و جمال لے لیں گے تو پھر اس جنت میں پہنچیں گے جہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔ وہاں پر ایک دریا ہو گا جس کے کنارے پر دعوت کا اہتمام ہو گا۔ وہاں نور کے بنے ہوئے منبر اور کرسیاں ہوں گی، جن پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کے لیے جنتیوں کو بٹھایا جائے گا، پہلے انبیائے کرام علیہم السلام، پھر صدیقین، پھر شہداء اور پھر صالحین بیٹھیں گے۔ پہلے حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام سنائیں گے، پھر سیدنا رسول اللہ ﷺ بھی اللہ کا کلام سنائیں گے، اور بعد میں اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں سے سورۃ یسین کی تلاوت خود فرمائیں گے...... اللہ اکبر...... ذرا تصور تو کریں کہ یہ کیسی عجیب بات ہے۔ انسان تصور کر کے حیران ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔ اب چونکہ یہ محفل میدان مزید میں منعقد ہونی ہے اور وہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہونا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مجلس کا نمونہ دنیا میں نماز جمعہ کے اجتماع کو بنا دیا۔ لہٰذا جو مؤمنین دنیا میں نماز جمعہ کا اہتمام کریں گے ان کو اس کا اجر ملے گا۔

دیدار کے وقت کیفیت:

حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے ایک عجیب بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو مومن اپنے دل میں یہ سوچے گا کہ میری جو کیفیت جمعہ کی نماز میں ہو گی اس یوم مزید میں ملاقات کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے اسی کیفیت کے ساتھ حاضری ہو گی، اس لیے مومن کو چاہئے کہ وہ وقت سے پہلے تیاری کر لے، نہا دھو کر اچھے کپڑے پہنے اور خطیب کے قریب سے قریب تر آ کے بیٹھے، جو اس مجلس

میں جتنا قریب تر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوگا، اللہ تعالیٰ میدان مزید میں اس کو اتنا ہی اپنے قریب جگہ عطا فرمائیں گے۔اس لئے آپ جمعہ کی نماز میں اس جذبہ کے ساتھ آیا کریں کہ جیسے ہمیں میدان مزید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کے لئے بلایا ہے اور اب محبوب کے دیدار کے لئے مجھے سب سے آگے جا کر بیٹھنا ہے۔ اور خطیب کے چہرے کی طرف متوجہ رہا کریں، کیونکہ اگر ہم خطبہء جمعہ کے وقت خطیب کے چہرے کی طرف متوجہ رہیں گے تو میدان مزید کی مجلس میں بھی اللہ تعالیٰ ہمیں اسی طرح اپنے دیدار کی توفیق عطا فرمادیں گے۔

یہاں پر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب نکتہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں انسان جیسی نماز ادا کرے گا جنت میں رویت باری تعالیٰ کی کیفیت بالکل ویسی ہی ہوگی۔مثال کے طور پر جس کو نماز میں ادھر ادھر کے خیالات آتے ہوں گے اور وہ ان خیالات کو ہٹانے کی کوشش کر کے دنیا کے خیال کے بغیر نماز پڑھنے کی کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں بغیر کسی پردے کے اپنا دیدار عطا فرمائیں گے اور جس کو نماز میں ادھر ادھر کے خیالات آتے رہیں گے تو پھر میدان مزید میں جب اس کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو درمیان میں نور کے کچھ پردے آجائیں گے اور اس کو بغیر پردے کے دیدار نصیب نہیں ہوگا۔اس لئے ہر مؤمن کے دل میں یہ حسرت ہونی چاہئے کہ یا اللہ ہمیں ایسی نماز پڑھنے کی توفیق دے جس کے دوران ہمارے دل میں دنیا کا کوئی خیال بھی نہ آئے۔یہ نعمت اگرچہ بڑی مشکل ہے مگر کوشش کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں۔آپ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ پر غور کریں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں ایسی نماز پڑھنے کی کوشش میں لگا رہے گا نصیب ہوگئی تو فبہا، اور اگر نصیب نہ بھی ہوئی تو کوشش کرنے کی وجہ

سے اللہ تعالیٰ اس کو محروم نہیں کریں گے۔ لہٰذا جو شخص دنیا میں ایسی نماز پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اپنا دیدار بغیر کسی پردے کے عطا فرما دیں گے۔ اس کو دیدار بے نقاب نصیب ہوگا۔ علما نے لکھا ہے کہ وہ دیدار بے جہت، بے کیف، بے شبہ اور بے مثال ہوگا۔ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ دیدار کیسا ہوگا۔

معارف دیدار الٰہی:

اس دیدار کے بارے علماء نے عجیب باتیں لکھی ہیں۔

ایک بات تو یہ لکھی کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور جنتی مخلوق کے حسن و جمال کو دیکھیں گے تو انہیں اس قدر تعجب سے دیکھیں گے کہ انہیں وقت کے گذرنے کا احساس بھی نہیں ہوگا۔ حتی کہ یہ انہیں ستر سال تک ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہیں گے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو میدان مزید میں اپنا دیدار عطا فرمائیں گے تو جیسے آندھی آتی ہے تو ہر چیز پر مٹی کی تہہ آ جاتی ہے اسی طرح جنتیوں پر نور کی بارش ہوگی اور ان کے چہروں پر نور کی تہہ جم جائے گی۔ حتی کہ جنتیوں کا حسن اتنا بڑھ جائے گا کہ جب یہ لوٹ کر اپنے گھروں میں آئیں گے تو وہ جنتی مخلوق (خدام اور خادمات) ان کو دیکھے گی تو وہ جنتی مخلوق اتنا متعجب ہوگی کہ ستر سال تک وہ بھی ٹکٹکی باندھ کر جنتیوں کو دیکھتی رہ جائے گی۔ سبحان اللہ! جنتیوں کا حسن و جمال اس قدر بڑھ جائے گا!!!

قاعدہ بھی یہی ہے کہ نوکر، نوکر ہوتا ہے اور گھر کا مالک، گھر کا مالک ہوتا ہے۔ اگر حور و غلمان کا ایسا حسن ہے تو جو ایمان والے جا کر وہاں کے وارث بنیں گے ان کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا......!!!

اب سوچیے کہ جس ذات نے حسن و جمال کو پیدا کر دیا اس کے اپنے حسن

وجمال کا کیا عالم ہوگا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

اَللّٰہُ جَمِیْلٌ (اللہ تعالیٰ خوبصورت ہیں)۔

یا اللہ! وہ کتنے خوش نصیب لوگ ہوں گے جو آپ کا دیدار کریں گے۔ وہ کیسی خوش نصیب آنکھیں ہوں گی جو جنت میں آپ کا دیدار کریں گی۔

حال کیا ہوگا بھلا ان کا تیری دید کے دن
جن کا دل جوش میں آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

یا اللہ! تیرا نام سن کر جو دنیا میں تڑپنے لگتے ہیں جب وہ جنت میں آپ کا دیدار کریں گے تو اس دن ان کا کیا حال ہوگا۔

☆...... یہاں پر حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب نکتہ لکھا ہے۔ اس بات کو پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ حضرت نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی دیدار کرائیں گے اور جنتی دیدار کریں گے۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دیدار ختم کیسے ہوگا؟ اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ خود دیدار ختم کروا دیں تو اس میں بخالت کا شبہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والے تو دیکھ رہے تھے اور دیدار کرانے والے نے خود ہی پردے کر لئے، اور اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ تو دیدار کرا رہے تھے اور جنتیوں نے دیدار کرنا بند کر دیا، تو یہ مؤمنوں کے لئے وجہِ ملامت بنتا ہے کہ یہ کیسے عاشق ہیں کہ محبوب جلوہ افروز ہے اور محبّ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہو گئے...... وہ فرماتے ہیں کہ ذرا غور کریں کہ جب ایک مکھی کسی حلوائی کی دکان پر چلی جاتی ہے تو حلوائی مکھی کو بار بار اڑانے کی کوشش کرتا ہے مگر مکھی اس مٹھائی سے پیچھے نہیں ہٹتی۔

تو خواہی آفتیں افشاں و خواہی دامن اندر کش
مگس ہرگز نہ خواہد رفت از دکان حلوائی

اگر شہد کی مکھی مٹھائی کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتی تو جنت میں عاشق لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا کیسے چھوڑ دیں گے؟

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علمائے محققین کو اس کی معرفت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات دو طرح کی ہیں۔ ایک جلالی تجلیات ہیں ا دوسری جمالی تجلیات ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ جمال کی تجلیات ڈالیں گے تو سب ے سب مومن اس کے دیدار میں مشغول ہو جائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو وہ جلال کی تجلیات ڈالیں گے اور سب کے سب مومن جنت کی نعمتوں میں مشغول ہو جائیں گے۔ پھر جب جمال کی تجلیات ڈالیں گے تو پھر جنت کی نعمتوں سے ہٹ کر اللہ رب العزت کے دیدار میں مشغول ہو جائیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ان کو دیدار عطا فرماتے رہیں گے۔

☆...... کسی کو اللہ تعالیٰ سال میں ایک مرتبہ اپنا دیدار عطا فرمائیں گے، کسی کو ہر جمعہ کے دن دیدار الٰہی نصیب ہوگا اور کئی جنتی ایسے ہوں گے کہ جن کو ہر روز اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایک بندہ ایسا ہوگا جو دنیا میں اندھا پیدا ہوا لیکن وہ اللہ کی اس تقسیم پر راضی رہا اور اس نے نیکی اور تقویٰ کی زندگی گذاری، جب یہ اندھا اللہ رب العزت کے حضور جنت میں پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر وقت اپنا دیدار عطا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ میرا وہ بندہ ہے جس نے دنیا میں میرے غیر کو محبت کی نظر سے نہیں دیکھا، لہٰذا آج یہ ٹکٹکی باندھ کر میرا دیدار کر سکے گا۔ سبحان اللہ

علمائے ماوراء النہر کا معمول:

ہم نے علمائے ماوراء النہر یعنی بخارا اور اس کے ملحقہ علاقوں کے علماء کا یہ عمل

دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن دس بجے مسجد میں آ جاتے ہیں۔ مجھے ایک جگہ جمعہ پڑھانا تھا۔ ہم سفر سے وہاں لوٹے۔ تھکے۔ ہوئے تھے اس لئے ہم نے سوچا کہ ابھی صبح کے آٹھ بجے ہیں لہذا ہم ناشتہ کر کے سو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم سو گئے۔ پھر دس بجے اٹھے اور وضو کے لئے کمرے سے باہر نکلے تو دیکھا کہ پوری مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ ہم یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ معلوم نہیں کیا ماجرا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ شاید کوئی فوت ہو گیا ہو یا کوئی اور وجہ ہو۔ چنانچہ ہم نے مفتی صاحب سے پوچھا کہ آج لوگ مسجد میں دس بجے کیوں اکٹھے ہو گئے؟ کہنے لگے کہ ہمارے ہاں یہ دستور ہے کہ یہاں کے علمائے کرام یوم جمعہ کو یوم مزید کا ایک عکس سمجھ کر آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ گویا آج اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا ہے۔ اگر آج ہم وقت سے پہلے مسجد میں جائیں گے تو جنت میں بھی ہمیں اسی طرح جانے کی سعادت نصیب ہوگی۔ سبحان اللہ......

اس وقت مجھے اپنے دیس کے نوجوان یاد آئے کہ اگر ایک بجے جمعہ ہونا ہوتو وہ کہتے ہیں کہ بارہ بج کر پچپن منٹ پر گھر سے نکلیں گے اور پانچ منٹ میں مسجد میں پہنچ جائیں گے اور نماز پڑھ کر واپس آ جائیں گے ...... مفتی صاحب نے بتایا کہ یہ لوگ دس بجے مسجد میں پہنچ جاتے ہیں اور یہاں دو تین گھنٹے پہلے آ کر نوافل پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، درود شریف پڑھتے ہیں، صلوٰۃ التسبیح پڑھتے ہیں اور ندامت کے ساتھ استغفار کرتے رہتے ہیں، اس کے بعد جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی جمعہ کی نماز کا ایسا اچھا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ